عہدِ مامون کی طبی و فلسفیانہ کتب

کے تراجم

ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر عشرت اللہ خاں

رفی اردو بیورو، نئی دہلی

عہدِ مامون کی طبّی و فلسفیانہ کتب

کے تراجم

ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر عشرت اللہ خاں

P

ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

© ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی

سنہ اشاعت : اپریل تا جون 1994 شک : 1916

پہلا ایڈیشن : 1000

سلسلۂ مطبوعات نمبر : 712
کتابت : محمد طاہر حسین
مصحح (پروف ریڈر) حکیم غلام مہدی
قیمت : -/40 روپے

مصنف کے خیالات سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ناشر : ڈائرکٹر ترقی اُردو بیورو، ویسٹ بلاک 1 آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی 110066
ٹیلی فون : 603938 — 603381 — 609746
طابع : جے۔ کے۔ آفسٹ گلی گڑھیا مٹیا محل جامع مسجد دلّی 110006

فہرست

پیش لفظ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

عرضِ مصنف ڈاکٹر عشرت اللہ خاں 7

مقدمہ 13

1 خلافت عباسیہ کا مختصر تعارف 29

2 حکمائے یونان اور عربی میں نقل شدہ علوم و فنون کا ایک جائزہ 51

3 مسلمانوں میں یونانی علوم کی اشاعت 78

4 السنہ جن کے توسط سے عربی میں ترجمہ کا کام ہوا۔ 87

5 طریقۂ ترجمہ اور اس کی صحت۔ 105

6 عہدِ مامون تک عربی علوم کے تراجم کی تاریخ 118

7 علوم و فنون کی ترقی میں بیت الحکمت کا حصہ 136

8 عہدِ مامون کے مترجمین اور ان کے علمی کارنامے۔ 160

9 عہد مامون کے طبّی و فلسفیانہ تراجم کا تحقیقی مُطالعہ۔ 251

10 فلسفیانہ تراجم کا تحقیقی مطالعہ۔ 272

11 خاتمۃ الکلام۔ 298

12 کتابیات۔ 337

پیش لفظ

ہندوستان میں اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے ترقی اردو بیورو (بورڈ) قایم کیا گیا۔ اردو کے لیے کام کرنے والا یہ ملک کا سب سے بڑا ادارہ ہے جو دو دہائیوں سے مسلسل مختلف جہات میں اپنے اپنے خاص خاص منصوبوں کے ذریعے سرگرم عمل ہے اس ادارہ سے مختلف جدید اور مشرقی علوم پر مشتمل کتابیں خاصی تعداد میں سماجی ترقی، معاشی حصول، عصری تعلیمی اور معاشرہ کی دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے شائع کی گئی ہیں۔ جن میں اردو کے کئی ادبی شاہکار، بنیادی متن، قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی وضاحتی فہرستیں، تکنیکی اور سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شامل ہیں۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مختصر عرصہ میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ترقی اردو بیورو نے اپنے منصوبوں میں کتابوں کی اشاعت کو خاص اہمیت دی ہے۔ کیوں کہ کتابیں علم کا سرچشمہ رہی ہیں۔ اور بغیر علم کے انسانی تہذیب کے ارتقا کی تاریخ مکمل نہیں تصور کی جاتی۔ جدید معاشرے میں کتابوں کی اہمیت مسلّم ہے۔ بیورو کے اشاعتی منصوبہ میں اردو انسائیکلوپیڈیا ذولسانی اور اردو۔ اردو لغات بھی شامل ہیں

ہمارے قارئین کا خیال ہے کہ بیورو کی کتابوں کا معیار اعلی پائے کا ہوتا ہے اور وہ ان کی ضرورتوں کو کامیابی کے ساتھ پورا کر رہی ہیں۔ قارئین کی سہولتوں کا مزید خیال کرتے

ہوئے کتابوں کی قیمت بہت کم رکھی جاتی ہے تاکہ کتاب زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچے اور وہ اس بیش بہا علمی خزانہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید اور مستفیض ہو سکیں۔

یہ کتاب بھی بیورو کے اشاعتی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے کہ آپ کے علمی ادبی ذوق کے تسکین کا باعث بنے گی اور آپ کی ضرورت کو پورا کرے گی۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو

عرضِ مُصنّف

”جستجو ہو تو سفر ختم کہاں ہوتا ہے
یوں تو ہر موڑ پر منزل کا گماں ہوتا ہے“

کچھ ایسی ہی بات تھی۔ جب میں نے ایم اے عربی کے مرحلہ کی بحسن و خوبی تکمیل کی تو قلب کی پنہائیوں نے اندر سے پکارا۔ ابھی قناعت کے پالنے میں آرام کرنے کا وقت نہیں آیا۔ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔ جب دیارِ شوق اور شہرِ آرزو میں رہتے ہوئے علم کی دنیا میں قدم رکھا ہے تو کچھ آگے بڑھنے کا عزم پیدا کرو۔ تاحیات قافلۂ علم و فن کا ہمسفر رہنے میں جو قلبی سکون حاصل ہوتا ہے اس کی کچھ بات ہی اور ہے۔ میں غور و فکر کی غواصی میں کھو گیا۔ سوچنے لگا۔ میرا مشغلہ اور معاش تو ہر درد کی ہمدردی اور طب کی خدمت ہے۔ جس کا بے پناہ ذخیرہ عربی زبان کے ذریعہ ہی سے ہم تک پہنچا ہے۔ پھر کیوں نہ اس بحث و تحقیق کو اپنے ذوق کی تسکین کا سامان بنایا جائے۔

میری لگن کے باعث مشفق اساتذہ کی رہنمائی کسی لمحہ بھی مجھ سے جدا نہیں ہوئی اس کو میں نے بسا غنیمت سمجھا اور دہلی کی دوسری جامعات اور کتب خانوں کی قربت نے مزید تائید کی، لہذا میں نے ”عہد مامون کی طبی و فلسفیانہ کتب کے تراجم ــ ایک تحقیقی مطالعہ“ کو اپنا موضوع بنا کر کام شروع کیا میں اس انتخاب کو اپنے لیے سعادت اور خوش بختی سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر شفیق احمد خاں ندوی کی سرپرستی اور ڈاکٹر بدرالدین الحافظ کی رہنمائی میں یہ سفرِ تحقیق اس منزل تک پہنچا۔

واقعہ یہ ہے کہ عہد وسطیٰ میں مسلمانوں نے دنیا کی تمام قوموں کا علمی سرمایہ اپنی زبان میں منتقل کر لیا تھا اور اگر دنیا میں مسلمانوں کا قدم نہ آتا تو یونان، مصر

ہندوفارس کے تمام علمی ذخیرے برباد ہو چکے ہوتے۔ ان علوم میں طب اور فلسفہ پر بہت زیادہ کام ہوا۔ اور بے شمار تراجم پیش کیے گئے۔ طبی تراجم کی داغ بیل جو بنی امیہ کے عہدِ حکومت میں پڑ چکی تھی۔ آہستہ آہستہ اس میں ترقی ہوتی گئی۔ اور خلفائے بنی عباس کے دور میں ترجمہ کا کام انتہائی وسعت اور تکمیل تک جا پہنچا ان خلفاء میں، ہارون، مامون اور متوکل کا عہد دوسرے علوم حکمیہ کے ساتھ طبی تالیفات و تراجم کے لیے انتہائی ساز گار اور عظیم الشان دور تھا مسلمانوں نے اس عہدِ زریں میں تمام علوم مروجہ خصوصًا فلسفہ اور طب پر مشتمل علمی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کر دیا، گویا ہر قوم کا بہترین علمی سرمایہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔

ایک ابھرتی ہوئی قوم اگر کوئی چیز ہاتھ میں لیتی ہے تو اُس کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے مسلمانوں نے یونانی فلسفہ کو ہاتھ میں لے کر ایسی نقش و نگاری کی کہ چشم عالم اس سے خیرہ ہو گئی۔ اور اسے اتنا بڑھایا کہ یہ ایک مربوط فن بن گیا اگر مسلمانوں نے اس فن کو سیراب نہ کیا ہوتا تو اُس کی شاخیں سوکھ چکی ہوتیں۔

طبی تراجم اور فلسفہ سے متعلق جو گرانقدر کارنامے مسلمانوں نے انجام دیئے اُس کے احسان سے سارا عالم سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں تحقیقی کام کی شدید ضرورت تھی اور بکھرے ہوئے مضامین پیش کرنے کا مطالبہ ہر طرف سے ہو رہا تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی شخص محنت و لگن کے ساتھ ان مضامین کو پیش کرنے کی کوشش کرے۔

اس مقالہ میں طب و فلسفہ کے تراجم کی اصل حقیقت اور حیثیت کو اُجاگر کیا ہے۔ اس تحقیقی کام کے لیے یونانی حکماء کے بارے میں بہت چھان بین کرنے کی ضرورت پڑی۔ ان حکماء کی اصل کتابوں کا پتہ لگایا اور ان کے تراجم جو مختلف زبانوں میں ہوئے اس کے بارے میں مواد اکٹھا کیا۔

چوں کہ یونانی کتابوں کے تراجم مختلف زبانوں میں ہوئے اور ایک ہی زبان میں مختلف اشخاص نے کئی بار ایک ہی کتاب کا ترجمہ کیا۔ ان تراجم کی نوعیت کا پتہ لگایا اور ان مطبوعات و مخطوطات کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کیں۔

یوں تو تراجم کے سلسلے میں عربی اور اُردو تالیفات ملتی بھی ہیں تو بہت ہی ناقص

ہیں۔ اس سلسلے میں مکمل اور مفصل مواد فراہم کرنے کی ضرورت تھی اس لیے بے شمار تاریخی، طبی، فلسفیانہ کتابوں، رسالوں، مقالوں کو ملکی اور غیر ملکی ذرائع سے حاصل کیا اور علوم یونان اور مختلف فنون کو منظم طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کی اس طرح کی کوشش آج تک میری دانست میں نہیں کی گئی۔ اس مقالے میں مترجمین کے احوال بڑی جستجو اور کدوکاوش کے بعد جمع کیے گئے۔ کیوں کہ قدیم اور اصل مصادر میں منظم شکل میں اس کے احوال نہیں پیش کیے گئے ہیں۔ اسی طرح کتابوں کے بارے میں بھی معلومات ناقص ہیں، تراجم اور تالیفات کو خلط ملط کر دیا گیا ہے مثلاً صاحب عیون الانباء فی طبقات الاطباء نے مترجمین کے تراجم اور تصنیفات میں فرق نہیں کیا ہے۔ میں نے ان میں فرق کرنے کی کوشش کی ہے اور تراجم کو مختلف مصادر سے متعین کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں اُردو، عربی انگریزی، فارسی کتب اور رسائل سے مدد لینی پڑی۔

مقالہ کے مضامین کی نوعیت

اس مقالہ کی ابتدا ایک مبسوط مقدمہ سے کی گئی ہے جس میں علم کی اہمیت اور اسلام میں اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ چوں کہ یہ مقالہ طب اور فلسفہ سے متعلق ہے اس لیے اس مقدمہ میں طب نبوی کی طرف احادیث کی روشنی میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان احادیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں طب کی کیا اہمیت ہے۔ اور ان کی روشنی میں مزید تحقیقی کام کیا جا سکتا ہے۔ فلسفہ کے مختلف گوشوں میں الٰہیات پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ چونکہ یہ مقالہ دور مامون سے متعلق ہے اس لیے خلافت عباسیہ کا مختصر تعارف پیش کیا گیا، ان خلفاء میں جن لوگوں نے خاص طور پر علماء کی طرف توجہ کی ان کی خلافت اور حکومت کو قدرے تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ علوم کی ترقی میں برامکہ کے خاندان کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اسی لیے اس خاندان کی اصلیت کا پتہ لگایا گیا، اور اس کے علمی انہماک پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے مقالہ کو مربوط کرنے کے لیے یونانی فلسفہ کی نوعیت اور اس کی حقیقت سے بحث کی گئی ہے اور ضمناً دیگر

علوم مثلاً علم منطق، علم ہیئت اور علم ہندسہ کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے۔

ابتدا میں مسلمان قرآن و حدیث میں منہمک تھے دوسری قوموں سے جب ان کا اتصال ہوا تو وہ غیر ملکی علوم سے روشناس ہوئے اور مختلف علمی مراکز کے توسط سے یہ علوم ان کی طرف منتقل ہوئے۔ اس منتقلی کی تاریخ کا مطالعہ کیا گیا ہے اور علمی مراکز پر تفصیلی اور تحقیقی طور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

چونکہ مقالہ کا تعلق مترجمین اور تراجم سے ہے۔ اس لیے مختلف زبانوں سے متعلق تاریخی اور تحقیقی ابحاث مختلف مصادر سے پیش کیے گئے۔ چوں کہ ترجمہ کا کام زیادہ تر یونانی سے سریانی میں ہوا اور سریانی سے عربی میں اور کچھ کام نبطی اور فارسی میں بھی ہوا۔ اسی لیے ان تمام زبانوں سے معلومات فراہم کی گئیں۔ زیادہ تر مواد عربی اور انگریزی مصادر سے حاصل کیے گئے۔

ترجمہ کے کئی اسکول قایم تھے۔ اس دور میں ترجمہ کا کام مختلف ڈھنگ سے سرانجام پاتا تھا۔ ترجمے کے مختلف طریقوں کو تحقیقی طور پر پیش کیا گیا۔ اس سلسلے میں ترجمہ کے حقیقت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاکہ ترجمہ اور تعریب میں فرق واضح طور پر سامنے آجائے۔

تراجم کا کام اگرچہ پورے انہماک کے ساتھ دورِ عباسی میں انجام پذیر ہوا۔ لیکن اس کی ابتدا دورِ اُموی میں ہو چکی تھی اس لیے تراجم کی تاریخ پیش کرنے کی ضرورت تھی۔

اس مقالہ میں تراجم کی تاریخ عباسی دور میں عہد مامون تک تحقیقی طور پر پیش کی گئی ہے۔

چونکہ بیت الحکمت جس کا قیام عہد رشید میں ہوا ترجمہ کے کام میں بہت ہی معاون تھا۔ اس لیے دیگر اسلامی کتب خانوں کا پتہ لگایا گیا۔ تاکہ بیت الحکمت کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکے۔ یہ تمام ابحاث مقالہ کو مربوط کرنے کے لیے بہت ضروری تھے۔ جو دیگر تالیفات میں میری نظر سے نہیں گزرے مترجمین کے بارے میں اور تراجم کے مطالعہ کے لیے ان ابحاث کا اضافہ لازمی تھا۔ اس کے بعد مترجمین پر مفصل گفتگو کی گئی ہے اور مختلف زبانوں میں موجود نادر کتابوں رسالوں

اور مخطوطات سے مدد لے کر ان کے احوال کو قلمبند کیا ہے اس طرح کہ ہر قسم کے قارئین ان سے پوری طرح مستفید ہو سکتے ہیں۔ ہمارے یہاں مدارس میں طلبہ فلسفہ اور دیگر علوم سے متعلق کتابیں پڑھتے ہیں۔ ان طلبا کیلئے مؤلفین اور مترجمین کا مطالعہ بہت ہی ضروری اور مفید ہے یہ مقالہ ان مدارس کے طلبہ کے لیے بھی مفید ہے گا۔ ان کے احوال کے ساتھ ان کے تراجم بڑی جستجو کے ساتھ زیر بحث لائے گئے ہیں اور ہر طرح کی جستجو کو کام میں لا کر اصل مترجم کا پتہ لگایا گیا اور جن زبانوں میں کسی کتاب کا ترجمہ ہوا ان سب کو واضح کیا گیا ہے۔ آخر میں پوری بحث کا خلاصہ ہے جو قاری کو بیک وقت کتاب کا اندازہ کرنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

مقالہ کی تکمیل کے لیے بہت ہی لگن محنت اور جستجو کی ضرورت تھی۔ میرے ساتھ کچھ مصروفیات بھی تھیں۔ لیکن اساتذہ کی حوصلہ افزائی نے ہر طرح کی رکاوٹوں کو دور کر دیا۔ میں مسلسل تحقیق اور جستجو اور اساتذہ کی ہمت افزائی سے اپنے کام کو آگے بڑھاتا رہا اور دو سال سے کچھ زائد عرصہ میں کام پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔ اس کام میں مختلف اشخاص نے میرے ساتھ تعاون کیا۔ میں ان سب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی مختلف لائبریریوں سے بھی استفادہ کیا۔ جس کے لیے ان لائبریریوں کے منتظمین کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

آخر میں میں ترقی اردو بیورو کی ڈائرکٹر ڈاکٹر فہمیدہ بیگم اور بیورو کے میڈیسن پینل کے معزز ممبران کا میں شکر گزار ہوں کہ میری یہ کتاب شائع ہوئی۔

امید کرتا ہوں کہ یہ تحقیقی کام آئندہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔

عشرت اللہ خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اسلام سے پہلے عرب دنیا جہالت کے اندھیرے میں پڑی ہوئی تھی، علوم وفنون سے ان کو زیادہ دلچسپی نہیں تھی لیکن دینِ اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ نظری علوم کا دائرہ وسیع ہوتا گیا کیوں کہ اسلام اہلِ ایمان کو علم کے سیکھنے کی ترغیب دیتا ہے اس سلسلے میں قرآن مجید کی سب سے پہلی وحی کا تعلق بھی علم کے سیکھنے سکھانے سے ہے ۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝
اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝[1]

ترجمہ:- پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے آدمی کو پیدا کیا اور انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا پڑھ اور تیرا رب بہت کریم ہے جس نے قلم سے سکھایا ۔

اس آیت میں بار بار قرأت کی تلقین کی گئی ہے ۔ اور قرأت کے ساتھ دو اہم چیزوں کا بھی تذکرہ کیا ہے ۔ یعنی ربوبیت اور تخلیق ، اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرأت کا علم ایسی بنیادی چیز ہے جس کے بغیر انسان اپنے رب کو نہیں پہچان سکتا اور تخلیقِ عالم کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کر سکتا ۔ علم ایسی گرانمایہ چیز ہے جو انسان کو تمام دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے ۔ علم کی ایک دوسری لازمی چیز جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے ۔ وہ تحریر ہے ۔

اسلام سے قبل عرب میں تحریر کا رواج زیادہ نہیں تھا ۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ تقریباً سترہ آدمی ہی قبیلۂ قریش میں لکھنے پڑھنے والے موجود تھے، اس

---

[1] القرآن المجید، سورۃ العلق ۔

آیت میں تحریر کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اور تعلیم و تحریر کو اللہ تعالیٰ نے یکجا طور پر بیان کیا۔ اس سلسلے میں ایک حدیث نبوی جو مشہور احادیث کی کتابوں میں مندرج ہے اور جس کا تعلق تعلیم و تعلم سے ہے

طَلَبُ العِلْمِ فَرِیْضَۃٌ علیٰ کُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَۃ۔

ترجمہ:۔ ہر مسلم مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے

اسی طرح ایک اور مشہور حدیث ہے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی تلاش میں دور دور تک سفر کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

"اُطلبوا العلمَ ولو کانَ بالصِّین" ترجمہ: علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے۔

اس کے علاوہ ایک اور حدیث ہے جس سے علم کی افادیت اور اُس کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے وہ حدیث یہ ہے۔

"اُطلبوا العلمَ مِنَ المَھْدِ اِلَی اللَّحدِ"

ترجمہ: ماں کی گود سے لے کر مرنے تک علم کی تلاش میں سرگرداں رہو۔

آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طالبان علم اور علماء کی بے حد تعریف کی ہے اس سلسلے میں صحاح کی مشہور حدیث ہے جو حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

"قال انی سمعتُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مَن سَلَکَ طریقًا یطلب فیہ علمًا سلکَ اللہُ بہ طریقًا مِن طرق الجنۃ وان الملائکۃَ لَتضعُ اجنحتَہا لطالب العلم وان العالم یستغفرُ لہ من فی السموات والارض . والحیتانُ فی جوف الماء وان فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب۔ الحدیث" سہ

ترجمہ:۔ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ نے فرمایا کہ جو علم کی تلاش کے لیے نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستے پر چلاتا ہے اور طالب علم ..... کے لیے فرشتے پر بچھاتے ہیں اور اہل علم کے لیے آسمان و زمین میں سب مخلوقات مغفرت طلب

سہ الشیخ ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، ص ۳۴، طبع دہلی آفسیٹ۔

کرتی ہیں یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی اور عابد کے مقابلے میں عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے چاندنی رات میں چاند کو تمام ستاروں پر۔

الغرض تعلیم و تعلم کی بنیاد اسلام میں بہت مضبوط ہے۔ اسی بناء پر عرب علمی میدان میں تیز رو شہسوار کی طرح آگے بڑھتے گئے اور دینی و دنیاوی ہر طرح کے علوم و فنون کے معلم بن کر دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوئے۔ ابتداء میں قرآن و حدیث اور ان سے متعلق دیگر علوم کی طرف زیادہ اہتمام کیا گیا، پھر فتوحات کی تکمیل کے بعد دنیا کے دیگر علوم کی طرف مائل ہوئے۔ دیگر علوم کو انہوں نے اولاً ترجمہ کے ذریعہ سے حاصل کیا۔ اس کا آغاز عہد اموی سے ہو چکا تھا یہ زبردست تحریک دور اموی سے شروع ہو کر دورِ عباسی کی طویل مدت تک چلتی رہی۔ اس تحریک کے بہت سے اسباب تھے جس کی بنا پر عرب قوم متحرک ہوئی جس نے علوم فارس، یونان اور ہند کی طرف توجہ کی۔ اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان ترجمہ شدہ علوم میں بہت سے علوم کی قسمیں شامل تھیں، ان میں طب اور فلسفہ یا حکمت کا کام سب سے زیادہ ہوا کیوں کہ الٰہیات میں اسلام ایک عظیم سرمایہ اپنے پاس رکھتا ہے۔

عہد اموی میں ترجمہ کا آغاز خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہو چکا تھا۔ اور اس کا اچھا ماحول بھی پیدا ہو چکا تھا۔

۸۰ھ مطابق ۶۹۹ء کے قریب خالد بن یزید کے ہاتھوں ترجمہ کا کام ہوا اور یہ کام عہد اسلامی کا ترجمہ کے سلسلے میں پہلا علمی کارنامہ تھا۔

اس دور میں بہت سے مترجمین آئے۔ جن میں اسکندریہ کے مترجمین زیادہ تھے اہم مشہور مترجمین میں قابل ذکر ابن اثال، سالم بن عبدالرحمان، ماسرجس البصری، جبلہ بن سالم اور وہب بن منبہ ہیں۔

دورِ عباسی میں علوم کی منتقلی کا کام بڑی سرگرمی سے ہوا۔ اور اس کی ابتدا عہد منصور (۱۳۶ھ مطابق ۷۵۳ء — ۱۵۸ھ مطابق ۷۷۵ء) میں ہوئی پھر ۱۹۸ھ مطابق ۸۱۳ء — ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء دور مامونی میں یہ سرگرمی اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ اور اس دور میں بے شمار علماء و مترجمین پیدا ہوئے اور مامون کے دربار میں فلسفہ و نجوم کے ماہروں اور کتب حکمت کے مترجموں کا عظیم گروہ

اکٹھا ہو گیا۔ ان میں قابلِ ذکر یہ ہیں۔ حنین بن اسحٰق، قسطا بن لوقا، یوحنا بن ماسویہ ابن البطریق، یعقوب کندی، یحییٰ بن عدی، ابو حسان سلہا، محمد بن موسیٰ منجم، محمد بن موسیٰ خوارزمی حجاج بن مطر اور جہشیش وغیرہ۔

طبی میدان میں ترجمہ بہت وسیع پیمانے پر ہوا۔ کیوں کہ انسان کا وجود بھی صرف دو چیزوں جسم اور روح سے عبارت ہے، اسلام نے دونوں کی تکمیل کی طرف بھی توجہ کی جس طرح روحانی علاج بتایا اسی طرح جسمانی علاج کی طرف بھی لوگوں کی توجہ مبذول کی۔ اس سلسلے میں ایک مشہور قول ہے جس کو بعض لوگوں نے حدیث کا درجہ دیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

العلمُ علمانِ علمُ الادیانِ وعلمُ الابدان"

ترجمہ:۔ علم کی دو قسمیں ہیں ایک مذاہب کا علم دوسرا جسمانی علم۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مومنین کو حفظانِ صحت کی ترغیب دی اور صحت مند مومن کو کمزور مومن پر ترجیح دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

المومن القویُّ خیرٌ واحبُّ الی اللّٰہ من المومن الضعیف وفی کلٍ خیرٌ، احرِص علی ما ینفعُکَ، واستعِن باللّٰہ ولا تعجز

ترجمہ:۔ طاقتور مومن اللہ کی نظر میں کمزور مومن سے بہتر اور زیادہ محبوب ہے اور دونوں میں ہی اچھائی ہے۔ فائدہ مند چیز کی خواہش کرو اور اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجز مت بنو۔

اس حدیث کی رو سے حفظانِ صحت کی طرف مومن کو توجہ دینا لازم ہے۔ کیونکہ اللہ کی نظر میں وہی زیادہ محبوب ہے جو حفظانِ صحت کا خیال رکھتا ہے اس کے علاوہ قوت جسمانی عبادات ریاضت اور جہاد ہر شعبۂ اسلامی کی ضروریات میں سے ہے صحت مند جسم میں صحت مند روح اور دماغ بھی پرورش پاتے ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متعدد احادیث میں جسم کو صحت مند رکھنے کے لیے سمیات سے پرہیز اور سمی حیوانات اور اشیاء سے بچنے کے طریقے بتاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کے جسم، اس کے لعاب اسی طرح نباتات کے سمی اثرات اور ان کے فوائد سے لوگوں کو روشناس کرایا ہے ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ مکھی کے بارے میں

فرمایا۔

"قالَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وقع الذُّبابُ فی شرابِ احدکُم فلیغمسہُ ثُمَّ لینزعہُ فان فی احد جناحیہِ داءً وفی الآخر شفاءً"... اخرجہ البخاری وابوداؤد[4]

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مکھی کسی کے مشروب میں پڑ جائے تو اس کو پوری طرح ڈبو دے پھر باہر نکال کر پھینک دے۔ کیونکہ اس کے ایک بازو میں بیماری ہے تو دوسرے میں شفا ہے۔

اس حدیث شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کیڑے مکوڑے اور اڑنے والے چھوٹے جانوروں میں بھی کچھ اثرات ہوتے ہیں جن سے پرہیز لازم ہے۔ اس طرح اس حدیث نے اطباء کو حشرات کے درس ومطالعہ پر ابھارا ہے اور ان کے سمی اثرات اور ان کے نتائج کی تحقیق وتدقیق کرنے کی طرف ان کی توجہ منعطف کی ہے۔ اسی طرح ایک حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور پالتو جانور کتے کے لعاب کی تطہیر اور اس کی نجاست سے ملوث اشیا کو پاک کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"طُہُورُ اِناءِ احدکم اذا وَلَغَ فیہ الکلبُ ان یغسلہُ سبع مراتٍ اُولاھُنَّ بالتراب" اخرجہ مسلم[5]

ترجمہ:۔ جب کتا کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھونا چاہیئے اور پہلی مرتبہ مٹی سے دھونا چاہیے (بروایت مسلم شریف)

اس حدیث پاک سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظان صحت کی طرف لوگوں کی توجہ منعطف کی ہے۔ خاص کر کتے جیسے پالتو جانور جو عام لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہتا ہے اس کے لعاب کی سمیت اور اس کو پاک کرنے کا طریقہ بہت ہی تاکید کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ بعض اطباء کی رائے ہے کہ کتے کی آنتوں میں چھوٹے چھوٹے کیڑے پائے جاتے ہیں۔ جب کتا اپنی غلاظت کو باہر ڈالتا ہے تو بہت سے انڈے

---

[4] حافظ ابن حجر العسقلانی، بلوغ المرام مع اتحاف الکرام ص ۸ طبع بنارس ۱۹۸۳ء؛ [5] ایضاً ص ٦

اس کے توسط سے اس کے جسم پر پھیل جاتے ہیں اور کتا اپنے جسم کو زبان سے اکثر چاٹتا ہے اور یہ انڈے لعاب کے توسط سے ان چیزوں میں جا سکتے ہیں۔ جن میں یہ اپنا منہ ڈالتا ہے[٦]

اسی طبی تحقیق کی بنیاد پر شاید کتے کی منہ پر لگی چیز کو پاک کرنے کی اتنی سخت تاکید کی گئی ہے۔ جسمانی صحت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار شیوۂ مومن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے طہارت کی طرف بہت زیادہ توجہ دلائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں طہارت اختیار کرنے والوں کی بڑی تعریف فرمائی ہے اور جسمانی طہارت کو روحانی تطاقت کا لازمی حصہ قرار دیا ہے۔ اسلام کا سب سے اہم رکن نماز ہے اس کی صحت کے لیے وضو لازم ہے اور یہ وضو بھی طہارت صغریٰ ہے۔

اسلام نے علاج کو بہت اہمیت دی ہے۔ اور بہت سی ایسی احادیث ملتی ہیں جن میں علاج معالجہ کی طرف رغبت دلائی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تداووا عبادَ اللہ فان اللہ تعالیٰ لم یَضعْ داءً الّا وضع لہ دواءً غیر داءٍ واحدٍ الھرم"۔ (المسند)

ترجمہ:۔ علاج معالجہ کرو کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیماری پیدا کی تو اس کے لیے دوا بھی پیدا کی مگر ایک بیماری کی دوا نہیں اور وہ ہے بڑھاپا۔

اسی طرح متعدد احادیث حفظان صحت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے محدثین کرامؒ نے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں، علاج کے سلسلے میں ایک بنیادی چیز جو احادیث سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ معالجہ کے لیے محرمات کا سہارا نہ لیا جائے۔

اس طرح معالجہ خدا کی ایک نعمت قرار دی گئی۔ اور یہ نعمت حرام طریقے سے استعمال نہیں کی جا سکتی اس لیے شراب اور حرام جانوروں کے کسی جزء سے معالجہ جائز نہیں ہے اس سلسلے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے۔

"ان اللہ تعالیٰ لم یَجْعَلْ شفاءکُم فیما حرّمَ علیکم"۔ المسند

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں شفا نہیں رکھی۔

---

[٦] صفی الرحمٰن مبارک پوری، اتحاف الکرام، ص ٧، طبع بنارس ١٩٨٢ء

اسی بنیاد پر اسلام نے بہت سے حیوانات کو محرمات میں شامل کیا اور اس سلسلے میں بعض جانوروں کا گوشت اور دودھ بھی محرمات میں داخل کیا جن میں غلاظت اور خباثت کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"عن ابن عمر رضي الله عنه قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الجَلّالة والبانها" اخرجه الترمذی۔ ؎

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاظت کھانے والی گائے اور اس کے دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حفظان صحت کے لیے حیوانات کے گوشت اور ان کے دودھ کو بھی طبی نگاہ سے ہی جانچ پرکھ کر استعمال کیا جائے گا۔

الغرض تعلیمات اسلامی میں طب کی ایک خاص اہمیت ہے۔ اسی وجہ سے بعد کے ادوار میں علم طب پر بیش بہا خدمات انجام دی گئیں۔ یہ علم اسلام سے قبل بہت مکمل شکل میں موجود تھا اور طب کے علمی مراکز اور نامور اطباء مختلف اطراف عالم میں موجود تھے۔ نیز گذشتہ اقوام میں بھی گذر چکے ہیں۔

فن طب کی ابتداء مورخین کے نزدیک یونان سے ہوئی اور اس فن کا باوا آدم اسقلیبس کو تسلیم کیا جاتا ہے، اس کا خیال تھا کہ خدا کی طرف سے اس پر یہ فن الہام ہوا تھا، اس کے خاندان میں بڑے بڑے نامور حکماء اور اطباء گذرے ہیں اسی کی نسل سے بقراط ہوا۔ جو حضرت عیسیٰ سے تقریباً پانچ سو برس پہلے گذرا ہے یہ پہلا شخص ہے جس نے اس فن کو مرتب کیا، طب کی تعلیم کو اس نے عام کیا۔ بقراط کے بعد جالینوس پیدا ہوا۔ دوسرے اطباء جو اس فن کے ماہرین میں شمار ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ غورس، اسکلینس، برمابندس، افلاطن، استقلیبوس اور بقراط، مسلمانوں نے طب کے اس سرمایہ کو عربی زبان میں منتقل کیا اور چونکہ بقراط اور جالینوس نے اس فن کو کمال کے مرتبے پر پہونچایا اس لیے اُن کی تصنیفات

؎ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، بلوغ المرام مع اتحاف الکرام، ص ۳۹۲، طبع بنارس ۱۹۸۲ء

پر زیادہ توجہ دی گئی۔ [۸] دوسری طرف تمدن اور طب کا بھی ایک دوسرے سے بڑا گہرا تعلق ہے، عربوں کی زندگی چونکہ بہت سادہ تھی اور تمدن کی پیچیدگیوں سے دور تھی اس لیے ان کی یہ سادہ زندگی طب کی طرف زیادہ توجہ مرکوز کرنے میں حائل رہی، تاہم بہت سی ایسی احادیث نبویہ ملتی ہیں جو عملی طب کی طرف مسلسل اشارہ کرتی ہیں۔ اور اس دور کے کچھ اطباء کے نام بھی لیے جا سکتے ہیں۔ عہد نبوی کے چند اطباء کے نام درج ذیل ہیں۔

حارث بن کلدہ الثقفی (المتوفی سنہ ۱۳ھ مطابق سنہ ۶۳۶ء) یہ طائف کے باشندے تھے اور طب کی تعلیم جندیسا پور میں حاصل کی تھی بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ اس نے یمن میں بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ [۹] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طبابت پر یقین رکھتے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس سے علاج کروانے کا مشورہ دیتے تھے۔

۲ - نضر بن حارث (المتوفی سنہ ۲ھ مطابق سنہ ۶۲۳ء) یہ حارث بن علقمہ کا بیٹا تھا اور مشرکین قریش کا بہت بڑا مؤید تھا۔ غزوہ بدر میں بھی مشرکین کے ساتھ شریک جنگ رہا اور اسی سنہ میں مقتول ہوا۔

۳ - ضماد بن ثعلبہ الازدی رضی اللہ عنہ یہ مشہور صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد اپنے معالج ہونے کا تذکرہ بھی کیا۔ اسلام لانے سے قبل وہ قریش سے کہا کرتے تھے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے میری ملاقات ہوئی تو میں ان کا علاج کروں گا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو اپنی طبی مہارت پر پورا یقین تھا۔

اس سلسلے میں دیگر اطباء کے نام یہ ہیں۔ ابن ابی رمثہ التمیمی، ابن خذیم التمیمی، رفیدہ الاسلمیہ، شفاء بنت عبداللہ القرشیہ، ام عطیہ الانصاریہ، الحارث بن کعب، زہیر بن خباب، شمردل بن قباب الکعبی۔

---

[۸] علامہ شبلی، رسائل ص ۲۲، طبع علی گڑھ سنہ ۱۸۹۸ء

[۹] ابن صاعد الاندلسی طبقات الامم، ص ۸۱، طبع اعظم گڑھ سنہ ۱۹۲۸ء

الغرض تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ عربوں کو طب کی افادیت اور اس کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوتا چلا گیا۔ اور علوم فنون کی منتقلی کے ساتھ اس اہم علم کی طرف بھی عربوں نے اپنی توجہ مبذول کی۔ بنو امیہ کے دور میں بہت سی کتابوں کے تراجم ہوئے ان میں طبی شعبہ سے متعلق بھی کتابیں ہیں، اہرن بن اعین کی کناش (قرابادین) کا واقعہ تو سب کو معلوم ہے۔ چونکہ عہد عباسی علوم وفنواں کے عروج کا دور تھا اور تمدن کی پیچیدگیاں بھی اس زمانے میں بڑھ گئی تھیں اس لیے طبی میدان میں بھی اس دور نے اہم کارنامے انجام دیئے، گویا طب یونانی کا احیا کیا گیا اور اس میں ایسے نامور اطباء پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے اکتشافات اور اصلاحات کے ذریعہ طب یونانی کو طب عربی میں بدل دیا۔ اس سلسلے میں منصور سے لے کر دور مامونی تک کارہائے نمایاں انجام دیئے گئے بے شمار مترجمین نے تراجم کے ذریعہ اس بیش بہا علم کو سارے عالم میں پھیلایا۔ جس کی تفصیل مقالے کے اندر ملے گی۔

فلسفہ یا حکمت میں وہ تمام علوم شامل ہیں جن کا وجود مادی یا روحانی ہے۔ اس میں ریاضیات، طبعیات، الٰہیات، منطق، تدبیر منزل اور سیاست مدن بھی شامل ہیں، اس کی دو قسمیں کی جاتی ہیں، حکمت نظری، اور حکمت عملی پھر ان دونوں کی تین تین قسمیں کی جاتی ہیں حکمت نظری میں ریاضیات الٰہیات اور طبعیات شامل ہیں اور حکمت عملی میں تہذیب اور اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنی شامل ہیں۔ [۵]

ریاضیات: ریاضی اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ ایسے اُمور کے حالات معلوم ہوتے ہیں جو خارج میں مادے کے محتاج ہوتے ہیں اور وجود ذہنی میں مادے کے محتاج نہیں ہوتے۔ جیسے مثلث، دائرہ وغیرہ۔

الٰہیات:- اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ ایسے اُمور معلوم ہوں جو اپنے

---

[۵] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں حکمت عملی کے تمام اقسام کے متعلق اچھی بحثیں کی ہیں بخوبی معلومات کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ ملاحظہ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۴۱ - ۱۴۶ طبع کتب خانہ رشیدیہ دہلی سنہ ۱۹۵۳ء

وجود خارجی اور ذہنی میں مادے کے محتاج نہیں ہوتے، مثلاً خالق باری تعالیٰ ملائکہ وغیرہ۔

طبیعیات:- ایسے علم کا نام ہے جس کے ذریعہ ان امور کے حالات معلوم ہوں جو اپنے وجود خارجی و ذہنی میں مادہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ جیسے عالم کی اشیاء انسان و حیوان وغیرہ

حکمت عملی: حکمت عملی کے اقسام میں پہلی قسم تہذیب اخلاق ہے۔

(۱) **تہذیب اخلاق**! اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی خاص شخص کی مصلحتیں معلوم ہوتی ہیں تاکہ اُن سے آراستہ ہو کر اخلاقی برائیوں سے پاک صاف ہو جائے۔

(۲) **تدبیر منزل**: اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سماج یا خاندان کے مصالح معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً اولاد کے حقوق والدین کے حقوق اور مالک اور خادم کے تعلقات وغیرہ۔

(۳) **سیاست مدن**: اس علم کو کہتے ہیں جس سے ایسی جماعت کی مصلحتیں معلوم ہوں جو شہر میں ایک ساتھ شریکِ زندگی ہیں۔ مثلاً حاکم و رعایا کا تعلق، ایک شہر کا دوسرے شہر سے تعلق وغیرہ۔ [۱۱]

منطق کو بھی فلسفہ کی قسم میں شمار کیا جاتا ہے، لفظ فلسفہ دو لفظوں فیلا اور سوفا سے مرکب ہے فیلا کے معنی محب اور سوفا کے معنی حکمت و فلسفہ ہے۔ مگر ابن ابی اصیبعیہ نے لکھا ہے کہ فیلا کے معنی ایثار اور سوفا کے معنی حکمت کے ہیں۔ اس شخص کو جس نے تحصیلِ حکمت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی ہو اس کو فیلوسوفوس کہتے ہیں۔ [۱۲]

فلاسفۂ یونان بلحاظ طبقات اونچے رتبے والے اور قدر و منزلت کے اعتبار سے علم میں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل پانچ فلاسفۂ یونان کا درجہ بہت بلند ہے۔

ابندقلیس، فیثاغورس، سقراط، افلاطون، ارسطاطالیس۔

---

[۱۱] فضل امام خیرآبادی، شرح هدایة الحکمة، ص ۲ - مطبع کانپور۔

یونانی فلسفہ کی ابتدا تھیلز نے کی، اس کو عرب لوگ طالیس کہتے ہیں یہ ۶۲۴ ق م میں پیدا ہوا اس کے بعد بڑے بڑے حکماء پیدا ہوئے یہ سلسلہ ۵۲۲ء تک جاری رہا۔

اس طویل مدت کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ (۱) دور قدیم (۲) دور جدید۔

دور قدیم:۔ افلاطون (المتوفی ۳۴۷ ق م) پر ختم ہو جاتا ہے اور **دور جدید** کی ابتداء ارسطو۔ (المتوفی ۳۲۲ ق م) سے ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا پانچ فلاسفۂ یونان کے علاوہ دوسرے فلاسفہ میں انکساغورس اور انکسیمانس بہت مشہور ہیں۔ یہ تقسیم زمانے کے اعتبار سے تھی۔ لیکن اصول فلسفہ، طرز تعلیم اخلاق وعادات کے لحاظ سے سات فرقے قرار دیے گئے ہیں۔

(۱) **قورنیہ**:۔ اس فرقے کا بانی ارسطیس تھا یہ شخص[12] قورنیہ کا رہنے والا تھا۔ اسی مناسبت سے اس فرقے کا نام قورنیہ پڑا۔

(۲) **رواقیہ**:۔ اس فرقے کا بانی کرسفس تھا یہ شخص[13] سائبان کے نیچے بیٹھ کر تعلیم دیتا تھا اس لیے یہ فرقہ رواقیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

اس کے فلسفہ کی غرض وغایت اخلاقیات کے لیے ایک معقول اساس مہیا کرتا تھا۔ یہ اپنا مطالعہ منطق سے شروع کرتا تھا۔ اس لیے انہوں نے منطق کی طرف بہت زیادہ توجہ کی تھی۔[15]

(۳) **کلابیہ**:۔ اس فرقے کا بانی انفستین تھا یہ فرقہ اسمی اور اصطلاحی اصول و اخلاق کا مخالف تھا اسی بنا پر لوگ کہتے تھے کہ ان کی حالت کتوں جیسی ہے اس لیے

---

[12] احمد بن صاعد الاندلسی، طبقات الامم، ص ۳۲، طبع اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء

[13] علامہ شبلیؒ نے اس کو ارسیفوس لکھا ہے (رسائل شبلیؒ ص ۲۰۶) طبع اعظم گڑھ ۱۸۹۸ء

[14] علامہ شبلیؒ نے اس کا بانی زینون کو قرار دیا ہے (")

[15] شبیر احمد خاں غوری (علم منطق) مجلہ المعارف، مارچ اپریل ۱۹۸۸ء طبع لاہور۔

وہ کلابیہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

(۴) **مانعہ** :۔ اس فرقہ کا بانی فوران[16] ہے چوں کہ اس فرقہ کے لوگ، لوگوں کو تعلیم سے روکتے تھے، اس لیے مانعہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

(۵) **لذاتیہ** :۔ اس فرقہ کا بانی ابیکواس (المتولد ۳۴۶ ق م) تھا اس فرقہ کے لوگ فلسفہ کو ذہنی لذت کا ایک ذریعہ تسلیم کرتے تھے اور روحانی لذتوں کے قائل نہیں تھے اور دنیاوی عیش و طرب کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ اور اخروی عیش کے طالب نہیں تھے۔ اسی لیے یہ فرقہ لذتیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

(۶) **فیثاغورثیہ** :۔ اس فرقے کا بانی فیثاغورث (المتولد ۵۸۰ ق م) ہے اس شخص نے فلسفہ کو بہت ترقی دی اس کے فلسفہ کے متبعین فرقہ فیثاغورثیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

۷ **مشائیہ** :۔ اس کے دو بانی تھے (۱) افلاطون (۲) ارسطو۔ چوں کہ یہ گھوم پھر کر تعلیم دیتے تھے اس لیے اس لقب سے مشہور ہوئے۔

ان دونوں کے متعلق قفطی نے لکھا ہے۔

وَهُمَا کَانَا الفلسفة وَعَمُودَاهَا"[17]

یعنی یہی دونوں فلسفے کے ستون ہیں۔

اور انھیں پر فلسفہ کی بنیاد قائم ہے اسلام میں فلسفہ کی ترویج دور اول سے ہو چکی تھی لیکن نہایت ہی قلیل پیمانے پر تھی۔ محدثین اور فقہاء نے تو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ متکلمین[18] البتہ اس سے واقفیت پیدا کرتے تھے

---

[16] ابن صاعد اندلسی نے اس کا نام فورون بتایا ہے۔

[17] عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام حصہ اول ص ۱۳، ۵ طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

[18] متکلمین :۔ علم کلام کے علما متکلمین کہلاتے ہیں۔ لغت میں کلام کے معنی بات، قول، گفتگو اور مضمون کے ہیں۔ اس علم کے ذریعہ دین اسلام کے اثبات اور اس سے رفع شکوک و شبہات پر قدرت حاصل ہوتی ہے اس کی ابتدا پہلی صدی ہجری میں معتزلہ اور قدریہ نے کی اور اہل السنة والجماعة کے علم کلام کی بنیاد ابو الحسن اشعری (متوفی سنہ ۳۳۰ھ) نے کی۔ علامہ شبلیؒ نے اس کا موجد مہدی عباسی کو بتایا ہے جس نے باقا ص ۱۹ پر

لیکن صرف رد اور ابطال کے لیے اور اس میں ان کو اس قدر غلو تھا کہ استدلال اور اثبات مطالب میں منطق اور فلسفہ کی اصطلاحوں سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ [۱۹]

فلاسفہ نے طبعیات کے سلسلے میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ اور ان کی خدمات کا اعتراف تمام اہل علم نے کیا ہے۔ البتہ الٰہیات میں وہ کم مایہ نظر آتے ہیں اور بہت سے مذہبی آراء وحی الٰہی سے حاصل شدہ آراء سے ٹکراتے ہیں۔ اس لیے حکمائے اسلام نے ان کی آراء کی تبدیلی کے لیے مستقل طور پر خامہ فرسائی کی۔

امام غزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ء) نے اس سلسلے میں قابل قدر تصنیفات چھوڑی ہیں۔ ان میں "تہافۃ الفلاسفۃ" ایک بیش بہا تالیف ہے۔ جس میں انہوں نے فلاسفہ کے بہت سے مسائل کا ابطال کیا ہے۔ مثلاً

(۱) اس دعوے کا ابطال کہ عالم ازلی ہے۔

(۲) اس دعوے کا ابطال کہ عالم ابدی ہے۔

(۳) فلاسفہ اپنے اصول کے مطابق خدا کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔

(۴) وہ خدا کو صانع عالم ثابت نہیں کر سکتے۔

(۵) وہ خدا کی توحید ثابت نہیں کر سکتے۔

(۶) فلاسفہ صفات الٰہی کے منکر ہیں۔ یہ ان کی غلطی ہے۔

(۷) فلاسفہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خدا جسم نہیں۔

(۸) فلاسفہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خدا دوسری اشیاء کا عالم ہے۔

---

[۱۹] علامہ شبلیؒ "الغزالی"، ص ۲۶۲، طبع کانپور سنہ ۱۹۰۱ء

بقیہ ص ۱۸

ملحدوں کے رد میں کتابیں لکھنے کا حکم دیا اس علم کی ضرورت اس لیے پڑی کہ فلسفہ کے مسائل اور حکماء کے خیالات پر تنقید کر کے ان کی وقعت اور ان کے اثر کو کم کیا جائے۔ امام غزالی نے اسی ضرورت سے "تہافۃ الفلاسفۃ" لکھی۔ علم کلام کی دو شاخیں ہیں۔ ایک عقلی اور دوسری نقلی۔ پہلی شاخ فلسفہ اور دوسرے مذہب کے مقابلے میں ایجاد ہوئی۔ پہلی شاخ کے موجد معتزلہ یعنی ابوالہذیل، نظام، جاحظ اور ابو مسلم اصفہانی تھے اور نقلی علم کلام اسلامی فرقوں یعنی معتزلہ، قدریہ، جبریہ کے مقابلہ میں ایجاد ہوئی اس کے موجد امام ابوالحسن اشعری تھے۔

(۹) فلاسفہ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ خدا جزئیات کو نہیں جانتا۔

(۱۰) فلاسفہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ روح ابدی ہے۔ [۲۰]

الغرض فلسفہ و حکمت کے مختلف شعبہ جات ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر شعبے قابل قدر ہیں۔ مسلمانوں نے ان تمام شعبوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کرائی۔

الٰہیات میں فلاسفہ کی بہت سی غلطیاں منظرِ عام پر آئیں جیسا کہ حکمائے اسلام کی تصنیفات سے پتہ چلتا ہے خاصکر امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ء) کی تصنیفات اس سلسلے میں قابل قدر ہیں مگر اس حقیقت کو ماننا پڑتا ہے کہ یونانی فلسفہ اور تعلیم کا اثر مسلم فرقوں پر بہت نمایاں پڑا۔ اور متعدد ایسے فرقے منظرِ عام پر آئے جن کی تعلیمات قرآن و سنّت کی صاف و شفاف تعلیمات سے ٹکراتی رہیں۔

مسلمانوں میں فلسفہ یونان کی اشاعت تراجم کے ذریعہ ہوئی اس کی تھوڑی بہت ابتداء دورِ اُموی میں ہو چکی تھی لیکن دورِ عباسی میں [illegible] میں سرگرمی پیدا ہوئی اور خلیفہ ابو جعفر منصور کے زمانے (۱۳۶ھ - ۱۵۸ھ مطابق ۷۵۴ء - ۷۷۵ء) سے لے کر مامون کے زمانے (۱۹۸ھ - ۲۱۸ھ مطابق ۸۱۳ء - ۸۳۳ء) تک ترجمہ کا کام ہوتا رہا۔ زیادہ تر ارسطو کی کتابوں کے تراجم ہوئے لیکن یہ تراجم غیر واضح تھے۔ ابو نصر فارابی (المتوفی ۳۳۹ھ مطابق ۹۵۰ء) کے زمانے تک یہی حالت رہی۔

منصور بن نوح سامانی نے فارابی سے عمدہ ترجمہ تیار کروایا۔ انہوں نے تمام تراجم کی تہذیب و ترتیب اور تلخیص اور ان کو ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا جس کا نام اس نے تعلیم ثانی رکھا اور وہ معلم ثانی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ [۲۱]

تفصیل مقالہ کے اندر ملے گی۔

اس مقالہ کے اندر اطباء و فلاسفہ کے کارناموں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے خاص کر عہد مامونی کے مترجمین کا مفصل بیان ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ لوگ نامور اہلِ علم تھے اُن کی بیش بہا خدمات کا تحقیقی جائزہ

---

[۲۰] علامہ شبلیؒ، الغزالی، ص ۱۲۳، طبع کانپور ۱۹۰۱ء

[۲۱] مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، ج ۱، ص ۱۰، طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

لیا گیا ہے۔ اس میں حکمائے یونان کا تذکرہ ہے۔ مختلف علوم و فنون کی اشاعت کی تاریخ ہے۔ مختلف اسلامی ادوار میں عہد مامون تک جو علمی کام تراجم و تالیفات کی شکل میں پیش کیا گیا ہے اُن سب کا مفصل تذکرہ ہے۔ بیت الحکمت نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اور اسلامی کتب خانوں نے اور مدارس و مکاتب نے طویل اسلامی ادوار میں جو خدمات انجام دیں۔ ان سب کا تفصیلی تذکرہ ہے ان معلومات افرامواد کے لیے دورِ اوّل کے بارے میں قابل قدر تصنیفات کی ورق گردانی کر کے اُن کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے اور اپنی تحقیقات کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ ان میں سے کچھ مشہور تالیفات جن کی مدد سے یہ تحقیقی کام کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

مروج الذہب (المسعودی)، عیون الانباء فی طبقات الاطباء (ابن ابی اصیبعہ)، الفہرست (ابن ندیم) طبقات الامم (ابن صاعد اندلسی)، کشف الظنون (حاجی خلیفہ) وفیات الاعیان (ابن خلکان) حکمائے اسلام (عبدالسلام ندوی) المامون (علامہ شبلی) الغزالی (علامہ شبلی) تاریخ الاسلام (حسن ابراہیم) مشکوٰۃ المصابیح (شیخ ولی الدین)

الغرض اپنی دانست میں متعلقہ مضمون کو پوری علمی دیانت داری کے ساتھ تحقیق کے دائرے میں لایا گیا ہے۔

والسلام
عشرت اللہ خاں

پہلا باب

خلافت عباسیہ کا مختصر تعارف

خلافت بنی عباس کا بانی ابوالعباس سفاح (متوفی ۱۳۳ھ مطابق ۷۵۳ء) ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت عباس کے متعدد بھائی تھے ان کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے۔ [1]

(نقشہ اولاد عبدالمطلب بن ہاشم)

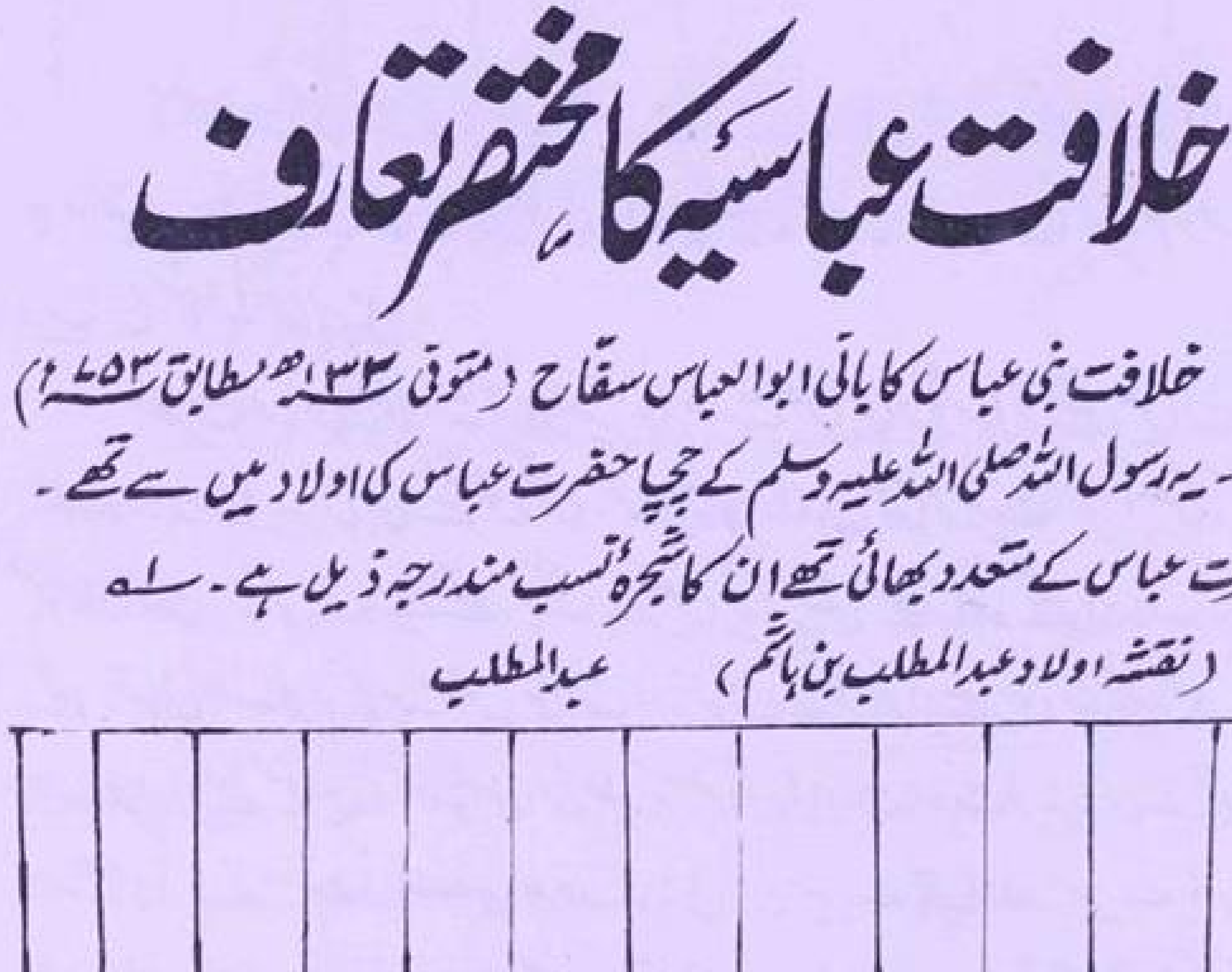
عبدالمطلب
زبیر
عبدالکعبہ
ابولہب
حمزہ
عباس
معتب
حارث
ابوطالب
عبداللہ
(حضور کے والد)
مغیرہ
ضرار
غیداق

بعض مؤرخین نے عبدالمطلب کے تین اور بیٹوں کے نام کا ذکر کیا ہے لیکن زیادہ تر مؤرخین کا اتفاق بارہ ۱۲ نرینہ فرزندوں پر ہے اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] قاضی محمد سلیمان منصور پوری ؒ، رحمۃ اللعالمین، ج ۲ ص ۷۱، طبع دہلی ۱۹۸۱ء

گیارہ چچا ہوئے ۔

حضرت عباس کا شجرۂ نسب

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عمر میں دو سال بڑے تھے ان کی والدہ کا نام نتیلہ بن خباب تھا۔ یہ پہلی عربی خاتون تھیں جنہوں نے بیت الحرام کو حریر اور دیباج کا لباس پہنایا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جاہلیت میں بھی رؤسا قریش میں سے تھے عمارہ اور سقایہ ان ہی سے متعلق تھی۔ عمارہ کا مطلب تھا کہ بیت الحرام میں کسی شخص کو گالی گفتار نہ کرنے دیتے تھے۔ جنگ بدر میں یہ قریش کے ساتھ تھے اور قید کیے گئے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد حنین طائف اور تبوک کے غزوات میں شریک ہوئے اسلام لانے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی بہت عزت فرمایا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے " **ھذا عمی وصتوابی** " یہ میرے چچا اور میرے باپ کے برابر ہیں۔ حضرت عباس بہت سخی اور قرابت داروں سے بے انتہا حسنِ سلوک کرنے والے تھے اور صاحب رائے و تدبیر اور صاحب دعائے مستجاب تھے انہوں نے ۳۲ھ مطابق ۶۵۲ء میں بعمر ۸۸ سال وفات پائی۔

فرزندانِ عباسؓ[2]

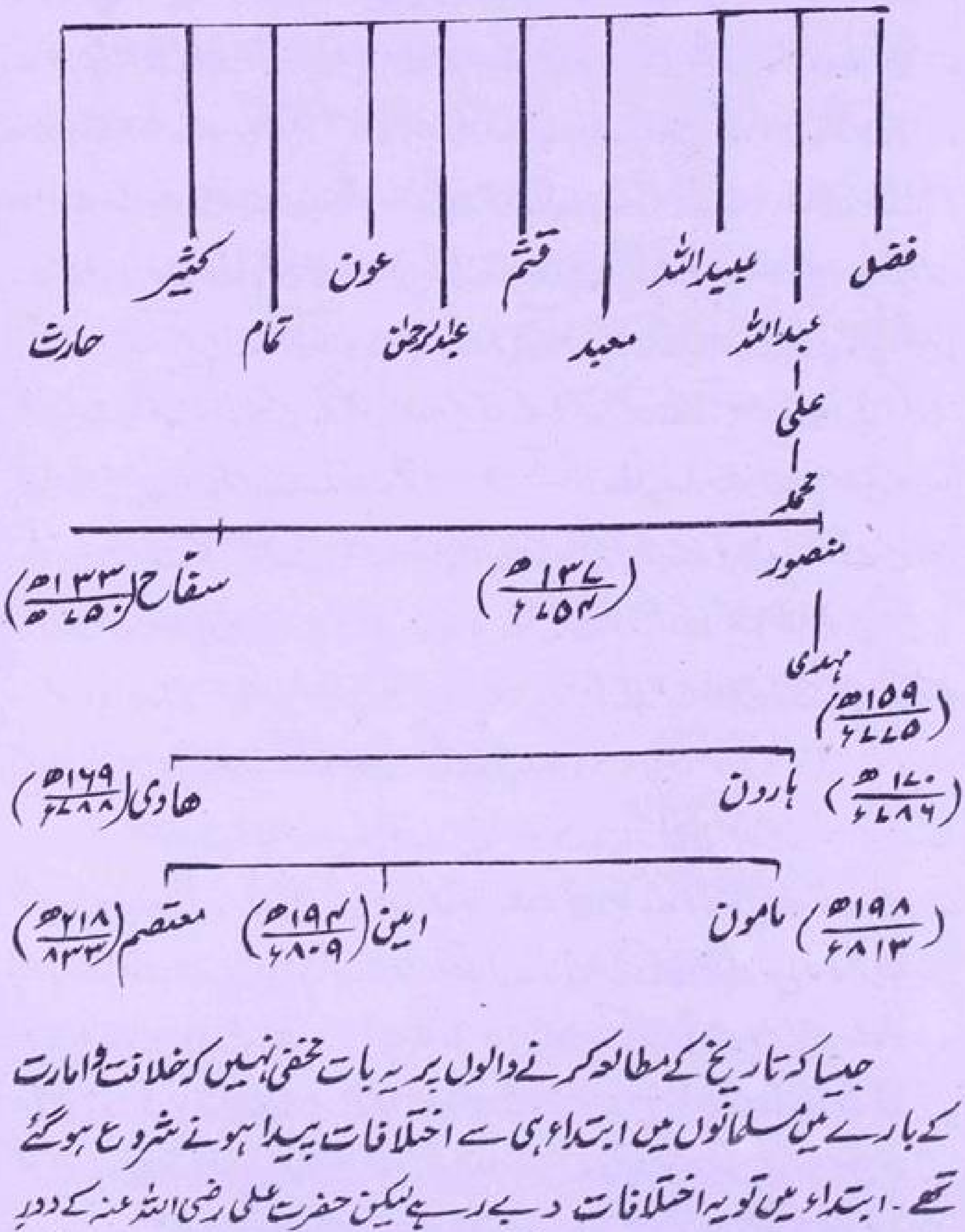
فضل
عبیداللہ
عبداللہ
علی
محمد
منصور
(۱۳۷ھ/۷۵۴ء)
قثم
معبد
عون
عبدالرحمٰن
کثیر
تمام
حارث
سفاح (۱۳۲ھ/۷۵۰ء)
مہدی
(۱۵۹ھ/۷۷۵ء)
ہارون (۱۷۰ھ/۷۸۶ء)
ہادی (۱۶۹ھ/۷۸۸ء)
مامون (۱۹۸ھ/۸۱۳ء)
امین (۱۹۳ھ/۸۰۹ء)
معتصم (۲۱۸ھ/۸۳۳ء)

جیسا کہ تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں کہ خلافت و امارت کے بارے میں مسلمانوں میں ابتداء ہی سے اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے ۔ ابتداء میں تو یہ اختلافات دبے رہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان اختلافات نے خانہ جنگی کی صورت اختیار کرلی اور حضرت علی کی شہادت کے بعد خلافت بنو امیہ میں منتقل ہو گئی (۴۱ھ/۶۶۱ء) دورِ اموی کا ایک المناک حادثہ شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہے امام حسین کے شہید (۶۱ھ

---

[2] قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ، رحمت اللعالمین ج ۲، ص ۷۱، طبع دہلی سنہ ۱۹۸۰ء

مطابق سنہ ۶۸۰ء) ہونے کے بعد امامت ان کے بیٹے زین العابدین کو نہیں پہنچی بلکہ محمد بن حنفیہ اور محمد بن حنفیہ کی وفات پر ان کے بیٹے ابو ہاشم کو اور ابو ہاشم نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو امامت سپرد کر دی۔ محمد بن علی نے خلافت و امامت کو یکجا کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اور بنو امیہ کے خلاف لوگوں کو اپنی امامت کے لیے دعوت دینے لگے۔ ان کی دعوت کی ابتدا سنہ ۱۰۰ھ مطابق سنہ ۷۱۸ء) سے ہوئی انہوں نے اپنی وفات (سنہ ۱۲۴ھ مطابق سنہ ۷۴۱ء) سے پہلے اپنے تینوں بیٹوں ابراہیم، ابوالعباس سفاح، ابو جعفر منصور کو سلسلہ وار اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ ابراہیم نے تحمل اور دلیری کے ساتھ دعوت کا سلسلہ جاری رکھا خراسان میں اس دعوت نے زور پکڑا۔ ابو مسلم خراسانی نے دعوت عباسیہ کو پھیلانے کی زبردست کوشش کی، اس نے اپنی لیاقت اور سلیقہ سے بہت سے آدمیوں کو بنی عباس کا طرفدار بنا لیا۔ اور خراسان سے کوفہ تک کا تمام علاقہ زیرِ نگیں کر لیا اور ابوالعباس سفاح کو خلیفہ بنا دیا۔ (سنہ ۱۳۲ھ مطابق سنہ ۷۵۰ء) اس سلسلے میں ذاکر حسین جعفر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"حکومت عباسیہ کی بنیاد جن اصولوں پر ڈالی گئی اور جن تدابیر کے نتیجہ میں وہ قائم ہوئی تھی اگر اس لحاظ سے دیکھا جائے تو کہنا پڑے گا کہ بہ نسبت زور و طاقت اور فاتحانہ عظمت و استقلال کے بنی عباس کا اعتماد زیادہ تر چالبازیوں اور حیلہ کاریوں پر ہی رہا۔ مکر و فریب کے سوا ان کو بہت کم جرأت و دلیری سے غلبہ حاصل ہوا مگر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس حکومت کے عہد میں سلطنت کی حالت قابلِ تعریف رہی علوم فنون کے پھیلنے کا موقع ملا۔ ادب و ہنر کو سرسبزی حاصل ہوئی زراعت و تجارت کا بازار گرم رہا، ممالک اسلامیہ کی سرحدیں مستحکم کی گئیں امن و آزادی کی برکتیں عام رہیں اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ اس مبارک خاندان کی حکومت دُنیا کے لیے رحمتِ الٰہی سے ہرگز کم نہیں تھی۔[۳]

شاہ معین الدین ندوی اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

---

[۳] ذاکر حسین جعفر، تاریخ اسلام، ج ۱ ص ۵۱ طبع دہلی سنہ ۱۹۱۸ء

" جو عظمت و شان اور جو اہمیت دولت عباسیہ کو حاصل ہوئی وہ کسی کے حصہ میں نہ آئی گو اموی حکومت کے مقابلے میں اس کا حصہ کم تھا اور برابر گھٹتا ہی گیا لیکن جب تک عباسی حکومت کا نام باقی رہا اس وقت تک اسلامی حکومتوں میں مرکزی حیثیت اسی کو حاصل رہی ...... اسلامی تاریخ میں علوم و فنون کی تدوین کا آغاز اسی علم دوست حکومت کے زمانے میں ہوا اور اسی کے عہد میں عروج کمال کو پہنچا ..... مسلمانوں کی ساری دماغی ترقیاں علمی کارنامے اور اکابر علماء اور علم و فن کے بہترین ذخائر عباسی عہد کے یادگار ہیں "[۴]

احمد حسن زیات اپنی کتاب میں لکھتے ہیں ۔

حکومت عباسیہ کا زمانہ اسلام کا وہ زریں عہد ہے جس میں مسلمان تہذیب و تمدن اور عمران و اقتدار کے لحاظ سے اس قدر بلند مقام پر پہونچ گئے تھے کہ اس سے قبل یا اس کے بعد پھر کبھی اس بلندی پر نہ پہونچے، فنون اسلامیہ اس دور میں پھلے پھولے آداب عربیہ نے نشو و نما پائی ۔ غیر ملکی علوم کے ترجمے کیے گئے ۔ عقل عربی پک کر تیار ہوئی اور اس نے غور و فکر بحث و تحیص کے لیے ایک وسیع جولان گاہ بنائی ۔ اس حکومت کے فرمانروا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کی طرف منسوب ہیں جنہوں نے ایرانیوں کی مدد سے خلافت کو امویوں کے ہاتھ سے بزور و جبر چھین کر اس کا پایۂ تخت عراق کو بنایا جہاں پانچ صدی سے کچھ زیادہ مدت میں ۳۷ سینتیس خلفاء تخت سلطنت پر باری باری بیٹھے تا آنکہ ہلاکو نے سنہ ۶۵۶ھ مطابق سنہ ۱۲۵۸ء میں اس حکومت کا تختہ الٹ دیا[۵]

عصر عباسی کی اس طویل مدت کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

دور اول ۱۳۲ھ / ۷۴۹ء سے ۲۳۲ھ / ۸۴۶ء یعنی آغاز خلافت عباسیہ سے خلیفہ المتوکل کی مسند نشینی تک ۔

دور دوم ۲۳۲ھ / ۸۴۶ء سے ۳۳۴ھ / ۹۴۵ء یعنی المتوکل کی خلافت سے

---

[۴] شاہ معین الدین احمد ندویؒ، تاریخ اسلام ج ۳ ص ۲، طبع اعظم گڈھ سنہ ۱۹۴۹ء

[۵] احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی ص ۳۰۸ طبع لاہور سنہ ۱۹۷۲ء

سلطنت بنی بویہ تک۔

دور سوم! ۳۳۴ھ / ۹۴۵ء - ۴۴۷ھ / ۱۰۵۵ء یعنی دولت بنی بویہ سے سلاجقہ کی آمد تک

دور چہارم! ۴۴۷ھ / ۱۰۵۵ء - ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء یعنی سلاجقہ کی آمد سے ہلاکو خاں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی تک۔

جیسا کہ اوپر کے بیانات سے معلوم ہوا کہ خلافت عباسیہ کی بنیاد خلافت بنی امیہ پر رکھی گئی تھی اس کے قیام کے سلسلے میں بہت سی سازشوں اور شورشوں کا سہارا لیا گیا لیکن علمی ترقی کو دیکھتے ہوئے اس دور کو تمام مورخین نے بالاتفاق اسلام کا عہد زریں قرار دیا ہے۔ اگرچہ تمدنی نقش آرائیاں اموی دور سے شروع ہو چکی تھیں لیکن اس کی تکمیل اسی عباسی عہد میں ہوئی۔ مختلف قوموں کے میل جول کے اثر نے تہذیب و معاشرت میں عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا اور عباسی خلفاء کی تمدن نوازی نے ایرانی، کلدانی، مصری، رومی، یونانی اور ہندی تہذیب و تمدن کے گوناگوں رنگوں سے سادہ عربی تمدن میں وہ نقش آرائیاں کیں کہ عباسی تمدن دنیا کا تماشا گاہ بن گیا اور مشرق میں اس کا نام اسلامی تمدن قرار پایا اور کشمیر و کاشغر سے لے کر مصر و مغرب تک تمام مسلمانوں کا دینی تمدن ہو گیا۔[۶]

حکومت بنی عباس کا بانی اور پہلا حکمراں ابوالعباس سفاح (متوفی ۱۳۶ھ مطابق ۷۵۴ء) ہے جو ابو مسلم خراسانی اور دوسرے عجمی سرداروں کی مدد سے خاندان بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان ثانی کو شکست دینے کے بعد تخت نشین ہوا اس نے تخت نشینی کے بعد بنی امیہ کو بہت بے دردی سے قتل کیا اور اس کی خونریزی کے سبب سفاح کے لقب سے مشہور ہو گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنو امیہ کے طرفدار سفاح کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر یہ بغاوتیں عاقلانہ طریقہ سے فرو کر دی گئیں سفاح جتنا بڑا ظالم تھا اتنا ہی بڑا وہ دوسروں کے لیے رحم دل اور فیاض بھی تھا۔

---

[۶] شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، ج ۳ ص ۲ طبع اعظم گڈھ ۱۹۳۹ء

اس سلسلے میں اکبر شاہ خاں نجیب آبادی لکھتے ہیں۔

"عبد اللہ سفاح نے مال و دولت سے اپنی خلافت کے قیام واستحکام میں اسی طرح کام لیا جس طرح بانی خلافت بنو امیہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کام لیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ نے اپنی سخاوت کے ذریعہ اپنے مخالفوں یعنی علویوں کا منہ بند کر دیا تھا۔ اس طرح اس نے تمام علویوں کو مال و دولت دے کر خاموش رکھا اور کسی کو مقابلہ پر کھڑا نہ ہونے دیا۔"[۷]

ابو العباس سفاح نے انتقال کے وقت اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو اپنا ولی عہد بنا لیا تھا جس نے اپنی سلطنت کو بہت مستحکم کیا اور عظیم الشان علمی کارنامے انجام دیئے۔

ابو جعفر عبد اللہ منصور :۔ (متوفی ۱۵۸ھ مطابق ۷۷۳ء)

ابو العباس سفاح حکومت عباسیہ کا بانی تھا اس کا معمار اول اس کا بھائی ابو جعفر منصور تھا۔ اس نے مضبوط بنیادوں پر حکومت عباسیہ کی تعمیر کی وہ ہمت اور جرأت واستقلال کا پیکر تھا۔ اس نے ایسی حکومت کی تعمیر کی کہ بعد کے جانشین صدیوں تک شان وشوکت کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔ منصور بڑا عاقبت اندیش اور دور بینی سے کام لینے والا خلیفہ تھا اسی وجہ سے اس خاندان کو اس قدر اقتدار حاصل ہوا کہ دنیاوی سلطنت رہنے کے بعد بھی اس خاندان کا اثر باقی رہا۔

منصور علم و کمال کا شیدائی تھا تصنیف و تالیف اور علمی خدمات کا سلسلہ اگرچہ عہد اموی میں شروع ہو چکا تھا لیکن صحیح معنوں میں علمی سرپرستی کا دور منصور کے عہد حکومت سے شروع ہوتا ہے اس سلسلے میں مؤلف طبقات الامم لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کی توجہ علوم وفنون کی طرف منعطف ہوئی وہ علم فقہ کا متبحر عالم اور علوم فلسفہ خصوصاً علم نجوم میں نامور ہونے کے ساتھ علم کا شیدائی اور اہل علم کا دلدادہ تھا۔[۸]

---

[۷] اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام حصہ دوم ص ۲۷۲ طبع دہلی ۱۹۸۷ء

[۸] قاضی ابو القاسم صاعد بن احمد اندلسی، طبقات الامم ص ۸۲، طبع اعظم گڑھ ۱۹۲۹ء

”اس نے روم و فارس کی قانونی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا مجسطی اور اقلیدس کا یونانی سے عربی میں ترجمہ ہوا اس کے عہد سے تمام علوم کی تدوین شروع ہوئی چنانچہ ابن جریج نے مکہ میں اور امام مالک نے مدینہ میں اس کام کو انجام دیا۔۔۔

الغرض منصور کی قدردانی سے بڑے بڑے عالم اور ہنرمند بغداد میں جمع ہوئے۔ خلفائے اسلام میں سے اول اسی نے نجومیوں کے قول پر عمل کیا“۔[9]

شاہ معین الدین احمد اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

” تالیف و تصنیف اور دوسری قوموں اور زبانوں کے علوم کا مذاق منصور کے زمانے میں پیدا ہوا۔ حدیث و تفسیر، فقہ و مغازی و سیرت کی تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ امام مالک نے موطا لکھا۔ امام ابوحنیفہ نے فقہ مدوّن کیا۔ ابن اسحاق نے مغازی مرتب کی ان کے علاوہ ابن ابی عروبہ حماد بن سلمہ نے بصرہ میں معمر نے یمن میں سفیان ثوری نے کوفہ میں اور ابن المبارک اور امام یوسف وغیرہ محدثین و فقہاء نے اپنے اپنے مقامات پر حدیث اور فقہ کی تدوین و ترتیب کی جانب توجہ دی“۔[10]

بعض مورخین کا بیان ہے کہ منصور حزم و احتیاط اور عوام کی مصلحتوں کا بہت خیال رکھنے والا خلیفہ تھا۔ سنجیدہ مزاج تھا اور اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کی طرح حزم و احتیاط کی بناء پر سلطنت کی بنیاد کو بہت مضبوط کر دیا۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

” ان المنصور کان اعظم الخلفاء العباسیین شدۃً و بأساً و یقظۃً و حزماً و صلاحاً و اهتماماً بمصالح الرعیۃ و جداً فی بلاطہ و هو یُعتبرُ بحق المؤسس الثانی للدولۃ العباسیۃ کما کان عبد الملک بن مروان بالنسبۃ للدولۃ الامویۃ“۔[11]

---

[9] ذاکر حسین جعفر، تاریخ اسلام، ج ۱، ص ۵۵، طبع دہلی ۱۹۱۹ء

[10] شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، ج ۳، ص ۶۳، طبع اعظم گڑھ ۱۹۲۵ء

[11] الدکتور حسن ابراہیم حسن، تاریخ اسلام، الجزء الثانی ص ۳۱ طبع القاہرہ ۱۹۶۴ء

ترجمہ :- منصور عظیم الشان عباسی خلیفہ تھا، یہ سخت گیر تھا حزم و احتیاط کا مالک تھا۔ رعایا کا بہت خیال رکھنے والا تھا، سنجیدہ مزاج تھا، حقیقت میں یہ عباسی سلطنت کا دوسرا بانی تھا جس طرح عبدالملک بن مروان اموی سلطنت کے لیے تھا۔

ڈاکٹر ابراہیم شریقی اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

شجع الخليفةَ المنصور الحركةَ العلميةَ والادبيةَ واقبل العُلماءُ على ترجمة الكتب من اللغات الفارسية واليونانية الى اللغة العربية وتاليف الكُتب في الفقه والطب وعلم الفلك والرياضيات"۔[۱۲]

ترجمہ :- خلیفہ منصور نے علمی اور ادبی تحریک کی حوصلہ افزائی کی اور علماء فارسی اور یونانی زبانوں سے عربی زبان میں ترجمہ کی طرف مائل ہوئے اور فقہ، طب فلکیات و ریاضیات پر کتابیں تالیف کیں۔

منصور کا بہت بڑا کارنامہ بغداد کی تعمیر ہے اس شہر کو دائرہ کی شکل میں ایک نہایت ہی خوشنما نقشہ پر تیار کیا گیا تھا یہ نہایت ہی وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا تھا اور اس پر کروڑوں روپیہ صرف کیا گیا تھا، دنیا کے مختلف حصوں سے معمار و سنگ تراش جمع کیے گئے تھے۔ انوری نے اس شہر کی کیا خوب تعریف کی ہے۔

"خوشا نواحی بغداد جائے فضل و ہنر
کہ کس نشان نہ دہد در جہان چنان کشور

سوادِ او بمثل چون سپہر مینا رنگ
ہوائے او بصفت چون نسیم جان پرور

بخاصیت ہمہ سنگش عقیق نو نو بار
بمنفعت ہمہ خاکش عبیر نمالیہ بر" [۱۳]

یعنی بغداد کے اطراف و جوانب کیا ہی خوشنما اور دلکش ہیں یہ علم و فضل اور ہنر کا مخزن ہے دنیا میں ایسی آبادی کا نام و نشان نہیں ملتا اس کے گرد و نواح کے علاقے ایسے پُر

---

[۱۲] الدکتور ابرھیم الشریقی ، التاریخ الاسلامی ، ص ۱۲۴ طبع السعودیۃ ۱۹۶۹ء

[۱۳] سید امیر علی ، اسپرٹ آف اسلام ، ص ۶۹ — ۳۶۸ طبع برطانیہ ۱۹۶۵ء

رونق ہیں جیسے چمک دار ستاروں سے بھرا ہوا آسمان اس کی ہوا ایسی پُر لطف ہے جیسے دل کو اور جان کو معطر کر دینے والی بادِ صبا، اس کے تمام پتھر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے موتی اور یاقوت، اس کی مٹی خاصیت میں ایسی ہے جیسے معطر کرنے والی عطر کی خوشبو۔

ہارون الرشید بن مہدی (متوفی ۱۹۳ھ مطابق ۸۰۹ء)

ہارون رشید خلفائے بنی عباسیہ میں بہت باعظمت اور خوش اقبال خلیفہ ہوا ہے نہایت فصیح البیان اور کامل ادیب تھا اہل علم کو دوست رکھتا تھا، مستقل مزاجی عقل کی رسائی ہمت و شہرت کے اعتبار سے دنیا کے عظیم ترین بادشاہوں میں سے تھا، اس کا دورِ حکومت ہر اعتبار سے نہایت شاندار اور زریں دور تھا۔ حکومت کا بڑا دبدبہ اور وقار تھا، ہر طرف رونق و خوش حالی تھی۔ برامکہ جیسے لائق مدبرین اس کے وزراء تھے اس کی سلطنت کا رقبہ بہت وسیع تھا۔ اس کے دربار میں علماءِ فقہاء اور ماہرینِ فن جمع تھے۔ وہ بذات خود رعایا اور حکام کی تحقیق حال کے لیے گشت لگایا کرتا تھا اور تمام زائد ٹیکسوں کو موقوف کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں اکبر شاہ خاں نجیب آبادی لکھتے ہیں۔

"ہارون الرشید کو خاندان عباسیہ میں آفتاب خاندان سمجھنا چاہیئے اس کے زمانے میں خلافتِ عباسیہ نہایت مقبول ہو کر معراج کمال کو پہونچ گئی تھی۔ اس کے زمانے میں یہودی اور عیسائی علماء کی بھی بڑی قدر دانی ہوتی تھی۔ عبرانی زبان کی کتابوں کے ترجمے ہوئے مختلف علوم و فنون کی تدوین کا سلسلہ جاری ہوا۔" ؎۱۴

ذاکر حسین جعفر اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"اس کا عہد علم و ہنر تہذیب و تمدن، خوش حالی اور تمول کی سرسبزی کا اور دولت اسلامیہ کے اوج و اقبال اور ترقی سلطنت کا زمانہ تھا، مسجدیں کالج مدرسے، شفاخانے، سرائیں، سڑکیں، پل اور نہریں تعمیر ہوئیں، رشید پہلا خلیفہ ہے جس کے دربار میں فغفورِ چین اور شارلیمین شہنشاہ فرانس کے سفیر آئے۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی یحییٰ بن خالد برمکی کو اپنا وزیر بنا کر سلطنت کے سیاہ و سفید

؎۱۴ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام، ج ۲ ص ۳۵۹، طبع دہلی سنہ ۱۹۸۲ء

کا مختار بنا دیا۔“ [۱۵]

ہارون الرشید دولت عباسیہ کا گل سرسبد اور عباسی حکومت کے عہد زریں کا بے مثال تاجدار تھا اس کے زمانے میں دولت عباسیہ علمی، تمدنی، سیاسی ہر حیثیت سے اوج کمال پر پہنچ گئی۔ بیت الحکمت جس سے عباسی حکومت میں علوم و فنون کا دروازہ کھلا اسی کے زمانے میں قائم ہوا۔ عربی اور ایرانی تمدن کی آمیزش سے ایک ایسا دو آتشہ اور بوقلمونی تمدن پیدا ہوا جو اس دور کے اسلامی تمدن کا معیار بن گیا۔“ [۱۶]

اس سلسلے میں ڈاکٹر حسن ابراہیم لکھتے ہیں۔

كان الرشيد من افاضل الخلفاء وفصحاءهم وعلماءهم وكرمائهم كان يحج سنةً ويغزو سنةً مدة خلافته الا سنين قليلةً وكان يتشبه في افعاله بالمنصور الا في بذل المال وكان يحب الشعر والشعراء ويميل الى اهل الادب والفقه ويكره المراء في الدين“ [۱۷]

ترجمہ: ”رشید عالم و فاضل فصیح و بلیغ اور سخی خلیفہ تھا اور ایک سال حج کرتا تھا اور ایک سال جنگ کرتا تھا سوائے چند سالوں کے، اپنے کاموں میں منصور کی پیروی کرتا تھا لیکن سخاوت میں نہیں شعر اور شعراء کو دوست رکھتا تھا اور ادباء و فقہاء کی طرف مائل تھا اور دینی امور میں مناظرہ بازی کو ناپسند کرتا تھا۔“

ڈاکٹر ابراہیم شریفی لکھتے ہیں۔

”وقد عني الرشيد بنشر العلوم فامر بتاسيس المعاهد لتخريج الاطباء وكان هناك نوعان من الكليات الطبية النوع الاول هو البيمارستان اي المستشفى والنوع الثاني المدارس النظرية كما شجع الصناعات في الولايات الاسلامية۔“ [۱۸]

---

[۱۵] ذاکر حسین جعفر، تاریخ اسلام، ج ۱ - ص ۵۷ ۔ طبع دہلی ۱۹۱۸ء

[۱۶] شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، ج ۳ ص ۱۱۷، طبع اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء

[۱۷] الدکتور حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام، الجزء الثانی ص ۶۱، القاہرہ ۱۹۶۴ء

[۱۸] الدکتور ابراہیم الشریفی، التاریخ الاسلامی (عربی) ص ۱۳۵، طبع السعودیہ ۱۹۶۹ء

ترجمہ :- رشید نے علوم و فنون کی نشر و اشاعت کی طرف توجہ کی اور اطباء کے لیے مدرسہ قائم کیے اس کے عہد میں دو قسم کے طبی مدارس تھے ایک اسپتال کی شکل میں اور دوسرا تعلیمی مدارس کی شکل میں اس طرح انہوں نے مختلف صوبوں میں صنعت و حرفت کی حوصلہ افزائی کی۔

اس سلسلے میں فلپ حتی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "تاریخ و افسانہ دونوں ہارون الرشید کی خلافت کے دوران بغداد کی حکومت کو زریں اور روشن ترین عہد شمار کرتے ہیں اگرچہ نصف صدی سے کم عرصہ ہی گذرا تھا مگر بغداد ایک بہت اہم بین الاقوامی شہرت مستند عالمی مرکز بن گیا تھا اور اس سلسلے میں روم کا ہم پلہ ہو گیا تھا اس کی ایک شان و شوکت اس حکومت کے لائق تھی جس کی یہ راجدھانی تھا گویا بغداد ایک شہر تھا جس کی نظیر دنیا میں ملنی مشکل تھی"۔ ۱۹؎

البرامکہ ! یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ ہارون رشید کا زمانہ خلافت عباسیہ کا عہد زریں تھا اس کے عہد کی ترقیوں کا سہرا ہارون سے زیادہ اس کے نامور برمکی وزراء کے سر ہے اس برمکی خاندان نے اس قدر عروج و عظمت و شان حاصل کی جو بڑے بڑے سلاطین کو میسر نہ ہوئی لیکن تاریخ کا یہ المناک واقعہ ہے کہ اسی عہد میں اس پر ایسا زوال آیا کہ اس خاندان کا نام و نشان مٹ گیا خاندان برامکہ نو مسلم آتش پرستوں کا مشہور خاندان تھا جس کے تین افراد یحییٰ برمکی فضل برمکی اور جعفر برمکی باری باری ہارونی حکومت کے وزیر رہے ہیں۔ اس خاندان کا جد اعلیٰ بلخ کے نوبہار آتش کدے کا پجاری تھا، آتش کدے کے متولی یا پجاری کو مُغ کہتے تھے۔ اور مرکزی آتش کدے کا مُغ، برمُغ کہلاتا تھا، ایران کے چار آتش کدوں میں سے ایک آتش کدہ نوبہار کا تھا۔ اسی نوبہار کا پجاری اس خاندان کا جد اعلیٰ تھا۔ یہ لفظ محرف ہو کر بعد میں برمک ہو گیا۔ بعض مؤرخین برمک کو ایک جگہ کا نام بتلاتے ہیں لیکن یہ بات تحقیق کے خلاف ہے شاید سب سے پہلا شخص جو اسلام کے آغوش میں آیا وہ یحییٰ بن خالد کا دادا جعفر بن برمک تھا۔ سلیمان بن

۱۹؎ فلپ حتی، تاریخ عرب (انگریزی) ص ۳۰۱، طبع نیویارک سنہ ۱۹۶۸ء

عبدالملک کے زمانے میں بلخ سے شام میں آکر بنی امیہ کے دربار میں معزز و محترم رہا جعفر کا بیٹا خالد سفاح اور مہدی کا وزیر رہا خالد کا بیٹا یحییٰ ہارون رشید کا وزیر ہوا۔ یحییٰ نے جب بوجہ ضعیفی استعفیٰ دے دیا تو رشید نے پہلے اس کے بیٹے فضل کو پھر دوسرے بیٹے جعفر کو وزیر بنایا۔" یہ مشہور اور لائق خاندان حقیقت میں رشید کی سلطنت پر حکومت کرتا رہا۔ منصور اور ہارون کے زمانے میں جو کچھ تصنیف و تالیف کا کام ہوا اسی خاندان کی حسن تدبیر سمجھنا چاہیئے۔"[20]

" خاندان برامکہ کے قابل وزراء کی بدولت بہت سے رفاہِ عام کے کارنامے انجام دیئے گئے، نہریں، مسجدیں، اور دیگر رفاہِ عام کے کام ان قابل برمکی وزراء نے عباسی دورِ حکومت میں انجام دیئے۔"[21]

عہد ہارون میں سب سے قابل وزیر جس نے اپنی قابلیت اور ذہانت سے دورِ ہارونی کو چار چاند لگائے وہ یحییٰ بن خالد برمکی تھا یہی شخص بیت الحکمت کا بانی بھی تسلیم کیا جاتا ہے اس سلسلے میں مؤلف البرامکہ لکھتے ہیں۔

" عہد ہارون میں سب سے زیادہ جس چیز نے یحییٰ برمکی کی وزارت کو فیاضی اور شاہانہ شان و شوکت کے علاوہ تمام دُنیا میں مشہور کر دیا وہ اس کے علمی کارنامے ہیں اور علوم فلسفہ و حکمت کی عام قدر دانی کا یہ نتیجہ ہے کہ صفحاتِ تاریخ پر آج بھی یحییٰ کا نام نامی ثبت ہے۔

بیت الحکمت کا بانی اگرچہ ہارون رشید کہا جا سکتا ہے لیکن اصلی انجینئر جس نے اس عمارت کا نقشہ بنایا پھر علوم و فنون کے مرقعوں سے اس کے در و دیوار کو سجا دیا وہ یحییٰ برمکی ہے کیوں کہ اسی عالم وزیر کے مشورے سے ہارون رشید نے بیت الحکمت قائم کیا تھا۔"[22]

اس سلسلے میں ڈاکٹر ابراہیم الشرقی لکھتے ہیں۔

---

[20] ذاکر حسین جعفری، تاریخ اسلام، حصہ اول، ص ۵۸، طبع دہلی ۱۸ء

[21] فلپ حتی، تاریخ عرب (انگریزی) ص ۲۹۵ طبع نیو یارک ۱۹۶۸ء

[22] مولوی عبدالرزاق کانپوری، البرامکہ، ص ۸ ، طبع کانپور ۱۸۹۷ء

"ان البرامكة بثقافتهم وعلمهم وخبرتهم قدّموا خدمات جُلّى للرشيد واسهموا في تقوية دعائم حكمه وقد ظلوا سبع عشرة سنةً يتمتعون بنفوذ كبير وصلاحيات مطلقة في ادارة شئون الدولة جمعوا خلالها ثرواتٍ ضخمةً و بنوا قصوراً فخمةً واقتنوا الخدمَ والموالي حتى اصبح عددهم لا يقل عن عدد موالي وخدم الخليفة"۔ [۲۳]

ترجمہ:۔ یعنی برامکہ نے اپنی ثقافت علم اور تجربہ کی بنیاد پر رشید کے لیے بڑی بڑی خدمات انجام دیں اور حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، سترہ سال تک حکومت کے انتظام اور انصرام میں بہت بڑے اثرات اور صلاحیتوں سے ہم کنار رہے اس دوران انہوں نے خوب دولت جمع کی اونچے محل بنائے خدمت گاروں کو اکٹھا کیا یہاں تک کہ ان کی تعداد خلیفہ کے خدمت گاروں کی تعداد سے کم نہ تھی۔

ہر کمال کے لیے زوال ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے۔ اسی طرح برمکی خاندان کو بھی زوال لاحق ہوا اور یہ بھی اسی خلیفہ کے ہاتھوں جس نے اس کو عروج و کمال کے زینے پر چڑھایا تھا۔

مؤرخین نے اس سلسلے میں بہت سی داستانیں بیان کی ہیں، مشہور داستان خلیفہ رشید کی بہن عباسہ سے تعلق رکھتی ہے لیکن اگر اس کا مطالعہ گہرائی سے کیا جائے تو یہ داستان غیر معقول نظر آتی ہے۔ اسی لیے مشہور مؤرخ ابن خلدون نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ ایسا خلیفہ جو علم و فضل میں بے مثل ہو جس کی سلطنت کے رعب سے یورپ کے حکمران بھی کانپتے ہوں اس قسم کی بچکانہ داستان کا ہیرو نہیں ہو سکتا ہے دراصل اس خاندان کے زوال کے بہت سے اسباب ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(۱) برامکہ اہم باتوں میں خلیفہ کی رائے کے بغیر قطعی فیصلہ صادر کرنے لگے تھے مثلاً

---

[۲۳] الدکتور ابراهیم الشریف، التاریخ الاسلامی (عربی) ص ۱۲۶، طبع اول السعودیۃ ۱۹۷۹ء

یحییٰ بن عبداللہ علوی کو رشید کے مشورہ کے بغیر رہا کر دیا تھا۔

(۲) برامکہ نے بہت دولت جمع کر لی تھی اور خدمت گاروں اور محلات کی تعمیر پر بے حساب صرف کرنے لگے تھے

(۳) برامکہ حکومت کے سیاہ وسفید کے مالک ہو چکے تھے اور رشید کو ڈر پیدا ہو چکا تھا کہ ملک فارسیوں کے ہاتھ میں دوبارہ نہ چلا جائے یا علویوں کے ہاتھ میں خلافت کی باگ ڈور سونپ دی جائے کیوں کہ برامکہ در پردہ علویوں کے طرفدار تھے۔

دورِ عباسی میں علمی کارنامے جس قدر بھی انجام دیئے گئے ان سب کارناموں میں دورِ مامون کا حصہ سب سے زیادہ ہے اور اس لحاظ سے اس دور کو عہدِ عباسی کا زریں دور کہا جا سکتا ہے۔

مامون الرشید: ابو العباس عبداللہ (متوفی ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء) ہارون رشید کے انتقال کے بعد (۱۹۳ھ مطابق ۸۰۹ء) میں بغداد کے تخت پر اس کا بیٹا امین الرشید بیٹھا لیکن اس کا بھائی مامون الرشید حریف کی حیثیت سے نمودار ہوا اور فارسیوں کی مدد سے امین کو شکست دے دی اور خود مملکت اسلامیہ کا خلیفہ بن گیا، مامون ایک ایرانی کنیز کی بطن سے تھا اس لیے ایرانی اس کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ سب سے بڑا سپہ سالار جس نے اس کو تخت خلافت پر بٹھایا وہ عجمی سردار طاہر خراسانی تھا۔

مامون حزم و احتیاط، تدبیر و دانائی، جوانمردی عظمت و سخاوت کے لحاظ سے خاندان عباسی کا ممتاز بادشاہ تھا وہ بے مثل فاضل اور حکیم تھا اس نے ہر علم میں کافی مہارت حاصل کی تھی۔ ادب و فقہ نجوم اور فلسفہ کا متبحر عالم تھا اسی کی توجہ سے اہلِ عرب تحصیل علوم کے شائق ہوئے انہوں نے فلسفہ علم ادب، علم ریاضی علم ہیئت اور علم طب وغیرہ میں نمایاں ترقی کی۔"[۲۴]

"اس نے اپنے دادا منصور کے کارناموں کو تکمیل تک پہونچایا اس کی بلند ہمت نے اس کو کتب علمیہ کی جستجو اور علمی خزانوں سے ان کو ڈھونڈ نکالنے

---

[۲۴] ذاکر حسین جعفری، تاریخ اسلام، حصہ اول، ص ۶۲ طبع دہلی ۱۹۱۸ء

پر آمادہ کیا۔ اس نے قیاصرہ روم سے تعلقات پیدا کیے اور ان سے فلاسفہ یونان کی کتابیں طلب کیں۔ انہوں نے افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس اور بطلیموس وغیرہ فلاسفہ یونان کی وہ تمام کتابیں جو ان کے پاس موجود تھیں مامون کی خدمت میں روانہ کیں اس نے لوگوں کو ترجمہ شدہ علمی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کی طرف رغبت اور شوق دلایا اس وجہ سے اس کے عہد میں فلسفہ کی گرم بازاری اور ہر طرف اس کی حکومت قائم ہوگئی"۔ [۲۵]

مامون مذہبی رواداری میں بے مثل تھا اور مذہبی آراء کے اظہار میں لوگوں کو پوری آزادی دے رکھی تھی لیکن مسئلہ خلق القرآن[۲۶] میں بہت متشدد تھا۔ عہد مامون اہلِ کمال سے مالامال تھا۔ اس کی سلطنت کا رقبہ بے حد وسیع تھا بغداد سے لے کر ایران و سندھ تک یہ رقبہ پھیلا ہوا تھا اور ہر جگہ علمی کارخانے کھلے ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

---

[۲۵] قاضی ابوالقام صاعد بن احمد اندلسی، طبقات الامم، ص ۸۲ طبع اعظم گڈھ سنہ ۱۹۲۸ء

[۲۶] مسئلہ خلق القرآن: قرآن ایک وحی منزل من اللہ ہے۔ اس میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے لیکن اموی دور میں خلیفہ ہشام کے زمانے میں جعد بن درہم نے قرآن مجید کے بارے میں ایک فتنہ برپا کیا اور وہ قرآن کے مخلوق ہونے کا مسئلہ تھا، قرآن خدا کے علم سے متعلق ہے جو ایک صفت قدیم ہے قرآن کے قدیم و حادث ہونے کا مسئلہ مسلمانوں میں ایک نیا مسئلہ تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس قسم کے مسئلہ سے بحث نہیں کرتے تھے جعد بن درہم نے قرآن کو مخلوق کی حیثیت سے پیش کیا اس فتنہ نے عباسی دور میں بڑی گرمی سے سر اٹھایا اور مامون نے تشدد کا راستہ اختیار کیا اور علماء کو مجبور کیا کہ وہ قرآن کو مخلوق تصور کریں اس سلسلے میں اس نے مذہبی رواداری کو بالائے طاق رکھ دیا، دورِ عباسی میں بہت سے ائمہ کرام کو اس عقیدے کی مخالفت کی بنا پر سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ امام احمد بن حنبل کی آزمائش کا واقعہ تاریخ کا ایک اہم باب بن چکا ہے۔ حتیٰ کہ متوکل علی اللہ نے اس فتنہ کو اپنے عہد میں دور کر دیا۔

مامون کی حکومت بغداد سے لے کر شام، افریقہ، ایشیا کوچک، ترکی تاتار، خراسان، ایران و سندھ تک پھیلی ہوئی تھی اور ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک قصبہ میں علمی کارخانے کھلے ہوئے تھے جن کا صدر مقام اور اصلی مرکز دارالخلافہ بغداد تھا۔ وہ مزید لکھتے ہیں۔

"اس عہد میں خیالات کی وسعت اور متعدد بانیانِ مذہب کا پیدا ہونا زیادہ تر اس آزادی کا اثر تھا جو مامون نے مذہبی خیالات کے ظاہر کرنے میں لوگوں کو دے رکھی تھی۔ وہ خود معتزلی یا شیعی تھا لیکن اُس کے دربار میں قدری وجہمی اور تمام دوسرے مذاہب والے بھی نہایت عزت و وقار کے ساتھ شرفِ باریابی پاتے تھے۔" [۲۷]

مامون نے علوم وفنون کی طرف اپنی پوری توجہ کو منعطف کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارکانِ دولت اور اربابِ ثروت بھی ان کی طرف مائل ہو گئے اور بغداد علم وفن کا مرکز بن گیا اور تالیف و تراجم کی وجہ سے بغداد میں کتب فروشوں اور وراقوں کی کثرت ہو گئی۔ اسی سلسلے میں شاہ معین الدین احمد لکھتے ہیں۔

"مامون کے ذوق وشوق اور حوصلہ افزائی سے ارکانِ دولت صاحب وجاہت بھی ادھر مائل ہو گئے اور چند دنوں میں جزیرہ، عراق، شام، اور فارس کے مترجمین کا بغداد میں مجمع ہو گیا۔ ان میں نسطوری، یعقوبی، صابی، مجوسی، رومی، اور برہمن سب تھے یہ سب یونانی، فارسی، سریانی، سنسکرت، نبطی، اور لاطینی وغیرہ کے تراجم کرتے تھے۔" [۲۸]

مامون اعتزال کی طرف مائل تھا اور دینی امور میں عقلی استدلال کو بطور ہتھیار استعمال کرتا تھا، جیسا کہ عام معتزلہ کی روش تھی، اسی سلسلے میں فلپ حتی لکھتے ہیں کہ۔

"مامونی عہد میں یونانی فلسفہ وحکمت کا نمایاں اثر لوگوں پر ظاہر ہوا۔ چونکہ

---

[۲۷] علامہ شبلی، "المامون" ص ۲۳۴-۲۳۲، طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۷ء

[۲۸] شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، ج ۳۔ ص ۱۷۹، طبع اعظم گڑھ ۱۹۲۹ء

80613

خلیفہ عقلی استدلال کی طرف مائل تھا اس لیے یونانی فلسفہ و حکمت کے تراجم کا کام سرگرمی سے ہوا کیوں کہ استدلال کے سلسلے میں منطق و فلسفہ کی شدید ضرورت پڑتی تھی، ان ہی وجوہات کی بناء پر مامون کا خیال تھا کہ مذہب کو عقل کے ساتھ موافقت لازم ہے اور عقل کی بنیاد پر ہی مذہبی امور کو پرکھنا چاہیئے"۔ [۲۹]

مامون سنجیدہ مزاج کا حامل تھا اپنے بھائی امین کی طرح عیش و طرب کا دلدادہ نہیں تھا بلکہ ایک تجربہ کار فاضل و حکیم تھا فارغ اوقات میں علوم و فنون میں مشغول رہتا تھا۔

اس سلسلے میں احمد امین لکھتے ہیں۔

"کان لہ ملاذ عقلیۃ تشغل وقتہ فھو یحب الکتب و یحب الفلسفۃ و یحب الجدل فی المسائل الدینیۃ و الفقھیۃ وحولہ العلماء من کل نوع یباحثھم و یجادلھم وھو مع ذالک یلھو لھوا خفیفا۔ [۳۰]

ترجمہ:۔ یعنی مامون عقلی مسائل میں دلچسپی لیتا تھا اور اپنے اوقات کو اسی میں صرف کرتا تھا۔ کتابوں کا شوقین تھا فلسفہ کا دلدادہ تھا دینی اور فقہی مسائل میں مناظرہ باز تھا اس کے گرد ہر قسم کے علماء جمع تھے وہ ان سے مباحثہ و مناظرہ کرتا تھا اس کے باوجود تھوڑا بہت وقت عیش و طرب میں بھی گذارتا تھا۔

مامون میں سب سے بڑی نمایاں صفت عفو و کرم کی صفت تھی اپنے معاندین کو آسانی سے معاف کر دیتا تھا اور انتقام سے گریز کرتا تھا بحث و مباحثہ کی طرف مائل ہوتا تھا کیوں کہ مؤرخین کی رائے میں وہ معتزلی مذہب کا مؤید تھا۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر حسن ابراہیم لکھتے ہیں۔

"کان المامون یتحلی بکثیر من الصفات التی یمتاز بھا عن سائر الخلفاء

---

[۲۹] فلپ حتی، عرب (انگریزی)، ص ۹۰، طبع لندن ۱۹۵۴ء

[۳۰] احمد امین ضحی الاسلام الجزء الاول ص ۱۲۱، طبع القاہرہ ۱۹۳۸ء

العباسیین من ذالک میلہ الی العفو وکراھتہ للانتقام ۔[۳۱]

ترجمہ :- مامون میں بہت سے ایسے صفات تھے جن کی بدولت وہ دوسرے خلفاء سے ممتاز تھا ۔ ان صفات میں سے ایک صفت عفو و کرم کی طرف اس کا میلان تھی اور انتقام سے نفرت ۔

بغداد کے تخت خلافت پر بہت سے عباسی خلفاء متمکن ہوئے ان کی مجموعی تعداد سینتیس[۳۲] ہے ان کے اسمائ مع سنہ وفات و سنہ جلوس نیچے دیے جا رہے ہیں :-

نمبر شمار	نام بادشاہ	سنہ جلوس	سنہ وفات
۱	ابو العباس سفاح بن محمد	۱۳۲ھ ۷۵۰ء	۱۳۶ھ ۷۵۴ء
۲	ابو جعفر منصور بن محمد	۱۳۶ھ ۷۵۴ء	۱۵۸ھ ۷۷۵ء
۳	مہدی بن منصور	۱۵۸ھ ۷۷۵ء	۱۶۹ھ ۷۸۵ء
۴	موسیٰ ہادی بن مہدی	۱۶۹ھ ۷۸۵ء	۱۷۰ھ ۷۸۶ء
۵	ہارون رشید بن مہدی	۱۷۰ھ ۷۸۶ء	۱۹۳ھ ۸۰۹ء
۶	امین بن ہارون	۱۹۳ھ ۸۰۹ء	۱۹۸ء ۸۱۳ء
۷	مامون بن ہارون	۱۹۸ھ ۸۱۳ء	۲۱۸ھ ۸۳۳ء
۸	معتصم بن ہارون	۲۱۸ھ ۸۳۳ء	۲۲۷ھ ۸۴۱ء

---

[۳۲] الدکتور حسن ابراہیم ، تاریخ الاسلام الجزء الثانی ص ۲۷ طبع القاہرہ ۱۹۶۴ء

نمبر شمار	نام بادشاہ	سنہ جلوس	سنہ وفات
۹	واثق بن معتصم	۲۲۷ھ ۸۴۱ء	۲۳۲ھ ۸۴۴ء
۱۰	متوکل بن معتصم	۲۳۲ھ ۸۴۵ء	۲۴۷ھ ۸۶۱ء
۱۱	منتصر بن متوکل	۲۴۷ھ ۸۶۱ء	۲۴۸ھ ۸۶۲ء
۱۲	مستعین بن معتصم	۲۴۸ھ ۸۶۲ء	۲۵۲ھ ۸۶۶ء
۱۳	معتز بن متوکل	۲۵۲ھ ۸۶۶ء	۲۵۵ھ ۸۶۹ء
۱۴	مہدی بن واثق	۲۵۵ھ ۸۶۹ء	۲۵۶ھ ۸۷۰ء
۱۵	معتمد بن متوکل	۲۵۶ھ ۸۷۰ء	۲۷۹ھ ۸۹۲ء
۱۶	معتضد بن موفق بن متوکل	۲۷۹ھ ۸۹۳ء	۲۸۹ھ ۹۰۲ء
۱۷	مکتفی بن معتضد	۲۸۹ھ ۹۰۲ء	۲۹۵ھ ۹۰۸ء
۱۸	مقتدر بن معتضد	۲۹۵ھ ۹۰۸ء	۳۲۰ھ ۹۳۲ء
۱۹	قاہر بن معتضد	۳۲۰ھ ۹۳۲ء	۳۲۱ھ ۹۳۳ء
۲۰	راضی بن مقتدر	۳۲۲ھ ۹۳۴ء	۳۲۹ھ ۹۴۰ء

نمبر شمار	نام بادشاہ	سنہ جلوس	سنہ وفات
۲۱	متقی بن مقتدر	۳۲۹ھ ۹۴۰	۳۳۳ھ ۹۴۴ء
۲۲	مستکفی بن مکتفی	۳۳۳ھ ۹۴۴ء	۳۳۴ھ ۹۴۵ء
۲۳	مطیع بن مقتدر	۳۳۴ھ ۹۴۵ء	۳۶۴ھ ۹۷۵ء
۲۴	طائع بن مطیع	۳۶۳ھ ۹۷۴ء	۳۹۳ھ ۱۰۰۳ء
۲۵	قادر بن مقتدر	۳۹۳ھ ۱۰۰۳ء	۴۲۳ھ ۱۰۳۱ء
۲۶	قائم بن قادر	۴۲۳ھ ۱۰۳۱ء	۴۶۷ھ ۱۰۷۵ء
۲۷	مقتدی	۴۶۷ھ ۱۰۷۵ء	۴۸۷ھ ۱۰۹۴
۲۸	مستظہر بن مقتدی	۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء	۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء
۲۹	مسترشد بن مستظہر	۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء	۵۲۹ھ ۱۱۳۵ء
۳۰	راشد بن مسترشد	۵۲۹ھ ۱۱۳۵ء	۵۳۲ھ ۱۱۳۸ء
۳۱	مستنجد بن مقتفی	۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء	۵۶۶ھ ۱۱۷۱ء
۳۲	مقتفی بن مستظہر	۵۳۰ھ ۱۱۳۶ء	۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء

نمبر شمار	نام بادشاہ	سنہ جلوس	سنہ وفات
۳۳	مستضی بن مستنجد	۵۶۶ھ ۱۱۷۱ء	۵۷۵ھ ۱۱۸۰ء
۳۴	ناصر بن مستضی	۵۷۵ھ ۱۱۸۰ء	۶۲۲ھ ۱۲۲۵ء
۳۵	ظاہر بن ناصر	۶۲۲ھ ۱۲۲۵ء	۶۲۳ھ ۱۲۲۵ء
۳۶	مستنصر بن ظاہر	۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء	۶۴۰ھ ۱۲۴۲ء
۳۷	مستعصم بن مستنصر	۶۴۰ھ ۱۲۴۲ء	۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء

JAMIA HAMDARD
LIBRARY
New Delhi

دوسرا باب

حکمائے یونان اور عربی میں نقل شدہ علوم و فنون

کا

ایک جائزہ

بلادِ یونان معمورۂ ارض کے شمالی مغربی ربع میں واقع ہے۔ اس کے جنوب میں بحرِ روم شام اور بلادِ خزر ہیں اس کے مغرب میں بلادِ روم ہیں جن کا پایۂ تخت شہر روما تھا اور مشرقی سمت میں آرمینیہ دربند اور خلیج ہے جو بحرِ روم اور بحرِ اسود کو ملاتی ہے۔

اہلِ یونان تمام اقوامِ عالم میں جلیل القدر، شہرۂ آفاق اور عظیم الشان بادشاہوں والے تھے۔ سکندرِ اعظم کو اسی قوم سے خیال کیا جاتا تھا۔ اہلِ یونان کا مذہب تعظیمِ کواکب اور بت پرستی تھا۔ اس قوم میں بڑے بڑے علماء اور فلاسفہ گذرے ہیں فیلسوف یونانی زبان میں محبِّ حکمت کو کہتے ہیں اور اسی کی جمع فلاسفہ ہے۔ فلاسفۂ یونان اہلِ علم میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے کیوں کہ انہوں نے علومِ فلسفہ کی تمام اصناق، ریاضیات، منطق، طبعیات، الٰہیات، سیاستِ مدن، اور تدبیرِ منزل سے بخوبی اعتناء کیا تھا۔[1]

---

[1] قاضی ابن صاعد اندلسی، طبقات الامم، ص ۳۲، طبع اعظم گڈھ ۱۹۲۸ء

فلسفہ یونانی فلسفہ کی ابتدا تھیلز سے ہوئی جس کو عرب طالیس کہتے ہیں۔ یہ حکیم (سنہ ۶۲۰ ق م) میں پیدا ہوا، اس نے مصر میں تعلیم پائی تھی اور فلسفہ کے بہت سے اصول وہیں سیکھے تھے اس کے بعد بڑے بڑے حکماء پیدا ہوئے اور یہ سلسلہ سنہ ۵۲۲ء تک جاری رہا اس سنہ میں قیصر روم کے حکم سے ایتھنز میں فلسفہ کا اسکول بند کر دیا گیا تھا' اس طویل مدت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے قدیم اور جدید؛ دور قدیم کی انتہا افلاطون (سنہ ۳۴۷ ق.م) پر ہوتی ہے اور ارسطو سنہ ۳۲۲ ق.م سے دور جدید شروع ہوتا ہے' قدماء میں سات بڑے حکماء فلسفہ کے ستون سمجھے جاتے ہیں۔

(۱) طالیس
(۲) انکساغورس
(۳) انکسیمالنس
(۴) ابندقلیس
(۵) فیثاغورس
(۶) سقراط
(۷) افلاطون

یونان میں جس قدر فلسفی پیدا ہوئے ان کی تین قسمیں تھیں۔

(۱) **حکمائے دھریین**: یہ لوگ خدا کے وجود کے منکر تھے عالم کو قدیم مانتے تھے، قدیم فلاسفہ یونان کا عموماً یہی عقیدہ تھا' مسلمان ان حکماء کے نظریہ کو قبول نہ کر سکے۔ کیونکہ ان کے مذہب کے بالکل مخالف تھا' اس وجہ سے ان کے فلسفیانہ خیالات مسلمانوں میں نہ پھیل سکے۔

(۲) **حکمائے طبعیین**: یہ حکماء خالق کے معتقد تھے اور کہتے تھے کہ خالق ایک فاعل مختار اور قادر مطلق ہے جس نے تمام موجودات کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا لیکن یہ لوگ موجودات کے بارے میں یہ رائے رکھتے تھے کہ ایک خاص حد تک پہونچ کر وہ بالکل فنا ہو جاتے ہیں' اس لیے وہ عالم حشر کے منکر تھے مذہبی حیثیت سے بھی ان کا نظریہ مسلمانوں میں مقبول نہ ہو سکا۔

(۳) **حکمائے الٰہیین:** ان میں تمام متاخرین فلاسفہ یونان شامل تھے۔ ابتدا سقراط (۴۰۰ ق.م) سے ہوئی اس کے شاگرد افلاطون نے اس کو ترقی دی۔ پھر ارسطو نے اس کو درجہ کمال تک پہونچایا۔ ارسطو نے فلسفہ کے اصول وقواعد کو مستحکم کیا اور دھریوں کے عقائد ونظریات کی تردید کی۔ [2]

فلسفہ: علوم عقلیہ جن کو علوم فلسفہ وحکمت کہتے ہیں ان میں منطق ہندسہ، ہیئت، موسیقی، الٰہیات، حساب، طبعیات سبھی شامل ہیں۔

ان علوم میں کسی ملت کی تخصیص نہیں بلکہ تمام اصحاب فکر ان کے مباحث میں برابر ہیں امم ماضیہ میں سے اہل فارس اور اہل مصر کے یہاں ان کی بڑی گرم بازاری تھی اور ان سے پہلے کلدانی، سریانی اور قبطی قوموں نے بھی ان علوم میں دلچسپی لی تھی لیکن ان کو سحر ونجوم اور ان کے تاثرات سے زیادہ دلچسپی تھی اور انہیں سے اہل فارس نے یہ علوم حاصل کیے۔

سکندر اعظم: (متوفی ۳۲۳ ق.م) جب ان کی مملکت پر غالب آیا اور ان کی کتب علمیہ پر قابض ہوا تو یہ علوم اہل یونان کی طرف منتقل ہوئے اور ان کے علوم میں شامل ہوگئے، پھر مسلمانوں کے پاس اہل یونان کے توسط سے بذریعہ ترجمہ منتقل ہوئے۔ [3]

سکندر اعظم [4] (متوفی ۳۲۳ ق.م) وہ فاتح تھا جس کے زیر نگیں ایشیا اور

---

[2] مولانا عبدالسلام ندوی "حکمائے اسلام" ج ۱۔ ص ۱۵ طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

[3] مولانا محمد حنیف گنگوہی، "قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون"، ص ۱۳۸ طبع دیوبند ۱۲۹۸ھ

[4] حالیہ تحقیقات سے یہ حقیقت منکشف ہوئی ہے کہ سکندر مقدونی قرآن کا ذوالقرنین نہیں بلکہ قرین صواب یہ ہے کہ ذوالقرنین شاہ ایران خورس کا لقب تھا اس سلسلے میں مؤلف قصص القرآن لکھتے ہیں "تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ امر قطعی ہے کہ سکندر مقدونی کسی حالت میں بھی قرآن کا ذوالقرنین نہیں کہلایا جا سکتا ہے اور بعض علماء محققین نے اس کو اگر ذوالقرنین بتایا ہے تو سلف صالحین کی اکثریت نے ان کے اس قول کی تردید کی ہے اور ناقابل انکار دلائل کے ساتھ تردید کی ہے۔ * مولانا حفظ الرحمان، قصص القرآن ج ۳۔ ص ۱۲۶ طبع دہلی ۱۹۸۳ء)

افریقہ کے اکثر ممالک آگئے تھے اور اسی کی بدولت یونانی ثقافت مشرقی ممالک کے اطراف واکناف میں پھیلی اور یونانی فلسفہ حکمت وطب کے بہت سے مراکز مختلف امصار و دیار میں شہرت کے مالک ہوئے احمد امین اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"کانت فتوح الاسکندرُ المقدونی لکثیر من بلاد آسیا و افریقیۃ سببًا کبیرًا من اسباب انتشار الثقافۃ الیونانیۃ فی الشرق وکان من سیاسۃ التقریبُ بین البلاد المفتوحۃ و بلاد الاغریق ومزجُ الجنس الاغریقیّ باجناس آسیا وافریقیا فی الحضارۃ والعمارۃ ونُظُم الحکم والثقافۃ"[5]

ترجمہ! یعنی ایشیا اور افریقہ کے بیشتر ممالک پر سکندر مقدونی کے فاتحانہ قبضہ کا مشرق میں یونانی ثقافت کی ترویج واشاعت میں بڑا حصہ رہا ہے اس کی پالیسی مفتوحہ علاقوں میں اور یونان کے درمیان قربت پیدا کرنا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ یونانیوں کو ایشیا اور افریقہ کے باشندوں کے ساتھ تمدن وتعمیر اور تنظیم و ثقافت میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کردے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، اہل یونان میں علوم عقلیہ کی ترویج سکندر اعظم کی فتوحات کے ساتھ ہوئی اور مشرق ومغرب کے ہر گوشہ میں علوم عقلیہ کے مراکز قائم ہوئے، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ان مراکز کے تذکرے سے پہلے ان مختلف فلسفیانہ شاخوں کا تذکرہ کیا جائے جن کی تقسیم اصول فلسفہ، طرز تعلیم اور اخلاق وعادات کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ اور یہ سات فرقے تھے جو مختلف ناموں سے مشہور ہوئے۔

(۱) **قورنیہ**:۔ اس کا بانی ارسطیس تھا۔
(۲) **رواقیہ**:۔ اس فرقہ کا بانی کرسفس تھا۔
(۳) **کلابیہ**:۔ اس فرقہ کا بانی افسیتن تھا۔

---

[5] احمد امین، ضحی الاسلام، الجزء الاول، ص ۲۲۷، طبع القاہرہ ۱۹۳۹ء

(۴) **مانعہ** :- اس فرقہ کا بانی فوردون تھا۔

(۵) **لذتلیہ** : اس فرقہ کا بانی ایپکورس تھا

(۶) **فیثاغورثیہ** : اس کا بانی فیثاغورث تھا

(۷) **مشائیہ** :- اس کے دو بانی تھے افلاطون اور ارسطو۔

اسلامی فلسفہ کی بنیاد ان ہی آخری دو یعنی افلاطون اور ارسطو کے فلسفہ پر رکھی گئی ہے۔

افلاطون کے زمانے سے یونانی فلسفہ کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا اس سے پہلے حکمائے یونان فلسفۂ طبعیہ کی طرف مائل تھے لیکن متاخرین حکمائے یونان مثلاً سقراط افلاطون اور ارسطو فلسفۂ مدنیہ کی طرف مائل ہو گئے اس کی ابتدا سقراط (متوفی ۳۹۹ ق.م) کے دور سے ہوئی۔ اور وہ افلاطون کے دور میں درجۂ کمال کو پہنچ گیا اور افلاطون پر ہی یونان کے علوم کا خاتمہ ہو گیا۔[۵۶]

مسلمانوں میں عام طور پر ارسطو کے فلسفہ کو شہرت حاصل ہوئی، حکمائے قدیم کے فلسفیانہ خیالات عام طور پر مسلمانوں میں نہ پھیل سکے۔ تاہم وہ بالکل بے اثر نہ رہے اور ان کی ترکیب و آمیزش سے فلسفہ ارسطو نے مستقل اسلامی فلسفہ کی شکل اختیار کی جس کو فلسفۂ اشراق کہتے ہیں اور غالباً اس فلسفہ کی طرف مسلمانوں نے اس وقت توجہ کی جب اسلامی تصوف نے فلسفیانہ قالب اختیار کر لیا تھا اور اسلامی تصوف کا یہ فلسفیانہ قالب قدیم حکمائے یونان کے مختلف فلسفیانہ خیالات و نظریات کیلئے تیار ہو سکتا تھا۔[۵۷]

مرور زمانہ کے ساتھ افلاطون کے فلسفہ میں تغیر واقع ہوا اور افلوطین[۵۸]* (متوفی

---

[۵۶] عبد السلام ندوی 'حکمائے اسلام' حصہ اول ص ۱۲ طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

[۵۷] ؍؍ ؍؍ ۳۲ ؍؍ ؍؍ ؍؍

[۵۸]* افلوطین ( ) یہ شخص جدید افلاطونیت اسکول کا بانی اور سب سے بڑا فلسفی تھا اس کا تعلق مصر سے تھا اس کا ثقافتی تعلق یونان سے تھا اس کے نزدیک فلسفہ کا مقصد ذات الٰہی سے اتصال تھا بعد میں اس کا فلسفہ تمام فلاسفہ میں مقبول ہو گیا

(ابو الحسن علی ندوی، مذہب اور تمدن (انگریزی) ص ۳۲ طبع لکھنؤ ۱۹۷۰ء

۲۶۹ء) نے اس میں کچھ نئے خیالات و تصورات و آراء کا اضافہ کیا اور ایک نیا مذہب جدید افلاطونیت کے نام سے جاری کیا اس مذہب کے اکثر و بیشتر عناصر افلاطون، ارسطو اور رواقیین کے فلسفیانہ آراء و مباحث سے ماخوذ ہیں اس میں روحانیت کی آمیزش زیادہ ہے اور مادیت کی تنقید ہے۔

شیخ شہاب الدین مقتول (۵۵۶ھ مطابق ۱۱۶۱ء) نے فلسفہ میں ایسا ایک مستقل طریقہ قائم کیا جس کا نام انہوں نے فلسفۂ اشراق رکھا جو ارسطو کے فلسفہ کے بالکل مخالف تھا۔ [۹]

فلسفۂ یونان نے الٰہیات کے سلسلے میں بہت سی غلطیاں کی تھیں حکمائے اسلام نے ان غلطیوں کا ازالہ کیا ہے، فلسفہ کے مسائل تین قسم کے ہیں اور ان تینوں اقسام سے حکمائے اسلام نے بحث کی ہے۔ وہ اقسام حسب ذیل ہیں۔

(۱) وہ مسائل ہیں جو الفاظ اور اصطلاحات کے لحاظ سے مسائل اسلام سے مختلف ہیں، مثلاً وہ خدا کو جوہر سے تعبیر کرتے ہیں لیکن جوہر سے ان کی مراد متحیز بالمکان نہیں بلکہ وہ شے مراد ہے جو بالذات قائم ہو۔

(۲) وہ مسائل جو اصولی طور پر اسلام کے مخالف نہیں مثلاً کسوف شمس و قمر کا مسئلہ اس قسم کے مسائل کا رد کرنا ہمارا فرض نہیں۔

(۳) وہ مسائل جو اسلام کے عقائد کے مخالف ہیں مثلاً عالم کا قدیم ہونا اور حشر اجساد کا انکار وغیرہ۔ [۱۰]

امام غزالی نے اس تیسری قسم کے مسائل کا ابطال کیا ہے۔

امام صاحب نے تین مسائل میں فلاسفہ کی تکفیر کی ہے۔

(۱) معاد جسمانی (۲) خدائے تعالیٰ کے جزئیات کا عدم علم (۳) قدم عالم (عالم کا قدیم ہونا)

دوسرے مسئلہ کے متعلق مؤلف تاریخ فلاسفۃ الاسلام لکھتے ہیں کہ فلاسفہ کا

---

[۹] مولانا محمد حنیف گنگوہی، قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون، ص ۲۰۶، طبع دیوبند ۱۹۹۸ء

[۱۰] علامہ شبلی، الغزالی، ص ۱۲۱، طبع کانپور ۱۹۰۱ء

یہ قول نہیں بلکہ غلط طور پر ان کی طرف منسوب ہو گیا۔ [۱۱]

طب: طب کی ابتداء یونان میں اسقلیبس سے ہوئی یونانیوں نے اس کو ابو الطب کا لقب دیا تھا۔ اور ان کا خیال تھا کہ اس پر خدا کی طرف سے یہ فن الہام ہوا تھا۔ اس خاندان میں بڑے بڑے نامور حکماء اور اطباء گذرے ہیں، اسی نسل سے تقریباً (۵۰۰ ق م) میں بقراط پیدا ہوا، یونانیوں میں وہ پہلا شخص ہے جس نے اس فن کو مرتب کیا۔ بقراط کے بعد جالینوس پر اس فن کا خاتمہ ہو گیا یونانیوں کے نزدیک فن طب کے آٹھ ستون ہیں۔

(۱) اسقلیبس (۲) غورس (۳) سینس (۴) برماتیدس (۵) افلاطن (۶) اسقلیبوس دوم (۷) بقراط (۸) جالینوس [۱۲]

مختلف اقوام نے فن طب کی ایجاد کو اپنی طرف منسوب کیا ہے ان میں اہلِ بابل، اہلِ مصر، اہلِ چین اور اہلِ یونان شامل ہیں۔

اہلِ ہند بھی فن طب کا باوا آدم برھماجی کو تسلیم کرتے ہیں بہرحال ان تمام دعوؤں سے پتہ چلتا ہے کہ فن طب کا وجود بہت قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے اور بابل میں اس فن کے اثرات پانچ ہزار سال قبل مسیح سے پائے جاتے ہیں۔ اہلِ مصر بھی اس فن کے مالک رہے ہیں بلکہ بابلی تہذیب کے زوال کے بعد یہ فن یونان میں منتقل ہو گیا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اسقلیبس اس فن کا باوا آدم تسلیم کیا گیا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ چین میں طب کا رواج تقریباً ۴۰۰ سال قبل مسیح سے تھا اور طب کے متعلق ترقی یافتہ شعور انکے یہاں موجود تھا علم الادویہ اور طب کے متعلق تشخیص الامراض سے متعلق نہایت مفید اصول مقرر تھے۔

بہرحال یونانی طب نے بہت ترقی کی اور نامور اطباء کی سرپرستی میں اس کی خوب نشوونما ہوئی اور یونان سے یہ فن ملکِ روم میں داخل ہوا اس سلسلے میں کچھ رومی

---

[۱۱] محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام ص ۱۹۹ طبع کراچی ۱۹۶۴ء

[۱۲] علامہ شبلی رسائل شبلی ص ۲۲۰ طبع علی گڈھ ۱۸۹۸ء

اطباء کے نام لیے جاتے ہیں مثلاً سرنوس، اطی نوس کلسوس وغیرہ بہرحال تاریخ طب کے متعلق اختلاف ہے بعض اس کو قدیم مانتے ہیں اور بعض اس کو حادث کہتے ہیں چوں کہ علم طب کا موضوع جسم انسانی ہے جو دیگر اجسام کی طرح حادث ہے اس لیے علم طب بھی حادث ہوگا ایک فریق اس کو الہامی کہتا ہے۔ اور مختلف انبیاء کرام کی طرف اس کو منسوب کرتا ہے، دوسرا فریق کہتا ہے کہ علم طب علم حکمت کی ایک شاخ ہے اور انسانی دماغ کی متواتر محنتوں کا ایک نیا نمونہ ہے۔ [۱۳]

بہرحال قدیم ہو یا حادث اس علم کی افادیت میں کسی کو شک و شبہ نہیں اس سلسلے میں احادیث نبوی سے اس کی اہمیت پر دلیل لائی جاتی ہے۔ ایک مشہور قول ہے۔

"العلم علمان، علم الادیان وعلم الابدان"

ترجمہ:۔ علم تو صرف دو ہیں ایک مذاہب کا علم دوسرا جسم انسانی کا علم۔

اسلام سے قبل اور بعد یونانی حکمت کے تین اہم مراکز تھے (۱) اسکندریہ (۲) جندیسا پور (۳) حران ان میں جندیسا پور اور اسکندریہ سرفہرست ہیں۔ اسکندریہ کے تعلیم یافتہ نامور حکماء مثلاً شمعون طیماؤس، سرجیوس وغیرہ نے شمالی عراق اور شام میں اس فن کو ترقی دی' اسکندریہ کی اہمیت اس کی سب سے بڑی یونیورسٹی اور لائبریری کی بدولت تھی اور ایک بہت بڑا عجائب گھر بھی تھا جہاں بڑے بڑے معلمین درس و تدریس میں مشغول تھے' یونانی دنیا کی سب سے بڑی لائبریری اسی جگہ قائم تھی' ہزاروں کتابوں کے دفاتر بہترین تنظیم کے ساتھ رکھے گئے تھے۔ بطلیموس چہارم اور سوم کے دور میں کلیماکس نام کا ایک لائبریرین گذرا ہے جس نے اسکندریہ کی لائبریری کو جدید طرز پر منتظم کیا تھا۔ [۱۴]

یونانی طب کے برخلاف عرب جیسے سادہ مزاج اور سادہ زندگی گذارنے

---

[۱۳] مولانا حنیف گنگوہی قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون' ص ۱۵۴ طبع دیوبند ۱۳۹۸ھ

[۱۴] ڈیوس ایچ اے مختصر تاریخ عالم (انگریزی) ص ۱۵۱ طبع لندن ۱۹۶۹ء

والے عرب باشندے روایتی طب پر اعتماد رکھتے تھے اور تمدنی پیچیدگیوں سے چوں کہ وہ دور تھے اس لیے اُن کی زندگی طب کی ترقی میں معاون نہ بن سکی بہرحال ان کے یہاں علاج معالجہ کے کچھ اصول متعین تھے کیّ (داغنا) اور حجامت (سینگی لگانا) بہترین طریقۂ علاج سمجھتے تھے۔ [۱۵]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نظری اور عملی دونوں طرح کے علاج مروی ہیں آپ نے شہد سے متعدد اشخاص کو علاج بتایا اس سلسلے میں مشکوٰۃ المصابیح میں ایک مستقل باب ہے جو کتاب الطب کے نام سے مشہور ہے اور مراجعت کے قابل ہے۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ قدیم عربوں میں بہت سے ایسے طریقے رائج تھے جو یقینی طریقہ نہیں کہے جا سکتے۔ لیکن مریضوں کو بعض اوقات راحت بھی مل جاتی تھی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سے اطباء موجود تھے اُن میں حارث بن کلدہ ثقفی کا نام سرفہرست ہے اس کی طبابت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتماد تھا۔

اسلامی تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ یونانی طب کو مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اس فن کو عروج تک پہونچایا مسلمانوں نے طب کے تمام دیرینہ سرمایہ کو اکٹھا کر کے عربی میں منتقل کیا اور اس میں بہت کچھ اضافہ و اصلاح اور ترمیم بھی کی، دولت امویہ اور عباسیہ میں بقراط اور جالینوس جیسے اطبائے یونان کی بہت سی کتابوں کے تراجم ہوئے اور ان میں بہت سی کتابیں طبی درسگاہوں میں داخل درس تھیں۔ اسلامی طب کا عروج ابو بکر محمد بن زکریا الرازی (۸۵۰ء مطابق ۲۳۵ھ) سے شروع ہوتا ہے علم طب پر اس کی کتاب الحاوی فی الطب نہایت عمدہ کتاب ہے۔ رازی کے بعد شیخ الرئیس بو علی سینا البخاری کا نام بھی قابل ذکر ہے ابن سینا کے بعد ابو القاسم زہراوی مشہور طبیب گذرا ہے جس نے التصریف کے نام سے ایک طبی قاموس بھی لکھی، اس سلسلے میں ابو الولید ابن رشد (۱۱۹۸ء مطابق ۵۹۴ھ) بڑا نامور حکیم گذرا ہے جس نے طب اور فلسفے

---

[۱۵] ڈاکٹر کمال سامرائی، مختصر تاریخ الطب العربی، ج ۱ ص ۲۳۶، طبع دمشق ۱۹۸۴ء۔

پر بہت سی نامور کتابیں لکھی ہیں ۔

اسلامی طب بیت الحکمت کی مرہون منت ہے اور اس کے احسان سے یہ فن کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہاں اس فن کی بہترین کتابوں کے تراجم ہوئے جنہوں نے اطباء یونان کے نام کو اطراف و اکناف عالم میں شہرت کے زینہ پر چڑھایا ۔ ان تراجم نکشافات و ایجادات کا راستہ ہموار کیا ان اساطین اطباء کے حالات آئندہ تفصیل سے لکھے جائیں گے ۔

فلسفہ طب کے علاوہ مختلف علوم و فنون پر بھی تالیفات ہوئیں ۔ اور تراجم کے کام ہوئے ۔ ان میں بالخصوص علم منطق (۲) علم ہیئت (۳) علم ھندسہ (۴) علم حساب (۵) جغرافیہ (۶) علم ادب کا تذکرہ مختصراً یہاں کیا جاتا ہے ۔

علم منطق : علم منطق کو علم میزان بھی کہتے ہیں وہ علم جس کے ذریعہ انسانی ذہن کو فکری خطا سے محفوظ رکھا جاتا ہے، اس کے ذریعہ نفس ناطقہ کلام فصیح و صحیح اور ادراک معقولات پر قادر ہو جاتا ہے، یونان کے رئیس الحکماء ارسطو نے اس فن کو مدون کیا اسی لیے اس کو معلم اول کہتے ہیں، پھر عہد مامون میں جب یونانی فلسفہ عربی میں منتقل ہوا تو فارابی (متوفی سنہ ۳۳۹ھ مطابق سنہ ۹۵۰ء) نے دوبارہ اس علم کو مدون کیا اس لیے اس کو معلم ثانی کہتے ہیں ۔ پھر بوعلی سینا (متوفی سنہ ۴۲۸ھ مطابق سنہ ۱۰۳۶ء) نے تیسری بار اصلی صورت میں اس کی تدوین کی اس لیے اس کو معلم ثالث کہتے ہیں ۔

اس علم پر بہت سے لوگوں نے کتابیں لکھیں، متقدمین میں سے امام غزالیؒ نے محک النظر کے نام سے کتاب لکھی ہے علم منطق کو رئیس العلوم بھی کہا جاتا ہے ۔

علم ہیئت :- یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے اجرام فلکی اور کرۂ زمین کی گردش کشش اور ساخت و بناوٹ وغیرہ کی کیفیات معلوم ہوں اس فن کا موجد تالیس ملطی (۶۶۰ ق.م) کہا جاتا ہے یہ پہلا شخص تھا جس نے زیچ بنائی ۔ اس کے بعد فیثاغورث (۵۳۶ ق.م) و افلاطون (۴۳۰ ق.م) نے اس فن کو نہایت ترقی دی ان کے بعد ارسترخوس (۲۵۰ ق.م) ابرخس (۱۴۰ ق.م) اور بطلیموس وغیرہ بڑے بڑے ہیئت داں گذرے ہیں، ارسترخوس کی الشمس

والقمر'' اور حکیم بطلیموس قلوذی کی المجسطی وغیرہ کتابیں بہت مشہور ہیں۔ المجسطی کا عربی میں کئی بار ترجمہ کیا گیا۔ اس کے مشہور مترجموں میں حجاج بن مطر اسحاق اور ثابت بن قرہ وغیرہ مشہور ہیں۔ مامونی دور کے مشہور ہیئت داں یحییٰ بن ابی منصور ہیں۔

علم ہندسہ :- لفظ ہندسہ کے معنی قیاس، حد، شکل اور مقدار کے ہیں اس علم کے ذریعہ احوال واوضاع اور اشکال کی خاصیتیں معلوم ہوتی ہیں اس فن کا موجد اول تھیلز (۶۶۰ ق م) ہے دائرہ اسی کی ایجاد ہے علم ہندسہ کی مشہور کتاب اقلیدس ہے، ابوجعفر منصور کے زمانہ میں یہی کتاب سب سے پہلے ترجمہ ہو کر آئی اس کے مترجمین میں سے حنین بن اسحاق، ثابت بن قرہ یوسف بن حجاج کے ترجمے زیادہ مشہور ہیں۔ ابن سینا نے اس کتاب کا اختصار کیا اور کتاب الشفا کا ایک باب اس کے بارے میں لکھا۔ اقلیدس کے بارے میں دو نامور فاضل اور گذرے ہیں ان میں سے ایک ارشمیدس (۲۵۷ ق م) ہے اور دوسرا اپلونیوس ہے، علم ہندسہ عقل کو روشن اور فکر کو استوار کرتا ہے۔

علم حساب: علم حساب کے ذریعہ متفرق رقموں کو باہم جوڑنے یا تقسیم کرنے کے طریقے، گنتی اور اعداد کے قواعد معلوم ہوتے ہیں، یہ فن حکمت نظری میں ریاضیات کی ایک شاخ ہے اس کی ابتدا غالباً حکمائے یونان ہی کے ہاتھوں ہوئی یونانی میں سب سے پہلا شخص ابرخس (۱۴۰ ق م) ہے یہ مشہور ریاضی داں تھا علم حساب سے متعلق سب سے قدیم مصنف فیثاغورس کی ارثماطیقی ہے اس کے بعد نیقوماخس حکیم نے اس فن کے متعلق کتابیں لکھیں، مسلمانوں نے یونانی تصانیف سے واقفیت حاصل کی اور ان کا عربی میں ترجمہ بھی کیا۔

کچھ مورخین کا خیال ہے کہ علم حساب مسلمانوں نے ہندوؤں سے حاصل کیا۔

علم جغرافیہ :- اس فن کا بانی ایراسٹیشن ہے جو یونانی تھا اس کے بعد ابرخس نے اس علم میں بہت کچھ اضافہ کیا ابرخس کے بعد استرابون ہوا اس نے سیر و سیاحت کے بعد جغرافیہ پر ایک عمدہ کتاب لکھی۔ سب سے آخر میں بطلیموس ہوا اس نے ایک نہایت مفصل کتاب اس موضوع پر لکھی جغرافیہ کی کتابوں میں جن کا ترجمہ عربی میں ہوا وہ مارینوس اور بطلیموس کا جغرافیہ ہے۔

علم ادب :- وہ علم ہے جس کی رعایت کرنے سے آدمی اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے میں لفظی معنوی اور تحریری غلطیوں سے بچ سکے، حقیقت یہ ہے کہ ادبی علوم وفنون ہماری زندگی کا ماحصل ہیں اور ہمارے افکار وجذبات کا خلاصہ ہیں اور انسانی عقول وقلوب پر حکمرانی کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہیں، ادیب مؤدب ہوتا ہے اور لوگوں کو مؤدب ومہذب بناتا ہے، ادب کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کیوں کہ قرآن وحدیث کو اس کے اعجاز لفظی ومعنوی سے کامل طور پر متاثر ہوکر ان کے مضامین کو سمجھنے اور سمجھانے میں ای ادب پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

ادب کی تاریخ عہد اموی سے شروع ہوتی ہے پھر بعد کے ادوار میں ادب کا اطلاق نظم، نثر، انساب، اخبار، لغت، نحو، صرف اور تنقید پر ہونے لگا، ادب ترقی کرتا رہا اور بہت سے نامور ادباء پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ادب کی اصولی چار کتابیں ہیں۔ (۱) ادب الکاتب ابن قتیبہ (۲) الکامل للمبرد (۳) البیان والتبیین للجاحظ (۴) کتاب النوادر لابی علی القالی۔

دور عباسی میں بہت سی ادبی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں اس سلسلے میں ابن المقفع کا نام سرفہرست ہے اس نے فارسی سے عربی میں بہت سی نامی کتابوں کے ترجمے کیے مثلاً کلیلہ ودمنہ اور اخذ کرکے تالیف بھی کیں مثلاً الادب الکبیر والادب الصغیر

علوم وفنون کے تذکرے کے بعد ان مشہور حکمائے یونان کا تذکرہ مناسب ہے جنہوں نے مختلف علوم وفنون میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اور جن کی تالیفات عربی میں منتقل ہوئیں اور جنہوں نے علوم کی ترقی میں بیش بہا حصہ لیا ان میں چند حکماء کے حالات قدرے تفصیل سے بیان کیے جاتے ہیں۔

فیثاغورث :- (المتولد ۵۸۰ ق م) یہ فرقہ فیثاغورثیہ کا بانی مشہور یونانی فلسفی تھا، اس نے فلسفہ کو خوب ترقی دی، یہاں تک کہ فلسفہ کا یہ نام ای کے عہد میں ایجاد ہوا اس نے مصر جاکر اپنی تعلیم کی تکمیل کی اور پھر شہر ساموس میں درس وتدریس میں مشغول ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ وہاں کا بادشاہ ہر کام میں اس سے مشورہ کرتا تھا۔ تمام ملک یونان میں اس کی شہرت تھی مصر سے وہ انطاکیہ پہونچا اور وہاں تقریباً آٹھ سال مقیم رہا اس کے بعد جب وہ یونان پہونچا تو علم ہندسہ طبعیات

اور الٰہیات سے اس نے یونانیوں کو روشناس کرایا، اس نے فن موسیقی میں بہت سے اضافے کیے اور ترکیب نغمات کو ایجاد کیا، یہ روحانی دنیا کا قائل تھا اور کہتا تھا کہ اس دنیا کی خوش منظری کا ادراک کرنے سے عقل انسانی قاصر ہے، ہر نیک سرشت انسان اس عالم روحانی تک پہونچنے کے قابل ہو سکتا ہے۔[۱۶]

ان کتابوں کے تراجم عربی زبان میں ہو چکے ہیں، ابن الندیم نے اس کی ایک فہرست دی ہے اور ابن ابی اصیبعہ نے اس فہرست میں اضافہ کیا ہے ان دونوں مصنفین کے علاوہ دوسرے مؤرخین نے کچھ دیگر کتابوں کا پتہ دیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) رسالۃ فی السیاسۃ العقلیۃ
(۲) رسالۃ الی متمرد صقلیۃ
(۳) رسالۃ الی سیقانس فی استخراج المعانی
(۴) کتاب ارتماطیقی
(۵) کتاب الالواح
(۶) کتاب فی النوم والیقظۃ۔
(۷) کتاب فی ابدال الادویۃ المفردۃ والاشجار والصموغ والطین۔

آخری کتاب کا مترجم حنین بن اسحاق ہے اور ایک رسالہ ذہبیہ کا پتہ چلتا ہے، جس کو جالینوس بہت پسند کرتا تھا اور اس کو اپنے مطالعہ میں رکھتا تھا۔

افلاطون :۔ (۳۴۷ ق م) یہ فیثاغورث کا شاگرد تھا شریف النسب اور اہل علم کے خاندان سے تھا فلسفہ میں اسکو مہارت تامہ حاصل تھی، یہ فرقہ مشائیہ کے بانیوں میں سے تھا یہ لوگ گھوم پھر کر فلسفے کا درس دیتے تھے آخر عمر میں خلوت نشین ہو گیا تھا۔

یہ شخص سلیم الذوق واسع العقل اور حمیدہ اخلاق وصفات سے متصف تھا اس نے تین قدیم مذاہب کی پیروی کی تھی ہرقلیطس کی اتباع طبعیات میں اور فیثاغورث کی اتباع فلسفہ میں اور سقراط کی اتباع تہذیب واخلاق میں اس

---

[۱۶] ابن صاعد اندلسی، طبقات الامم، ص ۴۳، طبع اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء

نے عالم کو تین بنیادوں پر تسلیم کیا ہے۔

(۱) الٰہ (معبود) (۲) مادہ (۳) ادراک

جرجی زیدان لکھتے ہیں۔

"مذهبه مقتبس من ثلاثة مذاهب قديمة فانه تبع هرقليطس في الطبيعيات وفيثاغورس فيما وراء الطبيعة والنقليات وتبع سقراط في الفلسفة الادبية والاخلاق وقال بثلاثة اصول: الالٰه والمادة والادراك"[۱۷]

ترجمہ :- یعنی اس کا مذہب تین قدیم مذاہب کا چربہ ہے کیونکہ طبعیات میں اس نے ہرقلیطس کی اتباع کی اور الٰہیات میں اور منقولات میں فیثاغورث کی اور ادب و اخلاق میں سقراط کی اتباع کی یہ تین اصول عقائد کا قائل ہے یعنی معبود، مادہ اور ادراک۔

یہ شخص علوم وفنون طبعی کا ماہر تھا۔ یہ شاعری کی طرف بھی میلان رکھتا تھا لیکن سقراط کی تقریر سے متاثر ہو کر شاعری سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور فیثاغورث کے فلسفہ میں منہمک ہو گیا۔ اس نے اسّی سال کی عمر میں وفات پائی اس کی قبر کے ایک طرف رومی زبان میں ایک کتبہ درج تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ افلاطون کا جسم بے شک زمین میں مستور ہے لیکن اس کی روح ان بلندیوں پر پہنچ چکی ہے جہاں موت کی رسائی نہیں ہو سکتی۔[۱۸]

اس کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں سے اکثر کے تراجم عربی میں ہو چکے ہیں مؤلف تاریخ الحکماء نے ان کی تعداد پینتیس ۳۵ لکھی ہے۔

یہ تالیفات مختلف علوم وفنون سے تعلق رکھتی ہیں یہ فلسفہ و ادب، ہندسہ اور الٰہیات وغیرہ سے متعلق ہیں۔

ان میں سے چند مشہور کتب کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

---

[۱۷] جرجی زیدان تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ص ۲۷، طبع الہلال القاہرہ سنہ ۱۹۲۰ء

[۱۸] القفطی، تاریخ الحکماء (اردو ترجمہ) ص ۵۱ طبع دہلی سنہ ۱۹۴۵ء

(۱) کتاب السیاسة (۲) کتاب المناسبات (۳) کتاب نوامیس
(۴) کتاب طیماؤس (۵) کتاب التوحید (۶) کتاب الحس واللذہ
(۷) کتاب اصول الھندسة (۸) کتاب فی العقل والنفس والجوھر والعرض
(۹) کتاب تادیب الاحداث (۱۰) کتاب سوفسطس۔

مترجمین :- بہت سے مترجمین ان کی کتابوں کے تراجم پر مامور ہوئے جن میں سے شہرت کے مالک حسب ذیل ہیں۔ (۱) حنین بن اسحاق (۲) یحیٰی بن عدی (۳) ابن البطریق (۴) قسطا بن لوقا۔

ارسطو (ارسطاطالیس) (متوفی ۳۲۲ ق.م)

یہ مشہور یونانی فلسفی اور منطقی نیقوماخوس فیثاغوری کا بیٹا تھا۔

یہ مشہور افلاطون کا شاگرد تھا اور مدت دراز تک اس کی شاگردی میں رہا۔ ارسطو تمام تلامذہ میں افلاطون کے نزدیک محبوب تھا، کہتے ہیں کہ یہ مقدونیہ کے بستی استاجیر میں پیدا ہوا تھا۔ سال پیدائش (۳۸۴ ق.م) ہے یہ نہایت تیز فہیم اور ذکی تھا، بیس سال تک افلاطون کی خدمت میں رہا اور اس کے جملہ علوم میں مہارت تامہ پیدا کی۔

فلسفہ یونان کا خاتمہ اسی فلسفہ پر ہوتا ہے اور یہ معلم اول کے نام سے مشہور ہے یہ سکندر مقدونی کا وزیر تھا[19] اور اس کا معلم بھی تھا چنانچہ مؤلف قصص القرآن امام رازی کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں۔

ییسو

"وکان الاسکندر کافراً وکان مُعلِّمُہٗ ارسطالیس وکان یأمُرُ بامرہٖ وھُومِنَ الکفار بلاشک"[20]

ترجمہ :- یعنی سکندر مقدونی کافر تھا اور اس کا معلم و وزیر ارسطو تھا اور وہ بلاشبہ کافر تھا۔

---

[19] حفظ الرحمٰن سیوہاروی قصص القرآن حصہ سوم ص ۱۲۴ طبع دہلی ۱۹۸۲ء

[20] ″ ″ ایضاً

ارسطو نے سکندر کی تعلیم و تربیت کی یہ فرقہ مشائیہ کے بانیوں میں سے تھا اس نے علم منطق کو مدون کیا اس لیے معلم اول کے لقب سے مشہور ہوا۔ اور اس علم کو اس نے علوم نظری کا آلہ بنا دیا۔ [۲۱]

مسلمانوں نے ارسطو کے فلسفہ کے ساتھ بہت زیادہ اعتناء کیا اس نے تصنیف و تالیف کا منظم طریقہ قائم کیا اور اپنے مضامین کو بہت واضح طریقہ سے پیش کیا، افلاطون اس کے اس طرز طریق پر ناراض بھی ہوتا تھا، ارسطو کا فلسفہ بعض اصول میں اسلامی فلسفہ سے ملتا جلتا ہے اور بعض مؤلفین اس کو وحدانیت اور حشر و نشر کا قائل مانتے ہیں۔ [۲۲]

ارسطو نے تمام شعبوں پر کتابیں لکھیں اور فن منطق کو پیچیدگیوں سے آزاد کیا اور اس کو اشکال ثلاثہ (صغریٰ، کبریٰ، حد اوسط) کی صورت دی ارسطو کے بعد تصنیف و تالیف کا عام رواج ہو گیا، انہوں نے فلسفہ میں بہت سی تصنیفات چھوڑیں فلسفہ میں ان کی کتابیں تین طرح کی ہیں۔

(۱) علوم فلسفہ۔ طبیعیات، الٰہیات، ریاضیات
(۲) اعمال فلسفہ ــ اخلاقیات۔
(۳) آلات فلسفہ ــ منطقیات۔

یہ سب تصانیف تعلیمی تالیفات کہی جاتی ہیں کیوں کہ ان کے ذریعہ علوم کی تحصیل کی جاتی ہے ان کی کتابوں میں بیشتر ایسی کتابیں ہیں جن میں ملک فارس کا تذکرہ ہے کچھ کتابیں ہدایات و نصائح پر مشتمل ہیں ان کی مشہور کتابیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب المقولات (۲) تحلیل القیاس (۳) کتاب البرہان (۴) کتاب البحث والجدل (۵) کتاب المغالطات (۶) کتاب الشعر (۷) کتاب الکون والفساد (۸) کتاب الاخلاق (۹) کتاب الالٰہیات (۱۰) کتاب النفس۔

مترجمین:۔ ان کی بیشتر کتابوں کے تراجم عربی میں ہو چکے ہیں۔

---

[۲۱] ابن صاعد اندلسی، طبقات الامم ص ۲،۳ طبع اعظم گڈھ ۱۹۲۸ء

[۲۲] علامہ شبلی، رسائل شبلی ص ۲۰۰ طبع علی گڈھ ۱۸۹۸ء

مترجمین میں قابل تذکرہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) حنین بن اسحاق (۲) یحییٰ بن عدی (۳) ابوالبشر متیٰ (۴) ابن الناعمہ حمصی (۵) قسطا بن لوقا (۶) ابن البطریق (۷) حجاج بن مطر (۸) حبیش الاعسم وغیرہ

بقراط: (المتوفی ۳۵۷ ق.م) بقراط علم طب کا مشہور امام تھا اور سکندر اعظم (المتوفی ۳۲۳ ق.م) سے تقریباً پینتیس۳۵ سال پہلے گذرا ہے یہ فن طب کے بانیوں میں سے تھا اور اسقلبیوس دوم کی نسل سے تھا۔

بقراط بڑا خدا پرست اور زاہد انسان تھا اور دیہات میں گھوم پھر کر مریضوں کا علاج کرتا تھا اس نے ایران کے کئی بادشاہوں کا بھی علاج کیا۔ بعض ایرانی بادشاہوں کی طلب پر بھی ان کے ملک میں جانا گوارا نہیں کیا[۲۳] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقراط بہت معزز تھا اور اپنی عزت نفس کا بہت زیادہ خیال رکھنے والا تھا،

بقراط دنیا کے مشہور اطباء میں ساتویں نمبر پر ہے۔ اور جالینوس آٹھویں درجہ پر اس نے پچانوے سال کی عمر پائی اور تعلیم و تدریس میں انہتر۶۹ سال بسر کیے۔

مولف تاریخ الحکماء یحییٰ نحوی اسکندرانی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں "بقراط یگانۂ دہر، کامل، فاضل، تمام اشیاء سے واقف اور ایک فلسفی طبیب تھا اسی نے سب سے پہلے طب کو منتظم طریقے سے مدون کیا۔"

جرجی زیدان لکھتے ہیں۔

"واوّل من رتب الطب وبوّبه وبناه على اُسس صحيحة البقراط المتوفى سنة ۳۵۷ ق.م ولذلك سمّوه ابا الطب ولعلّه اطلع على طب البابليين والمصريين فاضافهما الى طب اليونان والف فيه الكتب واساس معالجته الاعتماد على الطبيعة: [۲۴]

ترجمہ:- یعنی سب سے پہلے طب کی ترتیب و تبویب بقراط نے کی اس لیے

---

[۲۳] القفطی، تاریخ الحکماء ص ۱۲۳، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

[۲۴] جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ج ۲، ص ۲۸ طبع الہلال القاہرہ ۱۹۳۰ء

اس کو ابوالطب کا لقب دیا گیا شاید اہل بابل و مصر کی طب سے وہ واقف تھا اس کو طب یونانی میں اضافہ کر کے شائع کیا اور کتابیں تالیف کیں اس کی طب کی بنیاد مزاج انسانی پر ہے۔

بقراط نے بہت سی کتابیں لکھیں جن کی مجموعی تعداد ۸۷ تک بیان کی جاتی ہے۔ لیکن تقریباً ۲۰ کتابیں ثابت شدہ ہیں ان میں سے بیشتر کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہو چکا ہے۔ [۲۵]

ان کی کچھ مشہور کتابیں جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) کتاب الفصول (۲) کتاب القروح (۳) کتاب الامراض الوافدۃ
(۴) کتاب الاخلاط (۵) کتاب الغذاء (۶) کتاب حفظ الصحۃ (۷) کتاب اوجاع
النساء (۸) کتاب طبیعۃ الانسان (۹) کتاب الفصد و الحجامۃ (۱۰) کتاب البثور
(۱۱) کتاب الاجنۃ (۱۲) کتاب المفاصل (۱۳) کتاب الصرع۔

مترجمین :- بہت سے نامور مترجمین اس نامور طبیب کی تالیفات کو عربی میں منتقل کرنے پر مامور ہوئے ان میں قابل ذکر حسب ذیل ہیں۔

(۱) حنین بن اسحاق (۲) یوحنا ابن البطریق (۳) حبیش الاعسم
(۴) عیسیٰ بن یحییٰ۔

جالینوس :- یونان کے ایک شہر فرغاموس میں ۵۹ء میں پیدا ہوا۔ یہ شہر قسطنطنیہ کے مشرق میں تھا یہ اطباء کا امام سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے فن طب کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مختلف شہروں کا سفر کیا اور بہت سے نئے مسائل کی کھوج کی۔ اس فن کو اس نے عروج پر پہنچایا۔ اس لئے یہ خاتم الاطباء کہا جاتا ہے۔ یہ اکثر اوقات روم کے شہروں میں مصروف علاج رہتا تھا۔ اور اسکندر افرودیسی سے بہت زیادہ میل جول رکھتا تھا اس کا استاد ارمینس رومی تھا قائدین فن طب میں اس کا آٹھواں درجہ ہے۔ [۲۶]

---

[۲۵] جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ج ۲، ص ۲۸، طبع الہلال القاہرہ ۱۹۲۰ء

[۲۶] ابن الندیم، الفہرست، ص ۶۶۲ طبع لاہور ۱۹۶۹ء

جالینوس بہت صابر و شاکر انسان تھا شدید تکلیفیں انتہائی صبر سے برداشت کرتا تھا، یہ شخص امراء و سلاطین کا بھی علاج کرتا تھا۔ زیادہ تر شہر روما میں مقیم رہتا تھا فن طب پر انہوں نے کچھ مباحث لکھے اور اغلوقین کے ساتھ اس نے بحث و مباحثہ بھی کیا اور اس سے استفادہ بھی کیا۔

جالینوس نے بہت سے علماء طبعیات کی آراء پر تنقید بھی کی ہے اور صحیح و واضح دلائل و براہین سے ان کی ضعیف آراء کی تردید کی ہے۔ [۲۷]

جالینوس نے بہت سی تالیفات چھوڑیں، انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے تالیفات کی ایک فہرست لکھی تھی ان کی اکثر کتابیں قدیم زمانے میں اسلامی درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں شامل تھیں تقریباً ستر کتابوں کا یا ان سے بیشتر کا تذکرہ کیا جاتا ہے، اکثر کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہو چکا ہے، مشہور کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) کتاب الفرق (۲) کتاب النبض (۳) کتاب الطبعیۃ (۴) العلل والامراض (۵) کتاب التشریح الکبیر (۶) حرکات الصدر والریۃ (۷) کتاب منافع الاعضاء (۸) کتاب الادویۃ المفردۃ (۹) کتاب الفصد (۱۰) کتاب تقدمۃ المعرفۃ (۱۱) ترکیب الادویۃ (۱۲) کتاب الترياق (۱۳) کتاب الادویۃ المقابلۃ للدواء (۱۴) کتاب البحران (۱۵) کتاب المزاج۔

مترجمین :- عہد عباسی کے نامور مترجمین ان کی کتابوں کے تراجم پر مامور ہوئے حنین نے اپنی پوری زندگی جالینوس کی کتابوں کے ترجمہ میں صرف کر دی اس کے علاوہ مشہور مترجمین حسب ذیل ہیں۔

(۱) حبیش (۲) اصطفن (۳) عیسی بن یحیی (۴) ثابت بن قرہ (۵) اسحاق بن حنین (۶) ابراہیم بن الصلت (۷) یحیی بن البطریق (۸) قسطا بن لوقا وغیرہ۔

دیسقوریدس العین زربی :- اس کو سیاح بلاد کہا جاتا ہے اس نے ادویہ مفردہ کے بارے میں بہت زبردست تحقیق کی، اس نے

---

[۲۷] ابن صاعد اندلسی، طبقات الامم، ص ۴۴ مطبع اعظم گڈھ ۱۹۲۸ء

ہر قسم کی بوٹیوں پر اپنے ذاتی تجربہ کے بنا پر ایک مفصل کتاب لکھی یہ جنگلوں، جزیروں اور دریاؤں سے ادویۂ مفردہ کے علم کی تحصیل کے لیے مختلف ملکوں گھومتا پھرتا تھا اور جو نئی دوا ہاتھ آتی تھیں اس کی تاثیر قلمبند کرتا تھا۔ اس کی تصویریں بھی کھینچتا تھا۔

کتاب الحشائش اس کی مشہور کتاب ہے۔

اس کا ترجمہ حنین نے کیا۔ حنین کے علاوہ اصطفن بن باسیل ان کے مترجم ہیں۔

ثاؤفرسطس:۔ ثاؤفرسطس (متوفی ۳۱۰ ق.م) ارسطو کا خاص شاگرد تھا اور ارسطو نے اپنی وفات کے بعد دار التعلیم میں اس کو اپنا جانشین ۔۔۔ مقرر کیا تھا، یونان کے بڑے بڑے حکماء اس کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ وہ قائل تھا کہ خدا کی ذات وصفات میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہو سکتا۔ کچھ مورخین کا بیان ہے کہ یہ ارسطو کا بھانجہ تھا، فلسفہ میں اس کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے چند کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہو چکا ہے۔

تصانیف:۔ اس کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) کتاب النفس
(۲) کتاب الآثار العلویہ
(۳) کتاب الادب
(۴) کتاب الحس والمحسوس
(۵) کتاب مابعد الطبیعیہ
(۶) کتاب اسباب النبات

مترجمین:۔ ابراہیم بن بکوس اور ابوزکریا یحییٰ بن عدی اس کی کتابوں کے مشہور مترجم ہیں۔

اسکندر افرودیسی:۔ اسکندر افرودیسی ۱۲۹ء میں دمشق میں پیدا ہوا یہ جالینوس کے ہمعصر اطباء میں سے تھا اس نے جالینوس کو راس البغل (خچر کا سر) لقب دے رکھا تھا۔ یہ ارسطو کی کتاب کا بہت بڑا شارح

تھا اس نے ارسطو کی کتابوں پر نہایت کثیر تعداد میں شرحیں لکھی ہیں، وہ ارسطو کے فلسفہ کا ایک بڑا رکن خیال کیا جاتا ہے۔ اس نے بعض اصول خود بھی ایجاد کیے چنانچہ خدا کے عالم کلیات و جزئیات ہونے پر اول اسی نے دلیل قائم کی اس کی شرحیں اور مستقل تصنیفات دونوں عربی میں ترجمہ کی گئی ہیں۔

اسکندر افرودیسی کی وہ تصنیفات جو عربی میں ترجمہ کی گئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

کتاب النفس، کتاب الرد علی جالینوس فی التمکن، کتاب الابصار، کتاب اصول العامۃ، کتاب عکس المقدمات، کتاب العضل، کتاب اللون، کتاب المالیخولیا۔

مترجمین :- اس کے کسی مترجم کے نام کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

بطلیموس القلوذی :- یہ دوسری صدی عیسوی میں تھا، سنہ پیدائش کے بارے میں ٹھیک سے پتہ نہیں چلتا یہ ماہر جغرافیہ داں تھا اس نے تمام دنیا میں اپنی طرف سے سیاح بھیجے جنھوں نے نہایت جد وجہد سے مختلف ممالک کے عرض طول وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کیا اور پھر ان معلومات کی بنا پر اس نے ایک نہایت مفصل جغرافیہ لکھا اور یہ آٹھ بابوں پر مشتمل ہے اس کی کتاب کا ترجمہ سریانی اور عربی دونوں زبانوں میں ہو چکا ہے۔ یہ علم ریاضی کا بہت بڑا ماہر تھا اس کی شہرت کا سب سے بڑا سبب اس کی کتاب المجسطی ہے۔

تصانیف (۱) کتاب المجسطی (۲) کتاب المو الید (۳) کتاب الحرب والقتال (۴) کتاب القرعۃ (۵) کتاب استخراج السہام (۶) کتاب ذات الذوائب (۷) کتاب الاربعہ۔

مترجمین :- اس کی تصانیف کے اہم مترجمین میں ثابت بن قرہ اور ابن الصامت کافی مشہور رہیں۔

فرفوریوس :- (ء) :- ۲۳۳ء میں پیدا ہوا یہ سکندر کے بعد اور امونیوس سے پہلے ہوا یہ شہر صور کا باشندہ تھا اس کا زمانہ جالینوس کے بعد کا ہے اس نے فن بلاغت اہل ایتھنز میں حاصل کیا

یہ عیسائی مذہب کا سخت مخالف تھا اور اس نے عیسائیت کی رد میں بہت سی کتابیں بھی لکھیں اس نے تصنیفات ارسطو کی شروح لکھیں، اس نے حکمائ کے حالات میں ایک نہایت مفصل اور عمدہ کتاب لکھی جس کا بعد میں عربی میں ترجمہ کیا گیا۔[۲۸]

فرفوریوس کی چند مشہور کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

تصنیفات! (۱) کتاب العقل والمعقول (۲) کتاب الاسطقسات (۳) کتاب اخبار الفلاسفۃ (۴) کتاب ایساغوجی فی المدخل الی الکتب المنطقیہ (۵) کتاب المدخل الی القیاسات العلمیہ۔

مترجمین:۔ اسحاق بن حنین، بسیل مطران، ابو عثمان دمشقی وغیرہ ہیں۔

اقلیدس:۔ اقلیدس علم ہندسہ کا امام سمجھا جاتا ہے۔[۲۹] یہ مشہور فاضل و دانا شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۲۷۲ سال پہلے گذرا ہے اگرچہ یہ یونان کا باشندہ نہ تھا لیکن چونکہ تعلیم یونان میں حاصل کی تھی اور اس کی تمام تصنیفات یونانی زبان میں تھیں اس لیے وہ یونانی کہلاتا تھا، اس کی علم ہندسہ پر مشہور کتاب ہے جو اسی کے نام سے منسوب ہے اور یہ کتاب ہندسہ کے اصول پر اتنی جامع و مکمل کتاب ہے کہ آج بھی بطور سند استعمال ہوتی ہے۔ اس کا دوسرا نام کتاب الاصول اور کتاب الارکان ہے بسط و شرح مسائل کے لحاظ سے یہ کتاب طلبہ کے لیے نہایت موزوں ہے اور اس کتاب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہی سب سے پہلی کتاب ہے جو سب سے پہلے ترجمہ ہو کر ابو جعفر منصور کے زمانے میں آئی، یہ کتاب پندرہ مقالوں پر مشتمل ہے، چار میں سطح سے بحث ہے۔ ایک میں مقادیر متناسبہ کا بیان ہے ایک میں سطحوں کی آپسی نسبت کا ذکر ہے تین میں عدد کا بیان ہے ایک میں جذر و مجذورات کی شرح ہے اور

---

[۲۸] علامہ شبلی، رسائل ص ۲۰۹ طبع علی گڈھ ۱۸۹۸ء

[۲۹] القفطی، تاریخ الحکمائ ص ۱۲، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

پانچ میں مجسمات کی، [۳۰]

یونانی زبان میں اقلی کے معنی کنجی ہیں اور دس کے معنی حساب کے ہیں اس طرح اقلیدس کے معنی حساب کی کنجی ہے چوں کہ یہ شخص علم ہندسہ کا بڑا شائق تھا اس لیے اس کا نام اقلیدس ہو گیا اس کی بہت سی تصانیف پائی جاتی ہیں جن میں کچھ کا ترجمہ عربی میں بھی ہو چکا ہے۔

تصانیف! (۱) اصول الہندسہ (۲) کتاب المعطیات (۳) کتاب الفوائد (۴) کتاب القانون (۵) کتاب النغم (۶) کتاب الظاہرات (۷) کتاب الترکیب المنحول (۸) کتاب الموسیقی (۹) کتاب التحلیل المنحول (کتاب الثقل والخفۃ۔

مترجمین:۔ اس کی کتابوں کے مشہور مترجمین! حجاج بن مطر اور اسحاق بن حنین ہیں۔ اور ثابت بن قرہ نے ان کے تراجم کی اصلاح کی۔

ارشمیدس! (المتولد ۲۱۳ ق م) یہ علم ریاضی کا بہت بڑا فاضل تھا یہ وہ نامور شخص ہے جس نے علم ہندسہ کو فن کمال تک پہنچایا۔ سب سے پہلے ای نے ہندسہ کو عملی طور پر برتا اور بہت سے مفید آلات ایجاد کیے' اس نے دائرہ، کُرہ، خطوط متوازیہ، اشکال مثلثہ اور زاویہ پر کئی کتابیں لکھیں' اس کی مشہور تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

تصنیفات (۱) کتاب الکرہ والاسطوانہ (۲) کتاب تربیع الدائرہ (۴) کتاب تسبیع الدائرہ (۵) کتاب المفروضات (۶) کتاب الخطوط المتوازیہ (۷) کتاب الماخوذات فی اصول الہندسہ۔

مترجمین:۔ اس کی کتابوں کے مترجمین کا پتہ نہیں چلتا۔

ثامسطیوس!۔ اس کا شمار بہت بڑے بڑے فلاسفہ میں کیا جاتا ہے۔ یہ رومی بادشاہ لیولیانس کا منشی اور کاتب تھا، یہ جالینوس کے بعد نصرانیت ترک کر کے فلاسفہ کے مذہب میں شامل ہو گیا تھا، اس نے ارسطو کی

---

[۳۰] مولانا محمد حنیف گنگوہی، قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون، ص ۱۵۱ طبع دیوبند ۱۹۷۷ء

تصنیفات کی شرحیں لکھی ہیں، اس کی چند تصانیف کے نام مندرجہ ذیل ہیں جن میں سے کچھ کا ترجمہ عربی زبان میں ہو چکا ہے۔

تصنیفات: کتاب الی لیولیانس فی التدبیر (۲) رسالہ الی لیولیانس الملک (۳) تفسیر کتاب طوبیقا (۴) شرح کتاب قاطیغوریاس (۵) تفسیر سماع طبیعی (۶) تفسیر کتاب النفس (۷) تفسیر کتاب الحروف (۸) تفسیر کتاب السماء والعالم (۹) کتاب تفسیر الکون والفساد (۱۰) شرح انالوطیقا۔

ارسطرخس

تصنیف: کتاب جرمی الشمس والقمر۔
مترجم: قسطا بن لوقا۔

ابلیون البطریق

تصنیف: کتاب العمل بالاسطرلاب المسطح۔

بلبس الرومی

تصنیفات: (۱) کتاب فی الشرح تسطیح الکرہ۔
" (۲) کتاب تفسیر المقالۃ العاشرہ من اقلیدس۔
مترجم: ثابت بن قرہ۔

ابرخس

تصنیفات: (۱) کتاب صناعۃ الجبر۔
(۲) کتاب قسمۃ الاعداد

ایرن

تصنیفات: (۱) کتاب حل شکوک الاقلیدس۔ (۲) کتاب العمل بالاسطرلاب

(۳) کتاب الحیل الروحانیہ ۔

ثاؤن الاسکندرانی

تصنیفات : (۱) کتاب العمل بذات الحلق ۔

" (۲) کتاب العمل بالاسطرلاب

" (۳) کتاب المدخل الی المجسطی

فالیس الرومی

ان کی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں ۔

تصنیفات : (۱) کتاب المدخل الی صناعۃ النجوم

(۲) کتاب المو الید (۳) کتاب المسائل ۔

(۴) کتاب المسائل الکبیر (۵) کتاب الاسطار

(۶) کتاب الملوک ۔

سنبلیقوس

تصنیفات : (۱) شرح کتاب المدخل الی الھندسہ

(۲) شرح کتاب قاطیغوریاس

منالاؤس

تصنیفات : (۱) کتاب الاشکال الکرویۃ

(۲) کتاب اصول الھندسۃ

(۳) کتاب المثلثات

مترجم ثابت بن قرۃ ۔

اوطولوقس

تصنیفات : (۱) کتاب الکرۃ المتحرکۃ (۲) کتاب الطلوع والغروب ۔

ہرمس

تصنیفات: (۱) کتاب عرض مفتاح النجوم
(۲) کتاب طول مفتاح النجوم
(۳) کتاب تیسیر الکواکب

ابسقلاؤس

تصنیفات: (۱) کتاب الاجرام والابعاد
(۲) کتاب المطالع
مترجم: قسطا بن لوقا۔

ابلوتیوس

تصنیفات: (۱) کتاب المخروطات (۲) کتاب قطع الخطوط۔
(۳) کتاب قطع السطوح (۴) کتاب الدوائر المماسة

اثافرودیطوس

تصنیف: کتاب تفسیر کلام ارسطاطالیس فی الهالہ وقوس القزح۔
مترجم: ثابت بن قرۃ

ارسطن

تصنیف: کتاب النفس۔

نیقولاؤس

تصنیفات: (۱) کتاب الرد علی جاعل الفعل۔
(۲) کتاب اختصار فلسفۃ ارسطاطالیس۔

ارکاجینس

تصنیفات (۱) کتاب الادواء المزمنۃ (۲) اوجاع الکلی،
(۳) کتاب الکناش (۴) کتاب استقام الارحام (۵) کتاب فی النقرس

روفس الافسی

تصنیفات (۱) کتاب تدبیر النساء (۲) کتاب تدبیر الاطفال،
(۳) کتاب اوجاع المفاصل (۴) کتاب الشراب،
(۵) کتاب الاطعمۃ (۶) کتاب البحران،
(۷) کتاب فی ذات الجنب (۸) کتاب الباہ۔
مترجم: قسطا بن لوقا۔

تیسرا باب

مسلمانوں میں یونانی علوم کی اشاعت

اسلام سے پہلے بہت سے اطراف و اکناف میں علمی مراکز قائم تھے۔ یہ مراکز یونانی علوم کی اشاعت کے سلسلے میں بہت اہمیت کے حامل ہیں، سکندر اعظم نے اپنی فتوحات کو وسیع کرنے کے بعد مختلف ممالک میں سیاسی مصالح کی بنا پر معاشرتی تمدنی اور علمی حیثیت سے یونان اور مفتوحہ ممالک میں تعلق پیدا کرنا چاہا۔ اس لیے بہت سے علماء و فضلاء ان مفتوحہ علاقوں میں آباد ہو گئے۔ ان علماء نے یونانی علم ادب کی اشاعت میں حتی المقدور کوشش کی۔ اس طرح مشرقی ممالک میں یونانی تمدن اور یونانی علوم پھیلتے چلے گئے اور ممالک کے مختلف شہروں میں علوم و فنون کے مراکز قائم کیے گئے۔ لیکن تاریخی طور پر اس سلسلے میں تین شہروں کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

(۱) اسکندریہ (۲) جندیسا پور (۳) حرّان۔

(۱) **اسکندریہ** :- اسکندریہ مصر کا مشہور شہر اور بندرگاہ ہے۔ یہ یونانیوں کا دارالسلطنت تھا، مصر، برِاعظم افریقہ کے شمال مشرقی حصہ میں واقع ہے اس کی شکل مربع نما ہے اور دریائے نیل کے دہانے پر آباد ہے، شمال میں بحرِروم مشرق میں فلسطین خلیج عقبہ اور بحرِاحمر ہیں، جنوب میں سوڈان کا ملک اور مغرب میں صحرائے لیبیا ہے۔ یہ برِاعظم افریقہ کے تقریباً ۱/۳۰ رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ [1]

---

[1] مولانا محی الدین الوائی، عربی دنیا ص ۳۱، طبع دہلی ۱۹۶۱ء

یونانی فلسفہ وعلوم کی اشاعت میں اسکندریہ کا اہم رول رہا ہے اس دارالسلطنت میں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم تھا جہاں علوم عقلیہ و ادبیہ کی تعلیم دی جاتی تھی، جدید افلاطونیت کی بنیاد یہیں قائم ہوئی اور جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، اس مذہب کا بانی حکیم افلوطین (المتوفی سنہ ۲۶۹ م.ق) تھا۔ مؤرخین نے اس کے دو ادوار قائم کیے ہیں۔

دور اول :- (۳۰۶ قبل مسیح سے ۳۰ ق.م تک) یعنی بطالسہ[2] کے آغاز سے رومیوں کے غلبہ تک، اس دور میں اسکندریہ باعتبار علم و ادب تمام شہروں میں ممتاز رہا۔[3]

دورِ دوم :- (۳۰ ق.م سے ۶۴۲ء یعنی فتح اسلامی تک)، اس دور میں اسکندریہ فلسفہ کے علاوہ ادب اور علوم وفنون میں بھی ممتاز تھا۔ اور اسی دور میں اس کی سب سے مشہور لائبریری قائم تھی، رومیوں کے دور میں مسیحیت اور فلسفہ یونانی اپنے عروج پر تھے۔ نصاریٰ مختلف گروہوں میں منقسم تھے اور حضرت مسیح کے مسئلہ میں مناظرہ کا بازار گرم تھا۔

احمد امین لکھتے ہیں۔

"انتشرت الديانة النصرانية في الاسكندرية في العهد الروماني كما انتشرت في غيرها وقامت النصرانية فيها بجانب الفلسفة اليونانية واختلف النصارى فيما بينهم طوائف وشيعًا و تجادلوا في طبيعة المسيح وناسوته ولاهوته وعلاقة المسيح بالله"۔[4]

---

[2] سکندر کے بعد یونان کا ایک خاندان بطالسہ واحد بطلیوس کے نام سے برسرِ حکومت ہوگیا بالآخر رومیوں نے ان پر غلبہ پاکر ان کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اور رومی سلطنت قائم کی۔

[3] عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، ص ۴۵، طبع اعظم گڑھ سنہ ۱۹۵۳ء

[4] ...... احمد امین، ضحی الاسلام، الجزء الاول، ص ۲۷۳، طبع القاہرہ سنہ ۱۹۳۸ء

ترجمہ :— رومن عہد میں دوسری نصرانی آبادی کی طرح اسکندریہ میں بھی نصرانیت کی اشاعت ہوئی یونانی فلسفہ کی وجہ سے نصرانیت کی ترویج ممکن ہو سکتی تھی، دوسری طرف نصاریٰ گروہ بندی اور انتشار کے شکار ہو چکے تھے، حضرت مسیح کی طبیعت، انسانیت، الٰہی فطرت اور خدا کے ساتھ ان کے تعلق کے بارے میں وہ مناظرہ کرتے تھے۔

چونکہ مسیحی مذہب کا تعلق یونانی فلسفہ سے ہو گیا تھا اس لیے مسیحی مذہب میں جدید افلاطونیت کے عناصر خلط ملط ہو گئے تھے۔

مسلمانوں نے دور اموی میں اسکندریہ کے اسکول سے تعلق قائم کیا اور خالد بن یزید کے لیے اصطفن نے کچھ کتابوں کے تراجم کیے۔ قفطی اسی کو اصطفن اسکندرانی کہتے ہیں۔ ابن ابجر طبیب کا تعلق بھی اسی شہر سے تھا، حضرت عمرؓ طب میں اس پر اعتماد کرتے تھے۔ ۵؎

دور عباسی میں بھی اس مدرسہ سے متعلق کچھ نصرانی طبیبوں کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً ابن ابی اصیبعہ نے بلیطیان مصری کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے لیکن اس مدرسہ کا تعلق عباسی حکومت سے اتنا نہیں تھا، جس قدر جندیسا پور اور حرّان کا تھا، تاہم اسکندریہ کے اسکول نے طب، کیمیا اور علوم طبیعیہ میں بہت شہرت حاصل کی، ان کے علاوہ علم و ادب کی دوسری شاخوں کی بھی اسکندریہ میں نشو و نما ہوئی۔

اسکندریہ کے مشہور کتب خانے نے فلسفہ کی اشاعت اور ترقی میں خاص طور پر مدد دی جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ بطلیموس سوم اور چہارم کے عہد حکومت میں کلیماکیس نے اس کتب خانہ کی ازسرِ نو تنظیم کی اور تمام کتابوں کی مکمل فہرست تیار کی اور تمام علوم و فنون کی کتابوں کو مرتب کر کے لائبریری میں جگہ دی۔ ۶؎

اسکندریہ کے ایک اسکول میں عیسائی متکلمین کا ایک مستقل گروہ پیدا

۵؎ احمد امین، ضحی الاسلام، الجزء الاول، ص ۲۷۶، طبع القاہرہ ۱۹۳۸ء

۶؎ ڈیوس ایچ اے، مختصر تاریخ عالم (انگریزی) ص ۸۵۱ طبع لندن ۱۹۶۹ء

ہو گیا تھا۔ جو عیسائیت اور فلسفہ میں تطبیق دیتا تھا۔ مثلاً جبرئیل بن بختیشوع نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں انبیاء اور فلاسفہ کے اقوال میں تطبیق دی تھی، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اس کتاب کی بہت تعریف کی ہے۔[۵۸] عموماً مصر اور اسکندریہ کے کلیسا یعقوبی مذہب کے پابند تھے اور ان کی زبان سریانی اور قبطی تھی، تمام فلسفیانہ مذاہب میں علوم نجوم کی آمیزش پائی جاتی تھی اور یعقوبی عیسائی جدید افلاطونیت، تصوف اور راہبانہ زندگی کی طرف مائل تھے اس کے برخلاف عراق کے عیسائی منطق اور فلسفیانہ خیالات کی طرف میلان رکھتے تھے۔ اور روحانیت و رہبانیت کی طرف زیادہ مائل نہ تھے۔

اسکندریہ میں طب کی شہرت اتنی زیادہ تھی کہ وہاں کے اطباء معزز سمجھے جاتے تھے اور شاہی درباروں میں ان کو طلب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ ہارون رشید نے اپنی کنیز کے علاج کے لیے مصری طبیب کو مصر سے طلب کیا تھا۔[۵۹]

یہ اسکول زیادہ تر روحانیت اور رہبانیت کی طرف مائل تھا، اسی لیے عباسی خلفاء کی نظر میں زیادہ پسندیدہ نہیں تھا اور حران اور جندیساپور سے ان کا تعلق زیادہ تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دارالسلام بغداد سے یہ دونوں مراکز یعنی حران اور جندیساپور قریبی علاقوں میں قائم تھے۔ جبکہ مصری مرکز بہت ہی دور دراز علاقے میں قائم تھا۔ اس کے علاوہ ایک سبب یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اسکندریہ کا مدرسہ اسلام سے قبل کچھ کمزور پڑ گیا تھا کیوں کہ وہاں کے اکثر باشندے نصرانیت کو قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

بہرحال عراق کے نسطوریوں اور مصر کے یعقوبیوں نے یونانی علوم و فنون کو سریانی زبان میں منتقل کیا اور پھر ان ہی لوگوں نے اسلامی دور میں سریانی سے اس کو عربی میں منتقل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان مترجمین نے اکتشافات اور ایجادات کے سلسلے

---

[۵۸] عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، حصہ اول، ص ۶۸، طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

[۵۹] ۔ احمد امین، ضحی الاسلام، الجزء الاول ص ۲۷۶ ۔ طبع القاہرہ ۱۹۳۹ء

میں کوئی زیادہ کارہائے نمایاں انجام نہیں دیئے اور نہ جدید نظریات سے اپنی کتابوں کو مدلل کیا بلکہ صرف ترجمہ ہی پر اکتفا کیا دوسری بات جو اس سلسلے میں کہی جاتی ہے کہ ان تراجم میں صحت کا بہت کم خیال کیا گیا تھا اور اسی وجہ سے عربوں کو جدید تراجم کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ انہوں نے اپنے دور میں ترجمے بھی کیے اور جدید نظریات سے اس کو مدلل بھی کیا۔

جندیسابور:- یہ ایران کا ایک تاریخی شہر تھا جس کی بنیاد ایرانی بادشاہ ساپور نے ڈالی تھی اور اس میں رومی قیدیوں کو آباد کیا تھا، ایران ایشیاء کا مشہور اور زرخیز ملک ہے جس کو دورِ قدیم میں فارس کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس کی سرحد عراق سے ملتی ہے یہ ساسانی دور (۲۲۶-۶۵۲ء) میں علوم و فنون کا بہت بڑا مرکز تھا، ساپور اول کے بعد نوشیرواں (۵۳۱ - ۵۷۹ء) نے اس مقام پر طب کا مشہور مدرسہ قائم کیا۔ طب کے علاوہ دیگر علوم و فنون کی بھی تعلیم دی جاتی تھی، اس طرح یہ آج کل کی یونیورسٹی کے قائم مقام تھا۔ جیسا کہ مؤرخین کا بیان ہے کہ آرامی زبان شام کے بعض علاقوں کی زبان تھی اور یہ زبان عربی کی ایک شاخ تسلیم کی جاتی تھی، اس مدرسہ میں آرامی زبان ہی ذریعہ تعلیم تھی، عموماً یہ زبان یونانی علوم و فنون کی ترویج کے لیے استعمال کی جاتی تھی اور ایران کی قومی زبان پہلوی.. (قدیم فارسی) بھی مستعمل تھی لیکن یہ زبان زیادہ تر ہندی علوم کی اشاعت کے لیے مستعمل تھی، اس مدرسہ میں بہت سے ہندوستانی علماء و فضلاء تعلیم دینے پر مامور تھے۔ ۹؎

مؤرخین کا بیان ہے کہ ساپور کا تعلق قیصرِ روم کے ساتھ اس کی لڑکی کے ذریعہ رشتہ داری میں بدل گیا۔ کیوں کہ ساپور نے اس شہزادی کے ساتھ نکاح کر لیا تھا اسی اہم تاریخی واقعہ کی بنا پر اس شہر کی بنیاد پڑی۔ کیونکہ ساپور نے اسی شہر میں اس کو بسایا اور اس کے ساتھ ہی یہ شہر رومی باشندوں کا مرکز بھی بن گیا تھا کیوں کہ بہت سے رومی قیدی اس شہر میں آباد ہو گئے تھے۔ تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد بہت سے علماء و فضلاء بھی اس شہر میں منتقل ہو گئے تھے جن میں اطباء کی بھی ایک بڑی تعداد تھی ان اطباء نے وہاں

۹؎ مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام ص ۷، مطبع اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

طب کی ترویج کی بڑی کوششیں کیں۔ عموماً یہ لوگ ہندوستانی طریقۂ علاج کے مماثل طریقہ کو اپنایا کرتے تھے، اسی وجہ سے طب میں ہندوستان اور یونان سے بھی آگے بڑھ گئے۔ کیوں کہ ان اطباء نے ایرانی طب یعنی طب بابلی اور مصری میں جدید اضافے بھی کیے اور نمایاں خصوصیات کے ساتھ اپنے اکتشافات کے ذریعہ اس فن کو عروج تک پہنچایا۔ شاہ ایران عموماً علمی مسائل میں علماء سے بحث و مباحثہ اور مناظرہ کرایا کرتا تھا۔ یہ شہر عرصۂ دراز تک قائم رہا اور عصرِ حاضر میں اسی مقام پر ایران کا مشہور شہر شاہ آباد واقع ہے۔

اسی شہر جندیساپور کو نوشیرواں نے رومی شہر قسطنطنیہ کے طرزِ عمل پر تعمیر کیا تھا جیسا اوپر بیان ہوا۔ طبی مدرسہ کا قیام بھی اسی بادشاہ کے ہاتھوں ہوا۔ یہاں پر نظری اور عملی دونوں قسم کی طبی تعلیم دی جاتی تھی، علماءِ ہنود روم و یونان اس طبی مدرسہ میں طب نظری کی اشاعت میں مشغول تھے اس مدرسہ کے ساتھ عملی طب کی اشاعت کے لیے ایک اسپتال "بیمارستان" کے نام سے قائم کیا تھا۔ جہاں پر رومی قیدیوں کے ساتھ ساتھ عام مریضوں کا بھی علاج ہوتا تھا۔ احمد امین نے اخبار الحکماء کے حوالہ سے لکھا ہے۔

"ان اوّل علّمَ الطبَّ بها اطباء من الرومِ ولما اقاموا بها مدۃً وتعلّمن احداثاً من اهلها، و یرتبون قوانین العلاج علی مقتضی امزجۃ بلدانهم حتی برزوا فی الفضائل"[1]

ترجمہ:۔۔۔ رومی اطباء نے سب سے پہلے اس شہر میں طب کی تعلیم شروع کی اور اقامت گزیں ہونے کے بعد وہاں کے نوعمر لوگوں کو تعلیم دینے لگے، وہ لوگ اپنے علاقے کے مزاج کے مطابق قوانین علاج مرتب کرتے تھے، یہاں تک کہ علم و فضل میں وہ بہت آگے بڑھ گئے۔

جندیساپور نے علوم و فنون کی خدمت عرصۂ دراز تک کی اور اس کی شہرت عہدِ اسلام تک باقی تھی دورِ عباسی میں اس مدرسہ سے مسلمانوں کا تعلق بہت گہرا تھا اس مدرسہ کا رئیس الاطباء جورجیس بختیشوع تھا۔

---

[1] احمد امین ضحی الاسلام ص ۲۶۸، طبع القاہرہ ۱۹۳۹ء

یہ بہت نامور طبیب تھا یہاں تک کہ عباسی خلفاء اس کی طبابت پر اعتماد رکھتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ابو جعفر منصور نے سب سے پہلے اس طبی مدرسہ سے تعلق قائم کیا کیونکہ بغداد کی تعمیر کے وقت وہ ایک شدید مرض میں مبتلا ہو گیا تھا، لوگوں نے اس کو جندیساپور کے اطباء سے معالجہ کا مشورہ دیا اور جورجیس بن بختیشوع اس کے علاج کے لیے مامور ہوا، ہارون الرشید نے اپنے دور میں بختیشوع کے بیٹے جبرئیل کو جندیساپور کے بیمارستان کے طرز پر بغداد میں ایک بیمارستان قائم کرنے کا حکم دیا، مامون نے بھی اپنے دور میں یہاں کے اطباء سے اپنا تعلق قائم کیا۔ چنانچہ جبرئیل مامون کا درباری طبیب تھا۔ بغداد کے بیمارستان کا انتظام و انصرام اسی جندیساپور کے اطباء کے ہاتھوں میں تھا۔ اس طرح جندیساپور کا مدرسہ مرکزی حیثیت کا حامل ہو گیا تھا۔ اور بغداد کا بیمارستان اسی مدرسہ کی ایک شاخ کی طرح کام کرتا تھا۔

جندیساپور کی اہمیت تاریخی طور پر مسلم رہی ہے اور خلفاء بغداد اس سے برابر مستفید ہوتے رہے، یہاں کے اطباء میں سے ایک طبیب بختیشوع بھی تھا، تاریخ الحکماء میں محمد بن اسحاق (ابن الندیم) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بختیشوع خلفائے بغداد کے درباریوں میں سے تھا، رشید، امین، مامون، معتصم، واثق اور متوکل کا زمانہ دیکھا فن طب میں یگانہ روزگار تھا[11]

مہدی کے زمانہ میں شہزادہ ہادی کے علاج کے لیے جندیساپور سے طلب کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس وقت ابو قریش نام کا ایک شاہی طبیب دربار میں موجود تھا یہ طبیب خلیفہ مہدی کا طبیب خاص تھا لیکن بایں ہمہ خلیفہ نے جندیساپور سے طبیب کو طلب کیا تھا۔ . . . اس سے جندیساپور کی اہمیت بخوبی ثابت ہوتی ہے۔

حرّان :- یہ شہر بھی علوم و فنون کا مرکز رہا ہے۔ شمالی عراق کا مشہور شہر

---

[11] القفطی، تاریخ الحکماء، ص ۱۵۵، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

تھا[۱۲]۔ یہ بہت قدیم شہر ہے جو الرہا شہر کے پاس واقع ہے اس شہر نے کئی ادوار دیکھے اس کی شہرت دور یونانی رومی اور عہد اسلام میں بھی باقی رہی۔ سکندر اعظم کے زمانے میں بہت سے مقدونی باشندے یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ حرانیوں پر یونانی دیومالا) کا بہت اثر پڑا اور حران کے باشندوں نے یونانی دیوتاؤں کا نام اختیار کر لیا، اسی شہر میں عراق کے اصلی باشندوں کی بھی کثرت تھی اور یہ لوگ سریانی تھے اور ان کی زبان اسی نام سے مشہور تھی۔ اور ان کے علاوہ اس شہر میں یونان کے باشندے بھی بکثرت آباد تھے اسی طرح عربوں کی بھی ایک بڑی تعداد اس میں آباد تھی، رومیوں نے اپنے دور حکومت میں نصرانی مذہب کو شدت سے پھیلانے کی کوشش کی اور حران کے باشندوں کو بھی اپنے زیر اثر لانے کے لیے جبر سے کام لیا، لیکن وہاں کے باشندے اپنے عقیدے میں بہت پختہ تھے، اور بآسانی نصرانیت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے، یہ شہر بت پرستوں کا مرکز تھا۔

اور جو مسیحی مذہب سے ہمکنار نہیں ہونا چاہتے تھے وہ بھاگ کر اس شہر میں پناہ لیتے تھے ان لوگوں نے اس وقت سے اپنے فرقہ کا نام صائبہ یعنی کواکب پرست قرار دے دیا۔

احمد امین لکھتے ہیں۔

"وكانَ رجالُ الكنيسة يُطلقونَ على حرانَ مدينةَ الوثنيين. وَيَظْهَرُ أنَّ دينهم كان مزيجًا من الديانة البابلية واليونانية القديمة والافلاطونية الحديثة حتى كانَ شأنهم كذلكَ في العصر الاسلامي الى عهد المامون فتسمّوا اذ ذاكَ بالصّابئة۔"

---

[۱۲] اشیا کا مشہور خطہ جس کے شمال میں ایشیائے کوچک جنوب میں خلیج فارس مشرق میں ایران اور مغرب میں ملک شام ہے اسی ملک کا ایک حصہ جزیرہ کے نام سے مشہور ہے یہ زرخیز حصہ دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے۔

[۱۳] احمد امین۔ ضحی الاسلام، الجزء الاول، ص ۲۰۰، الطبع القاہرہ ۱۹۳۸ء۔

ترجمہ :۔ پادری لوگ حران کو بت پرستوں کا شہر کہتے تھے اور بظاہر ان کا مذہب بابلی قدیم یونانی اور جدید افلاطونیت کا مرکب تھا اور عہد اسلامی سے لیکر عہد مامون تک اس کی یہی حالت رہی پھر ان کو صابئین سے موسوم کیا جانے لگا ۔

ان لوگوں نے دور مامون میں ماحول کے مطابق اپنے طور و طریق میں تبدیلی پیدا کرلی تھی اور اپنے لباس اور اپنے حلیے کو بدل لیا تھا ۔ اس دور میں ان کی ایک بڑی تعداد مسلمان بھی ہوگئی تھی لیکن ایک بڑی تعداد آبائی دین پر قائم رہی اور کچھ لوگوں نے اپنے کو صابئین میں شمار کرلیا ۔

الغرض یہ شہر یونانی ثقافت کا بہت بڑا مرکز تھا اسلامی دور میں بھی بڑی شخصیات کے وجود کا بھی تعلق اسی شہر سے تھا ۔ مثلاً بہت بڑے مترجم ثابت بن قرہ الحرانی کا نام اسر فہرست اور سب پر عیاں ہے اور بہت بڑے امام ابن تیمیہ کا تعلق بھی اسی شہر سے تھا ۔ حران اسکول کا تعلق خلفائے عباسی سے بھی گہرا تھا ۔

جندیشاپور کے بعد اس کا تعلق خلفائے بغداد سے ہوا سب سے پہلا شخص جس کا تعلق بغداد کے دربار سے ہوا وہ ثابت بن قرہ الحرانی تھا جس کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے ۔ بنی موسیٰ بن شاکر کے توسط سے اس کا تعلق بغداد کے دربار سے ہوا خلیفہ معتضد المتوفی ۲۸۹ھ مطابق ۹۰۲ء) کے زمانے میں یہ حران سے بغداد آیا اور اپنے علمی کارناموں سے خلفاء کو متاثر کیا ۔

جندیشاپور نے اگر طبی میدان میں شہرت حاصل کی تو حران نے ریاضیات میں خاص مقام پیدا کیا شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے باشندے کواکب پرست تھے اور ستاروں کی تعظیم کی وجہ سے فلکیات کا علم ان کے پاس بہت زیادہ تھا اسی وجہ سے ان لوگوں نے علم ہیئت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ۔

چوتھا باب

السنہ جن کے توسط سے عربی میں ترجمہ کا کام ہوا

گزشتہ ابواب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ یونانی علوم و فنون کی اشاعت مسلمانوں میں کیوں کر ہوئی اور یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ یونانی علوم کی اشاعت میں بہت سی اقوام کا ہاتھ تھا۔ مختلف قومیت کے علماء و فضلاء علمی سرمایہ کو عربی میں منتقل کرنے پر مامور تھے۔ یہ علماء و فضلاء مختلف زبانوں کے ماہر تھے۔ انہوں نے مختلف زبانوں میں حاصل کیے ہوئے علمی سرمایہ کو بڑی کدوکاوش کے بعد عربی میں منتقل کیا، ان میں سریانی، یونانی، فارسی، نبطی اور سنسکرت وغیرہ شامل ہیں، اب ہم مختصراً زبان کی تاریخ بیان کریں گے۔

علماء نے انسانی بولی کے بارے میں مختلف آراء قائم کی ہیں۔ لیکن یہ بات یقینی طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ انسانی زبان کی ابتدا دنیا کے کس خطے میں ہوئی یہ زبان کسی ایک خطے میں پیدا ہوئی یا مختلف مقامات پر پیدا ہوئی اور انسان نے بولنا کس طرح سیکھا۔

اس کا جواب بھی یقینی طور پر نہیں دیا جا سکتا۔ اگر زبان کی ابتدا کسی ایک

خطے سے تسلیم کی جائے تو تمام زبانوں کی اصل ایک ثابت ہوتی ہے اور اگر کئی مقامات پر اس کی ابتداء ہوئی تو قدیم زمانے میں طرح طرح کی بولیوں کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا۔

زبان خدا کی نعمت ہے۔ کیوں کہ یہی بات اُسے حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

'خَلَقَ الْاِنسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ'۔ [1]

ترجمہ :- "یعنی اس نے انسان کو پیدا کیا اور اُسے بیان سکھایا"

بہرحال ابتداء میں زبان بالکل سادہ رہی ہوگی اور بتدریج طرح طرح کے کلمات بننا شروع ہوئے ہوں گے۔ زبان کی تین ارتقائی منزلیں بیان کی جاتی ہیں۔

پہلی منزل :- یک رکنی زبان کی منزل: اس منزل میں کلمہ خام حالت میں ہوتا ہے اور اس میں ایک ہی رکن پایا جاتا ہے یعنی مرکب کلمہ کا وجود نہیں پایا جاتا، ان کلمات کے معنی بہت مختصر اور سوابق و لواحق کا وجود نہیں ہوتا۔ [2]

ابتدائی منزل میں انسانی بولی کا یہی حال تھا اور بعض زبانیں اسی حالت پر قائم ہیں، ایسی زبانوں میں چینی، سیامی اور برمی زبانیں ہیں۔

دوسری منزل :- یہ منزل پیوند زبان کی منزل ہے، اس منزل میں کلمات ایک دوسرے کے ساتھ ملنے لگتے ہیں اور اصلی معنی میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور نئے نئے کلمات پیدا ہونے لگتے ہیں، ایسی زبانوں میں جاپانی، کوریائی، ترکی، فنلنڈی اور افریقہ کی بعض قدیم زبانیں ہیں۔

تیسری منزل :- زبان منصرف کی منزل ہے یہ سب سے زیادہ ارتقائی منزل ہے۔ اس منزل میں طرح طرح کی ترکیبیں وجود میں آجاتی ہیں او کلمات

---

[1] سورۃ الرحمان (القرآن المجید)

[2] ڈاکٹر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران، ص ۱۲، طبع دہلی ۱۹۶۹ء، چہارم ایڈیشن۔

کی تصریف وسعت کے ساتھ کی جاتی ہے، کلمات کو مختلف شکلوں میں ڈھال کر اسے گہرے اور وسیع مطالب پیدا کیے جاتے ہیں اس قسم میں دو طرح کی زبانیں ہیں ایک آریائی اور دوسری سامی۔

آریائی زبانوں میں فارسی، لاطینی اور یونانی شامل ہیں۔[3] اور سامی زبانوں میں عربی، عبرانی، کنعانی، بابلی، فنیقی، نبطی اور سریانی داخل ہیں، آریائی زبانوں کی وہ مشترک اصل جو کسی وقت ایک مرکز میں بولی جاتی تھی وہی تھی جس سے ہند و یورپ کی زبانیں نکلی ہیں اسی مشترک زبان کو آریائی زبان کہا گیا، اس زبان کا اصلی مسکن یورپ کا شمال اور دریائے ڈینیوب کے آس پاس کا علاقہ ہے، سامی زبانوں کی اصل جزیرہ نما عربیہ کے جنوبی خطہ ارض کو کہا گیا ہے۔[4]

سُریانی زبان :۔ یہ سامی زبان کی ایک شاخ ہے جس کا تعلق شمالی یا شمالی مغربی مجموعہ سے ہے یہ تیسری صدی عیسوی سے ساتویں صدی عیسوی تک نصاریٰ کی اہم ادبی زبان تھی۔[5]

یہ زبان الرہا شہر میں خاص طور پر بولی جاتی تھی، اسی کو یونانی زبان میں ایڈیسہ کہتے ہیں، اسی طرح سریانی زبان مشرقی آرامی زبان کی ایک شاخ ہے۔ یہی زبان شام کے کلیساؤں کی زبان تھی اور علم و ادب کی بھی زبان تھی۔ شام کے باشندے سُریانی کہلاتے تھے کیوں کہ آرامی کا مطلب بت پرست ہوتا تھا اس لیے نصرانی لوگ اپنے کو آرامی کہلانا پسند نہیں کرتے تھے، گردش اوقات کے ساتھ یہ لوگ مسیحی مذہب کے پیرو بن گئے اور اسلامی فتوحات کے بعد تک شامی لوگ سُریانی زبان بولتے رہے حالانکہ عربی زبان تعلیم یافتہ طبقہ کی زبان بن چکی تھی، لیکن بول چال کی زبان اب بھی سریانی تھی۔ اور اموی میں سریانی زبان پس منظر میں آ گئی اور عربی نے ہر حیثیت سے اس پر غلبہ حاصل کر لیا۔ کیوں کہ سب سرکاری کام

---

[3] اسمتھ وی، تاریخ ہند، (آکسفورڈ) ص ۹۵، طبع لندن ۱۹۶۲ء (تیسرا ایڈیشن)

[4] ڈاکٹر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران ص ۱۳، طبع دہلی ۱۹۶۹ء

[5] دائرۃ المعارف برٹانیکا، جلد دوم، طبع امریکہ ۱۹۹۵ء

عربی میں ہونے لگا اس طرح عربی زبان جد وجہد کے بعد کئی اسباب کی بناء پر سریانی پر غالب آگئی، سب سے پہلی وجہ غلبہ کی یہ ہے کہ عربی زبان غالب قوم کی زبان تھی اور سریانی زبان کے بہت قریب تھی اس لیے سریانیوں نے عربی زبان کو بہت جلدی اپنا لیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سریانی اور عربی زبان کے ذریعہ اقوام میں مادی اور تہذیبی ہر طرح کے تبادلہ اور لین دین اور میل جول کی فضا پیدا ہوگئی، الغرض سریانی اور عربی زبانیں ایک ہی اصل سے نکلی ہوئی ہیں۔

الرہا شہر سریانیوں کا تہذیبی مرکز تھا اور ہیلنی دور میں یونانیوں کا ثقافتی مرکز بن گیا تھا۔ یہ زبان طوری نصاری کی تبلیغی زبان تھی یہ مسیحی مذہب کے داعی تھے اور یونانی فلسفے کے بھی مبلغ تھے رومی حکومت کے قیام کے بعد بھی یہ لوگ سریانی زبان سے محبت کرتے تھے، اس لیے وہ لوگ سریانی زبان میں کتابوں کا ترجمہ کرنے لگے، اس طرح یہ زبان علمی زبان بن گئی اور سریانی نسخوں کے ذریعے علوم و فلسفہ عربی میں منتقل ہوا۔ یہ سریانی لوگ علم کے مختلف گوشوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ فلسفہ اور دینیات کے علاوہ طب و کیمیا پر اور فلکیات میں بھی ان کو عبور حاصل تھا۔

مترجمین کے گروہ میں اکثر سریانی تھے، سریانی زبان میں بہت سے علوم و فنون موجود تھے، لیکن بہت سا مواد ضائع بھی ہو چکا تھا لیکن جو ذخیرہ مل گیا وہ عربی زبانوں میں منتقل ہوا۔ اور بے شمار کتابیں مختلف علمی شعبوں میں منظر عام پر آئیں۔
عہد عباسی میں تالیف و ترجمہ کی دو متوازی تحریکیں پیدا ہوئیں۔

(۱) **دوسری تہذیبوں کے ترجمہ کا کام** :- اس سلسلے میں سریانی زبان کے ذریعہ یونانی علوم کا اچھا خاصا ذخیرہ مسلمانوں کے سامنے آیا۔

(۲) **تالیف و تدوین کی شکل** :- اس سلسلے میں اکثر و بیشتر مواد عربی زبان میں مہیا کیا گیا، بابل کی اکثر تاریخی کتابیں سریانی زبان میں تھیں۔ ابن الندیم کے مطابق ان سب کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا گیا۔

مانی[6] نے بہت سی تالیفات چھوڑی تھیں اور یہ تالیفات سریانی زبان

---

[6] مانی :- الفہرست ۲۱۶، یہ فرقہ مانویہ کا بانی تھا مذہب مسیحی اور زردشتی مذاہب کی ترکیب سے ظہور
باقی اگلے

میں تھیں اور ان سب کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا۔ ابن الندیم نے کچھ کتابوں کی فہرست دی ہے جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب ملک بابل (۲) کتاب الشیخ والفتیٰ (۳) کتاب اردشیر (۴) صناعۃ النجوم (۵) کتاب الوجوہ والحدود۔

عبرانی زبان :- یہ سامی زبان کے شمالی مجموعہ سے تعلق رکھتی تھی، قدیم زمانے میں فلسطین کی زبان تھی، آرامی زبان کے مغربی لہجہ نے عبرانی پر تیسری صدی قبل مسیح میں غلبہ حاصل کر لیا تھا لیکن یہ زبان بطور ادبی زبان برابر مستعمل رہی اور عصر حاضر میں اسرائیل میں یہ سرکاری زبان بن گئی، عبرانی زبان مختلف ادوار میں مختلف حیثیت سے نمایاں رہی عام طور پر اسکو چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) **قدیم عبرانی** :- یا کتاب مقدس کی عبرانی اسی زبان میں عہد قدیم کے حالات درج تھے۔

(۲) **مشنائی عبرانی** :- اس زبان میں زیادہ تر یہود کی روایات اور تواریخ کا چرچا ہوا، اس قسم کی زبان بول چال کی زبان نہیں تھی۔

(۳) **متوسط عبرانی** :- یہ زبان چھٹی صدی عیسوی سے تیرہویں صدی عیسوی تک جاری رہی، اس دور میں یونانی (عربی)، اسپینی اور دوسری زبانوں سے بہت سے الفاظ مستعار لئے گئے۔

(۴) **جدید عبرانی عصر حاضر کی عبرانی** :- علماء کا اتفاق ہے کہ بائیبل کے عہد عتیق کے اشعار کی زبان سب سے قدیم سمجھی جاتی ہے۔ عبرانی زبان زبان میں سمیری الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ شہ

بہرحال عبرانی زبان سامی زبان کی ایک شاخ ہے۔ اس زبان میں بہت بڑا

سے بنا اس کی بنیاد ثنویت پر ہے یعنی دنیا دو چیزوں پر قائم ہے نور اور ظلمت نور سے سب بھلائیوں کی پیدائش ہوئی اور ظلمت سے سب برائیوں کی۔ ایران میں اس مذہب کی اشاعت بہت سرگرمی سے ہوئی اور ساتویں صدی ہجری تک یہ مذہب باقی رہا اس کے پیروکار ایشیا اور یورپ کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور مانی رہبانیت کی طرف زیادہ مائل تھا بعض لوگ اس کو حواس کا راہب تصور کرتے ہیں یہ توالد اور تناسل کی مخالفت کرتا تھا کیونکہ دنیا کو شر کا منبع خیال کرتا تھا اور اس کی فنا کو اہمیت دیتا تھا۔

علمی ذخیرہ موجود تھا۔ انبیاءؑ کے صحیفے اسی زبان میں تھے، عہدِ عباسی میں بائبل کی تمام کتابوں کا ترجمہ ہوا، اس طرح توریت کا ترجمہ حنین بن اسحاق نے کیا تھا اس نے اپنے ترجمہ کی بنیاد یونانی نسخہ کو بنایا تھا۔ علامہ شبلی نے مسعودی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عہدِ عتیق اور جدید کے مجموعے کا جس میں ۴۴ کتابیں شامل ہیں عربی میں ترجمہ کیا گیا، مترجمین میں یحییٰ بن زکریا اور سعید بن یعقوب الفیومی متوفی سنہ ۲۳۱ھ مطابق ۹۲۱ء شامل ہیں۔ شہ

نبطی زبان :۔ نبطی قوم کے بارے میں مؤرخین مختلف آراء قائم کی ہیں۔ بعض لوگ عراق کی ایک ایسی قوم کو نبطی جانتے ہیں جن کی اصل کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ وہ حقیقت میں ہندی تاجروں کی ٹولی تھی لیکن حالیہ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ نبط یا نابت یا نبایوت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ان میں سے نبایوت یا نابت یا قیدار بہت مشہور ہیں ان کا ذکر تورات میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اسی نابت کی نسل اصحاب حجر کہلاتی ہے۔ عه

درحقیقت نبط، نبایوط نابت اور نبیت ناموں کا مصداق ایک ہی شخص ہے اور وہ نابت بن اسماعیل ہیں۔ مؤرخین عرب انباط کے متعلق عموماً یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ عجمی نسل ہے تاریخی حقائق کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبطی خالص عربی اور اسماعیلی ہیں مگر بدویانہ زندگی ترک کر دینے اور حجاز سے نکل کر دوسرے علاقوں میں بس جانے کی وجہ سے یہ عربوں کے لیے اجنبی ہو گئے تھے۔

قوم نبط کی ریاست بہت مشہور تھی اس قوم نے قدیم عربی تہذیب کو ترقی دینے میں بہت اہم رول ادا کیا تھا، پطرا اس کا پایۂ تخت تھا جو حجاز اور فلسطین کے درمیان واقع تھا یہی وہ واحد مقام تھا جہاں کافی مقدار میں عمدہ اور شفاف پانی کے ذخیرے تھے۔ عرب کارواں جس وقت ہلال خصیب (عراق، شام اور

شه علامہ شبلی، رسائل ص ۵۳، ۲۵۲ طبع علی گڑھ ۱۸۹۹ء

ملحقہ علاقوں) سے اپنے یہاں بننے والی اشیاء نیز مسالوں وغیرہ کے بدلے میں کپڑے غلہ اور دوسری چیزوں کو لے کر لوٹتے تھے تو پٹرا کو جنوبی عرب اور شمالی عرب کے درمیانی شاہراہ پر ایک کلیدی حیثیت حاصل تھی۔[10]

مورخین کے نزدیک انباط کا رقبہ تین مختلف العہد قوموں کے دائرہ حکومت پر حاوی تھا۔

(۱) ثمود کا ملک "وادی قری" اور اس کا دار الحکومت مشہور شہر حجر تھا۔ (۲) ملک مدین اس کا دار الحکومت شہر مدین ہی تھا۔ (۳) ملک ادوم اس کا دار الحکومت رقیم تھا۔

انباط کا زمانہ حکومت سنہ ق م سے شروع ہو کر سنہ ۱۰۶ عیسوی تک قائم رہا، اسی عہد میں رومیوں نے ان کے پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور انباط کی حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔ رومیوں نے اس کا نام بدل کر پٹرا رکھا۔[11]

الغرض نبطی قوم ایک عربی قوم تھی اور اس کا ایک تمدن تھا اور ترقی یافتہ تہذیب تھی، اس کی زبان بھی ترقی یافتہ رہی ہوگی، اس زبان میں بہت سے کتبات کا پتہ لگایا گیا ہے ان ہی آثار اور کتبات سے اس قوم کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ اور ضمناً زبانوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہو گئی ہیں۔ نبطی زبان آرامی زبان کی ایک شاخ ہے یہ شاخ مغربی لہجے سے تعلق رکھتی ہے۔[12]

یہ زبان بھی ایک علمی زبان تھی اور بہت سی علمی کتابیں عہد عباسی میں اسی زبان میں موجود تھیں تقریباً چودہ کتابوں کے تراجم کی نشاندہی کی جاتی ہے، اس

بقیہ صفحہ ۹۲
[9] مولانا حفظ الرحمان صاحب، قصص القرآن، جلد اول، ص ۲۴۴ طبع دہلی ۱۹۸۰ء

[10] فلپ حتی، نیر ایسٹ ان ہسٹری، ص ۱۴۶ - ڈاکٹر ماجد علی خان، خاتم النبیین طبع دہلی ۱۹۸۹ء

[11] مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، قصص القرآن، حصہ سوم، طبع پنج دہم، ص ۲۴۷ طبع دہلی ۱۹۸۲ء

[12] جدید انسائیکلو پیڈیا۔ برٹانیکا، ص ۵۱۶، پندرہواں بار۔ طبع امریکہ ۱۹۸۵ء

زبان کے مترجمین میں سے احمد بن علی ابن وحشیہ کا نام قابل ذکر ہے۔

لاطینی زبان :- اہل روم ایک عظیم الشان قوم تھی جن کی مملکت وسیع تھی ان میں بہت سے باسطوت بادشاہ گذرے ہیں، بلادِ روم، بلادِ یونان سے متصل ہے، اس کے جنوب میں بحرِ روم ہے اور مشرق میں بلادِ یونان کے حدود ہیں اور اہل روم کی زبان لاطینی ہے، سلطنت روم کا بانی رومیلش تھا لاطینی کو بیزنطینی بھی کہتے ہیں۔ اس سلطنت پر متعدد عظیم الشان بادشاہوں نے حکومت کی، تین سو پچیس سال تک سلطنت روم پر قیاصرہ کی حکومت رہی، ان کا مذہب فرقہ صائبہ سے ملتا جلتا تھا۔ پھر قسطنطین نے ۳۱۳ء میں صائبہ کا مذہب ترک کر دیا۔ اور مسیحی مذہب کی تائید کا اعلان کیا اور خلیج باسفورس کے کنارے قسطنطنیہ شہر کی بنیاد ڈال، یہی شہر سلطنت روم کا پایۂ تخت بن گیا اور عہدِ اسلامی تک یہ اہل روم کا دارالسلطنت رہا۔

شہر روما وغیرہ میں اہل روم کے جید حکماء و علماء گذرے ہیں جو مختلف اصناف فلسفہ کے ماہر تھے، اکثر یونانی فلاسفہ جن کا تذکرہ مؤرخین اہل یونان کے علماء اور حکماء کے ضمن میں کرتے ہیں ان میں سے بیشتر حکماء لاطینی یا رومی حکماء تھے، کیونکہ دونوں قومیں آپس میں اختلاط رکھتی تھیں، اسی لیے مؤرخین نے ان کا تذکرہ بغیر کسی تمیز کے کر دیا ہے اور اہل روم کے حکماء کو اہل یونان کے حکماء میں شمار کر لیا ہے۔

یہ دونوں قومیں علوم کی تحصیل میں مشہور اور اہل علم کے بلند مرتبہ پر قائم رہی ہیں مگر اہل یونان کا مرتبہ بلند ہے، کسی کو اس سے انکار نہیں دورِ عباسی میں بہت سے رومی علماء اور حکماء موجود تھے اور ان کی تالیفات سے علمی استفادہ کیا گیا مثلاً بختیشوع اور یوحنا بن ماسویہ اہل روم کے حکماء میں سے ہیں[۱۳]

جیسا کہ سب پر عیاں ہے کہ رومی ایک متمدن قوم تھی اور زبردست حکومت کی مالک تھی، اس کی سلطنت وسیع تھی جو یورپ اور ایشیاء کے اکثر و بیشتر علاقوں پر پھیلی ہوئی تھی، اس کی زبان یعنی لاطینی میں علمی ذخیرہ کثرت سے موجود تھا، یہ لاطینی

---

[۱۳] ابن صاعد الاندلسی، طبقات الامم، ص ۴۵، طبع اعظم گڈھ ۱۹۲۸ء

زبان ہند و۔ یوروپی زبان کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی، یہ زبان ایک قدیم رومی زبان ہے جس کی ترقی یافتہ شکل جدید رومی زبان ہے لاطینی زبان ابتداءً تائبر دریا کے کنارے بسنے والے قبائل کی زبان تھی، اس زبان کی ترقی بہت تیزی سے ہوئی اور سیاسی اقتدار کی وسعت کے ساتھ ساتھ مختلف گوشوں میں پھیلتی چلی گئی اور یہ زبان اٹلی سے نکل کر مغربی اور جنوبی یورپ اور بحرِ روم کے مغربی کناروں اور افریقہ کے ساحلی علاقوں میں پھیل گئی، جدید رومی زبان کی بنیاد قدیم لاطینی زبان ہے جو اہلِ روم کے روزمرہ کی زبان تھی یہ لاطینی زبان عہدِ وسطیٰ میں علمی زبان تھی، اہلِ علم کے حلقوں میں اس زبان کی بڑی قدر قیمت تھی۔

وہ علم و ادب کے میدان میں اسی زبان کو استعمال کرتے تھے حتیٰ کہ بیسویں صدی کے آخر تک یہ زبان کلیساؤں کی زبان تھی۔

لاطینی زبان کی نشو و نما دو طریقوں سے ہوئی۔

(۱) یہ زبان روزمرّہ کی زبان کی حیثیت سے ترقی کرتی رہی[۲]۔ اور اس نے مذہبی حلقوں میں بہت زبردست اثر چھوڑا اور مغربی یورپ کی زبان پر بھی اس کا بہت بڑا اثر پڑا۔

عہدِ عباسی میں اس زبان میں موجود علمی کتابوں کے بھی تراجم ہوئے۔ بیت الحکمت کے شعبۂ ترجمہ میں لاطینی زبان کے مترجمین بڑی تعداد میں موجود تھے۔ یحییٰ بن البطریق کا نام خاص طور پر لیا جاسکتا ہے۔ لاطینی زبان سے عربی میں ترجمہ شدہ کچھ کتابوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) کتاب البرهان (۲) کتاب الجذام (۳) کتاب الحمام (۴) کتاب الحمیات
(۵) کتاب المعدہ (۶) کتاب البیطرہ (۷) کتاب الکمال۔

یونانی زبان:- یونانی قوم ایک عظیم الشان قوم تھی سکندرِ اعظم کا تعلق اسی قوم سے تھا کیوں کہ مقدونیہ یونان کا ایک جزو تسلیم کیا جاتا تھا، بلادِ یونان کرۂ ارضی کے شمالی مغربی ربع میں واقع ہے جنوب میں بحرِ روم اور مغرب میں بلادِ روم اور شرقی سمت آرمینیا اور دربند ہے، اہلِ یونان کی زبان کو اغریق (اغریقیہ) کہتے ہیں۔ اہلِ یونان کا مذہب تعظیم کواکب تھا جو فرقۂ صابئہ کے مذہب سے ملتا

جلتا ہے، یونان میں علم و فلسفہ کی ترقی داخلی جنگوں کے نتیجہ میں ہوئی۔ یہ جنگیں چوتھی صدی قبل مسیح میں واقع ہوئیں اور مسلسل ۲۷ سال تک چلتی رہیں ان جنگوں کے نتیجہ میں یونان مقدونیہ کے ماتحت ہو گیا اور یونانی لوگ فلسفہ و حکمت کی طرف مائل ہو گئے۔ [۱۴]

سکندر کے بعد بطالسہ کا دورِ حکومت شروع ہوتا ہے ان لوگوں نے ایک طویل مدت تک بڑی شان سے حکومت کی اہلِ یونان نے فلسفہ اور حکمت اور تمام اقسام علوم میں بے حد ترقی کی۔

جرجی زیدان لکھتے ہیں:

”أُخذ اليونانُ باهداب الفلسفةَ وَالعلمِ على اثرِ الحروبِ اليونانيةِ الداخليهِ فإنّها توالت ۲۷ سنةً وفي نهايتها دَخَلتُ اثينا في حوزةِ المقدونيين فساقتهمُ العبرةُ والمذلة الى النظرِ في الوجود“ [۱۵]

ترجمہ:— یونان نے فلسفہ و حکمت میں دلچسپی داخلی جنگوں کے نتیجہ میں لی کیونکہ یہ ۲۷ سال تک جاری رہیں اور آخر میں ایتھنز اہلِ مقدونیہ کے ماتحت ہو گیا اس ذلت و غیرت کے نتیجہ میں اہلِ یونان نے خلقت میں غور و فکر کرنے کی طرف مائل ہوئے۔

یونانی زبان ہندو، یوروپی زبانوں کے گروہ میں سے ہے جو کہ خاص طور پر یونان میں بولی جاتی ہے۔ اس کی ایک طویل تاریخ ہے اور صفحات تاریخ پر اسکی اہمیت کے بے شمار نقوش ملتے ہیں حتی کہ اس کی تاریخ ہند و یورپی زبانوں میں سب سے طویل ہے جو تقریباً ۳۴ صدیوں میں پھیلی ہوئی ہے، اس زبان کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) **قدیم یونانی**:— اس قسم کی زبان چودھویں صدی ق۔م سے چوتھی صدی قبل مسیح تک جاری رہی، اسی مدت میں حروف تہجی کی ابتداء ہوئی۔

(۲) **ھیلی یونانی**:— اس کی نشو و نما چوتھی صدی قبل مسیح سے چوتھی صدی عیسوی تک رہی۔

(۳) **بلیزنطینی یونانی** :- یہ ۔ ۔ ۔ پانچویں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی تک رہی۔ (۴) **جدید یونانی** :- یہ پندرہویں صدی عیسوی سے اب تک جاری ہے، اس مدت میں بول چال اور کتابت کی زبان میں زیادہ فرق نہیں ہوا مگر دوسری زبانوں کی طرح اس زبان کے لہجات میں بھی فرق ملتا ہے۔[16]

مختلف لہجات میں یونانی علم وادب کا ذخیرہ پایا جاتا ہے مثلاً ھومر افلاطون کی تالیفات مختلف لہجات میں ہوئی ہیں، یونانی زبان کی لغت بہت وسیع ہے۔ یہ زبان یونان کے مختلف علاقوں میں بولی جاتی ہے۔

دورِ عباسی میں اس زبان کے اندر علوم وفنون کا وافر ذخیرہ موجود تھا اور بیت الحکمت میں تراجم کا کام بھی اسی زبان کے توسط سے عربی میں ہوا، اس خدمت پر بہت سے نامور مترجمین مامور تھے جن میں ابوزکریا، یوحنا بن ماسویہ، حبیش الاعسم وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں، کچھ ترجمہ شدہ کتابوں کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) کتاب فی العلل والاعراض (۲) کتاب فی النبض (۳) کتاب تشریح الرحم وغیرہ۔

فارسی زبان :- فارسی قوم زمانۂ قدیم کی ایک باعظمت قوم تسلیم کی جاتی ہے۔ اس کی شان وشوکت کا اندازہ کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کی شہنشاہیت کا رقبہ بہت وسیع تھا ایک طرف ملک مصر تک پھیلا ہوا تھا دوسری طرف بحرِ اسود تک اور جنوب میں بحرِ عرب تک اس کی سلطنت وسیع تھی۔ اس قوم میں بڑے عظیم الشان بادشاہ گذرے ہیں۔ دارا (۵۲۱ – ۴۸۵ ق م) جو قمبلیز کے بعد ایران کے شاہی تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ بہت بڑی شہنشاہیت کا مالک تھا۔ یہ بابل اور مصر سمیت تمام علاقوں میں بے مثل فرماں روا تھا، نوشیروان عادل کا تعلق بھی

بقیہ ۹۶ ص

[14] جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، الجزء الثانی، ص ۲۶ طبع القاہرہ ۱۹۲۰ء

[15] ؍؍ ایضاً ؍؍ ؍؍ ص ۲۶ ؍؍ ؍؍

[16] جدید انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ص ۴۵۷، ج ۵، پندرھواں ایڈیشن طبع امریکہ ۱۹۸۵ء

اسی شہنشاہیت سے تھا، ساسانی حکمراں یکے بعد دیگرے ایران کے شاہی تخت پر جلوہ گر رہے، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (متوفی ۲۴ھ مطابق ۶۴۵ء) کے زمانے میں یہ شہنشاہیت ختم ہوگئی اور ایک حدیث کے مطابق ہمیشہ کے لیے ایرانی شہنشاہیت کا خاتمہ ہوگیا۔

فارسی زبان منصرف زبانوں شمار کی جاتی ہے اور اس کا تعلق ہندو یوروپی زبانوں کے گروہ سے ہے اس زبان کی کئی شاخیں ہیں۔

(۱) **ہخامنشی دور کی پرانی فارسی** :- اس زبان میں ہخامنشی دور کے بادشاہوں نے اپنے نامے اور کتبے لکھے ہیں، شاہ ایران دارا کا تعلق اسی دور سے ہے۔

(۲) **اوستائی فارسی** :- اس زبان میں زردشت[۱] کی مشہور کتابیں لکھی گئیں، خاص طور پر یہ زبان مذہبی پیشواؤں میں محدود تھی۔ اردشیر بابکان (۲۲۶-۲۴۱ء) نے اوستا کو مرتب کرایا تھا، ہخامنشی دور کی مذہبی کتابیں سکندر کے حملے اور پھر ایران میں سلوکی حکومت کے دور میں ناپید ہوگئیں۔

(۳) **پہلوی فارسی** :- یہ قدیم فارسی کی ایک شاخ ہے یعنی قدیم پارسی کے کلمات اور ترکیب میں تبدیلیاں ہوئیں اور پہلوی زبان کی صورت میں نمودار ہوئی، اس لحاظ سے اسکو درمیانی پارسی بھی کہتے ہیں، پہلوی ادبیات کا بیشتر حصہ زردشتی مذہب کی

---

[۱] زردشت (المتوفی ۵۸۳ ق م تقریباً) ایران کا مشہور مصلح تھا جس کو بعض مؤرخین نبی تصور کرتے ہیں۔ ان کی جائے پیدائش آذربائیجان خیال کی جاتی ہے۔ بلخ کے علاقہ میں اس کی بے انتہا مقبولیت تھی، شاہ ایران گشتاسپ کے زمانے میں اس کے مذہب نے ایران میں مقبولیت حاصل کی، اسکی طرف ایک کتاب منسوب ہے جس کو اوستا کہتے ہیں اس کے مذہب کی بنیاد ثنویت پر قائم تھی یہ خیر کے خالق کو اہورمزدا اور شر کے خالق کو اہرمن کا خطاب دیتا تھا یہ زراعت اور تربیت مواشی پر بہت زور دیتا تھا، دور ساسانی میں (۲۲۶ء — ۶۵۲ء) اس کو دوبارہ عروج حاصل ہوا اور فتح اسلامی تک یہی مذہب قائم تھا، فتح اسلامی کے بعد اکثر و بیشتر ایرانی دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے اور ان کی کچھ تعداد اسی قدیم مذہب پر قائم رہی اس مذہب میں آگ کو بہت تقدس حاصل ہے اس کے پیروکار مجوسی کہلاتے ہیں

(احمد امین، فجر الاسلام، ص ۹۹، طبع القاہرہ ۱۹۸۶ء)

کتابوں پر مشتمل ہے۔

(۴) **موجودہ فارسی** :- ایران پر عربوں کا تسلط ہوا تو پہلوی زبان کا رسم الخط اور کلمات میں تبدیلیاں پیدا ہوئیں، رسم الخط عربی زبان سے لیا گیا اور بے شمار عربی کلمات فارسی میں داخل ہو گئے۔[۱۰۸]

الغرض قدیم ایران میں اپنا رسم الخط اور ادبی زبان تھی اور مختلف ادوار میں مختلف علوم اور فلسفہ بھی موجود تھا ساسانیوں کے دور (۲۲۶ - ۶۵۲) میں یونانی علوم پہلوی زبان میں منتقل ہو گئے۔[۱۰۹]

عربوں کے تسلط اور عربی زبان کی ترویج کی وجہ سے پہلوی ادبیات ناپید ہو گئے اور عربی تالیفات باقی رہ گئیں مثلاً ابن المقفع کا الادب الکبیر والادب الصغیر وغیرہ ہیں۔

عباسی دور میں فارسی کے توسط سے متعدد کتابوں کے ترجمے ہوئے اور اس خدمت کے لیے متعدد نامور مترجمین بیت الحکمت میں مامور تھے جن میں جبلہ بن سالم، فضل بن نوبخت، حسن بن سہل وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ فارسی سے ترجمہ شدہ کتابوں میں سے چند نام یہ ہیں۔

(۱) کلیلہ و دمنہ (۲) کتاب التاج (۳) کتاب الیتیمہ (۴) کتاب الموالید (۵) کتاب المحاسن (۶) کتاب المدخل۔

سنسکرت :- قدیم آریائی زبان جس کا تعلق خصوصاً ہندوستان سے ہے، مورخین نے ہندوستان میں آریاؤں کی آمد کا تعین کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ تقریباً (۱۵۰۰ ق م) میں آریہ قوم ہندوستان میں وارد ہوئی اس قوم کا اصل موطن ایشیائے کوچک تسلیم کیا جاتا ہے مذکورہ بالا مدت میں اس قوم کی زبان سنسکرت تھی اس قوم نے شمالی ہندوستان کو فتح کر لیا اور اپنی قوم کا سکہ جما دیا، رفتہ رفتہ سارے ہندوستان پر اس کا تسلط ہو گیا، اس قوم کی ایک تہذیب تھی اور مذہب و تمدن بھی تھا۔ اس کے مذہب

---

[۱۰۸] ڈاکٹر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران ۴۴، ایڈیشن چہارم، طبع دہلی ۱۹۷۹ء

[۱۰۹] احمد امین، ضحی الاسلام، الجزء الاول، ص ۱۸۴، الطبعۃ الثالثۃ، القاہرہ ۱۹۳۸ء

کی بنیاد تین ویدوں پر اور بعض کے نزدیک چاروں ویدوں[۲۰] پر قائم ہے۔

آریہ قوم انڈس دریا کے تعلق سے ہندو قوم کہلانے لگی ویدوں کو یہ الہامی سمجھتے ہیں ان ویدوں میں رگ وید سب سے پرانی تسلیم کی جاتی ہے۔[۲۱]

سنسکرت یعنی مانجھی ہوئی یا شستہ اور باقاعدہ زبان ہے۔ مؤلف بھاشیہ بھومیکا، سر ڈبلو جونز کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سنسکرت زبان نہایت شستہ، یونانی سے زیادہ مکمل، لاطینی سے زیادہ وسیع اور دونوں سے زیادہ عمدہ و نفیس اور ہر دور سے تعلق رکھنے والی ہے۔[۲۲]

اس زبان کا تعلق ہند و یورپی زبانوں کے گروہ سے ہے اور متصرف زبانوں میں ہے یونانی اور لاطینی زبانوں کے اقسام سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ قدیم سنسکرت ویدوں کے ذریعہ محفوظ ہے، رسم الخط میں بھی قدرے فرق ہے' ویدوں کی زبان عام سنسکرت زبان سے مختلف ہے۔ اس زبان کا نحو و صرف بہت وسیع ہے' پاننی رشی نے مکمل قواعد لکھے ہیں کہتے ہیں کہ اس کی کتاب اشٹادھیائی دقیق اور عجیب و غریب علمی تحقیق ہے اور صرف و نحو کا مکمل علم اس میں موجود ہے اس زبان کے قواعد کے بارے میں پاننی کی کچھ تشریحات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) فعل میں تغیر و تبدل یعنی فعل واحد کی جگہ جمع اور جمع کی جگہ واحد۔ (۲) حروف میں تبدیلی یعنی کسی حرف کو کسی حرف سے بدل لینا۔

(۳) تذکیر و تانیث میں تبدیلی یعنی مذکر کی جگہ مؤنث اور مؤنث کی جگہ مذکر آجانا (۴) ضمیروں کا ادل بدل ہو جانا، یعنی غائب کی جگہ حاضر اور حاضر کی جگہ متکلم (۵) زمانہ کا تغیر مثلاً حال کی جگہ ماضی اور ماضی کی جگہ حال کا آجانا۔[۲۳]

الغرض سنسکرت زبان ترقی یافتہ زبان تھی اور علوم و فنون کا وافر ذخیرہ اس میں

---

[۲۰] یعنی رگوید، ساموید، یجروید، اتھروید، منوسمرتی میں بھی تین ہی ویدوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

[۲۱] ڈیوس ایچ اے، تاریخ عالم (انگریزی)، ص ۹۰، پانچواں ایڈیشن، لندن ۱۹۶۹ء

[۲۲] نہال سنگھ، مقدمہ رگوید آدی بھاشیہ بھومیکا، ص ۳۶، طبع سوم، لاہور ۱۹۱۴ء

[۲۳] بھائی نہال سنگھ رگوید آدی بھاشیہ بھومیکا، ص ۳۴ 〃 〃 〃

موجود تھا علماء ہنود مختلف علوم و فنون میں شہرت کے مالک تھے ۔

سنسکرت زبان سے تراجم کی ابتداء خلیفہ منصور کے عہد سے ہوئی ۔ اسی کے دربار میں ہندوستان کا ایک نامور فاضل پنڈت آیا تھا جس نے اپنی کتاب سدھانت کو پیش کیا تھا جس کا موضوع علم نجوم تھا، دربار کے ایک عالم محمد بن ابراہیم فزاری نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا، دورِ ہارونی میں برامکہ نے ہندوستان سے بہت سے پنڈت اور وید کے عالم طلب کیے تھے ۔ ملکہ، بازیگر اور ضنجہل وغیرہ مشہور زمانہ فضلاء کا تعلق ہندوستان سے ہے ۔ مامون الرشید نے بھی علماء ہند کی قدر دانی کی اور ان کو بغداد کے دربار میں باریابی کے مواقع حاصل ہوئے ۔

الغرض سنسکرت زبان بھی علم کی منتقلی کی زبان رہی اور دورِ عباسی میں بہت سے علوم ہند کے تراجم عربی میں ہوئے، چند ہندوستانی حکماء جن کی تالیفات کے تراجم عربی میں ہوئے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں ۔

(۱) شاناق (۲) کنکہ (۳) جودر (۴) منکہ (۵) صالح بن بہلہ (۶) ضنجہل ۔

کچھ ترجمہ شدہ کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں ۔

(۱) کتاب السموم (۲) السندھند (سدھانت) (۳) کتاب البیطرۃ (۴) کتاب فی علم النجوم (۵) اسرار الموالید (۶) کتاب سسرت (۷) کتاب التوھم فی الامراض والعلل ۔

عربی زبان :- اوپر ان زبانوں کا ذکر کیا گیا جن کے توسط سے عربی زبان میں علوم کے تراجم ہوئے چوں کہ عربی زبان کا ضمناً تذکرہ آیا اس لیے اس زبان کے بارے میں بھی کچھ لکھتے ہیں ۔

عربی زبان سامی زبان کے گروہ سے تعلق رکھتی ہے اور مذکورہ گروہ کی زبانوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ یہی زبان ہے، عربی زبان کی قدامت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس نے ابتدائی آوازوں کو اپنے اندر محفوظ کر لیا ہے، عربی زبان کے تجزیہ سے انسان کی فطری بولیوں کے بارے میں بھی بہت سی معلومات حاصل ہوئی ہیں، عربی زبان نہایت حکیمانہ مزاج رکھتی ہے اس کی فطری ترتیب اس کا تدریجی ارتقا اور اس کی کڑیوں کا باہمی ربط و تعلق اس کے الفاظ میں عکس و قلب اور تبادلۂ حروف کے بعد معنوی

ہم آہنگی اور اصول اشتقاق کی وجہ سے متنوع لفظی رنگ و روپ اس کی عظمت و وسعت اور ہمہ گیری کی شہادت دیتے ہیں۔

عربی زبان نے مختلف ادوار میں انسانی بولی میں تدریجی ارتقاء کو اپنے اندر محفوظ رکھا ہے۔ انسانی بولی کے تین ادوار ہیں۔

(۱) دورِ اول: فطری بولی کا دور۔
(۲) دورِ دوم حکایت اصوات کا دور۔
(۳) دورِ سوم وضع الفاظ کا دور۔

ابتداء میں انسان کو دودھ پینے کی خواہش ہوتی ہے اور بچہ غوں غاں کرتا ہے ایک مبہم آواز اس کے منہ سے نکلتی ہے جسے عربی میں غمغمہ کہتے ہیں۔ اسی طرح بچہ اپنی ضرورت کو ظاہر کرنے کے لیے اُم اُم کہتا ہے یہ لفظ اسی ابتدائی آواز اور معنی کو اب تک ظاہر کرتا ہے۔

صحیح معنی میں بولنے کا آغاز محاکات سے ہوا کوے کی آواز غاغا سے غوغاء القوم کا اشتقاق ہوا یعنی انسانی شور و شغب کا تعلق کوے کی شور سے ہوا اس طرح ھمھمة شیر کی آواز کو کہتے ہیں اسی لحاظ سے ھمھام اور ھمام کا اشتقاق ہوا جس کے معنی بہادر اور اولو العزم شخص کے ہیں۔

انسان میں نقل و محاکات کے ساتھ ساتھ ایجاد و اختراع کی صلاحیت بھی ہے عربی میں ایسے الفاظ ملتے ہیں جن میں سے چند کے وضع کیے جانے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً بُکْمٌ یعنی (گونگا پن) اس لفظ میں ب (منہ کھلا) ک (زبان تالو چپکی) م (ہونٹ بند ہوگئے اور بول نہ سکا۔ اسی طرح بغم (صاف نہیں بولا) بعیم بے زبان اور بہیم (لایعنی بولنا) ۲۳؎

بہرحال عربی زبان وسیع زبان ہے اور تمام سامی زبانوں میں اس کا ایک بلند مقام ہے اور اسلام سے قبل دورِ جاہلی میں یہ عروج حاصل کر چکی تھی دورِ جاہلی اور دورِ اسلام کے ابتدائی سالوں میں عربی زبان میں مختلف قبائلی لہجات رائج تھے۔

۲۳؎ افتخار احمد اعظمی، مقدمہ تاریخ ادب عربی، ص ۲۰، طبع دوم، لاہور ۱۹۸۲ء

ان میں مشہور لہجات قبائل تمیم، ربیعہ، ھزیل، قضاعہ، قیس اور حمیر کے تھے۔ [25]

قرآن مجید کے نزول کے وقت یہ لہجات مختلف علاقوں میں پائے جاتے ہیں اور ایک حدیث نبوی کے مطابق ان قبائل کو اپنے لہجات میں تلاوت کلام پاک کی اجازت تھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تدوین قرآن کو مکمل شکل دے کر قریش کے لہجہ کو نافذ کیا۔ ان لہجات میں کچھ کے نام حسب ذیل ہیں۔ مثلاً۔

(۱) قبیلہ قضاعہ کا عجعجہ مثلاً وہ راعی کو راعج کہتے تھے۔

(۲) قبیلہ حمیر کا طمطمانیہ مثلاً وہ اَل کے لام کو م سے بدل دیتے تھے اور الصیام کو امصیام کہتے تھے۔

(۳) قبیلہ ھزیل فحفحہ

(۴) قبیلہ تمیم کا عنعنہ

(۵) قبیلہ ربیعہ کا کشکشہ

یہ لہجات مرور زمانہ کے ساتھ ناپید ہو گئے اور قریش کا لہجہ ہی غالب ہو گیا اس زبان میں آخری وحی کا نزول اس کے کمال پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ قرآن ایک معجزہ بن کر آیا اور تمام عربوں کو چیلنج کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عربی زبان وادب میں عربوں کا بلند مقام تھا ورنہ اس چیلنج کے کوئی معنی نہیں۔

ڈاکٹر محمد احمد الغرب لکھتے ہیں۔

"بلغت العربيةُ في العصر الجاهلي من قبل التاريخ الى ظهور الاسلام (۶۲۲ء) شأواً بعيداً في النضج والاكتمال كما يدلُّ دلالةً قاطعةً على ان هذه اللغة ترجعُ في اعماق التاريخ الى آمادٍ سحيقةٍ لأنّ هذا التطور الهائل لا يمكن براهةً ان يتمّ بين يومٍ وليلةٍ"۔ [26]

ترجمہ:۔ عربی زبان تاریخ سے قبل عصر جاہلی میں ظہور اسلام ۶۲۲ء تک

---

[25] جرجی زیدان، تاریخ اللغۃ العربیہ ص ۵ طبع القاہرہ ۱۹۶۲ء

[26] دکتور محمد احمد الغرب عن اللغۃ والادب والنقد، ص ۱۱ الطبعۃ الاولی، القاہرہ ۱۹۸۰ء

اپنے عروجِ کمال کو پہونچ چکی تھی۔ تاریخی اعتبار سے اس کی بنیاد کے انتہائی قدیم ہونے پر ٹھوس دلیل پیش کرتی ہے کیوں کہ ظہورِ اسلام کے بعد ایک قلیل مدت میں اس قسم کی بے مثال ترقی ممکن نہیں۔

عربی زبان نشو و نما پاتی رہی اور مختلف علاقوں میں عربوں کے منتشر ہونے کی وجہ سے اس زبان میں مختلف تنوعات پیدا ہوئے اور بہت سے جدید الفاظ اس میں داخل ہوئے۔ عہدِ اموی (۶۶۱ء – ۷۵۰ء مطابق ۴۱ھ – ۱۳۲ھ) میں عربی قبائل شمال کی طرف اور مغرب کی طرف ہجرت کر گئے، فطری طور پر ان کی زبان پر ان علاقوں کا اثر پڑا، لغوی خطا کا بھی ظہور ہوا اس لیے علماءِ عربیہ نے اس زبان کے قواعد کی تحقیق کی اور بے شمار کتابیں لکھیں۔

دورِ عباسی (۷۵۰ء – ۱۲۵۸ء مطابق ۱۳۲ھ سے ۶۵۶) میں عربی زبان جدید دور میں داخل ہو گئی کیوں کہ عربوں کی تہذیب و تمدن میں بے پناہ ترقی ہوئی اس تہذیب و تمدن کا اثر زبان پر ظاہر ہوا اور بے شمار نئے الفاظ اس زبان میں داخل ہو گئے۔ بایں ہمہ اصل زبان محفوظ رہ گئی اور قرآن و حدیث کے توسط سے ہمیشہ کے لیے اصل عربی زبان باقی رہ گئی اس ترقی یافتہ سامی زبان میں علم و ادب کا گرانمایہ سرمایہ محفوظ کر دیا گیا۔ یہ سرمایہ عہدِ عباسی کا مرہونِ منت ہے اور اس عظیم خدمت کے لیے بیت الحکمت کا نام صفحات قرطاس پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا۔

سامی زبانیں

(۱)	اکادی	زبان	اس کی دو شاخیں ہیں	بابلی اور آشوری ۔
۲	کنعانی	〃	اس کی تین شاخیں ہیں ۔	فنیقی، یونی، عبرانی
۳	آرامی	〃	〃 〃 〃	سریانی، کلدانی، نبطی
۴	حامی	〃	اس کی دو شاخیں ہیں	قدیم لیبیائی اور بربری
۵	عربی	〃	〃 〃 〃	مصری اور حمیری ۔
۶	حبشی	〃	〃 〃 〃	تجری اور امحری
۷	حامی سامی	زبان	اس کی دو شاخیں ہیں	۔ قدیم مصری اور قبطی ۔
۸	کوشی	〃	اس کی تین شاخیں ہیں	۔ جالا، صومالی اور بجاوی

پانچواں باب

طریقۂ ترجمہ اور اُس کی صحت

ترجمہ کا صحیح مفہوم ایک زبان سے دوسری زبان میں کسی مواد کو تبدیل کرنا ہے۔ جس طرح عربی زبان سے کسی بھی دوسری زبان میں تبدیلی کا عمل تعجیم کہلاتا ہے۔ اور اس کا عکس تعریب کہلاتا ہے اسی طرح ترجمہ کا لفظ ایک عام لفظ ہے جو تعریب اور تعجیم دونوں پر منطبق ہوتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ترجمہ کا لفظ فارسی زبان سے ماخوذ ہے۔ فارسی میں تراجومان کا لفظ ملتا ہے لیکن جدید تحقیقات سے یہ بات منکشف ہوئی ہے کہ لفظ آرامی فعل "ترجم" سے مشتق ہے اس کا مطلب ہے نصیحت یا تشریح۔ عبرانی لفظ ترجوم بھی آرامی زبان سے مشتق ہے مؤرخ مسعودی کا بیان ہے کہ عراق میں بنی اسرائیل کے پاس ایک زبان ہے جس کو وہ ترجوم کہتے ہیں۔

اس زبان میں وہ عبرانی تورات کی تفسیر کرتے ہیں [1]

اس سلسلے میں صاحب المنجد لکھتے ہیں۔

"ترجم الکلام - فسّرہ بلسانٍ آخر فھو تَرجُمانٌ و تُرجُمانٌ.."

---

[1] المسعودی، التنبیہ والاشراف، ص ۹۶ طبع القاہرہ ۱۹۳۸ء

ویقال ترجمہ بالترکیۃ ای نقلہ الی اللسان الترکی، وترجم عنہ اوضح امرہ"[2]

کلام کا ترجمہ مطلب ہے کسی دوسری زبان میں اس کی تشریح، تشریح کرنے والا ترجمان کہلاتا ہے یا ترجمان مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں نے ترکی میں ترجمہ کیا یعنی ترکی زبان میں مواد کو نقل کیا اور اس نے اپنے بارے میں ترجمہ کیا یعنی اپنی بات کی وضاحت کی

اور صاحب القاموس المحیط لکھتے ہیں۔

"التَرجمانُ کعنفوانٍ وزعفرانٍ المفسر للسان وقد ترجمہُ عنہُ والفعلُ یدلُ علیٰ اصالۃ التاء"[3]

"ترجمان عنفوان اور زعفران کے وزن پر ہے اس کا مطلب ہے کسی زبان کی وضاحت کرنے والا اس کا ترجمہ کیا اور اس کے بارے میں ترجمہ کیا، فعل کے وزن سے ظاہر ہے کہ "ت" اس میں اصلی ہے"

ترجمہ نگاری کا کام ایک بہت اہم کام ہے اور اس کی فنی اہمیت ہے اس سلسلے میں الفاظ کے انتخاب کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ ترجمہ کے کام کے لیے ضروری ہے کہ مترجم ان تمام باتوں سے مزین ہو جن کا مطالبہ مترجم سے کیا جاتا ہے یعنی مستعمل لغات کے میدان میں اس کی معلومات وسیع ہوں، ثقافت وسیع ہو، فکر روشن اور ناقدانہ ہو، ذوق ستھرا ہو اسی طرح حافظ قوی ہو اور لغوی شعور کا مالک ہو۔ ایک مترجم کے لیے ضروری ہے کہ اس کا بیان اس کے علم کی طرح وزنی ہو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جس زبان کا وہ ترجمہ کر رہا ہو اس کی عبارت کا مفہوم ذہن نشین کرلے اور ترجمہ کی زبان کے قالب میں اسے ڈھال دے تاکہ مفہوم زیادہ سے زیادہ واضح ہو سکے، کیفیت کے اعتبار سے علمی ترجمہ کے

---

[2] معلوف لویس، المنجد، ص ۶۰، الطبعۃ الحادیۃ والعشرون طبع بیروت ۱۹۶۲ء

[3] مجد الدین فیروز آبادی، القاموس المحیط الجزء الرابع، ص ۱۱۸۔ الطبعۃ الاولیٰ بیروت ۱۹۵۲ء

لیے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) جس زبان سے ترجمہ کیا جا رہا ہے اس میں مترجم کی مہارت۔

(۲) جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے اس میں مترجم کی مہارت

(۳) علمی ترجمہ کے موضوع میں تخصص۔

(۴) تجربہ جس میں مترجم کو برتری حاصل ہو۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ چاروں شرائط ہمیشہ مترجم میں نہیں پائے جاتے اس لیے بعض ترجمہ شدہ علمی کتابوں میں لغوی کمزوری، تعبیر میں ڈھیلا پن اور علمی اصطلاحات کو بیان کرنے میں پریشانی پائی جاتی ہے، ممکن ہے ان سب کا سبب وسائل کی کمزوری ہو دور عباسی کے تراجم میں بھی اس قسم کی خامیاں ملتی ہیں کیوں کہ حنین بن اسحٰق ان مترجمین میں ایسا واحد شخص تھا جو عربی ثقافت سے گہرا تعلق رکھتا تھا۔

ترجمہ کے سلسلے میں علمی اصطلاحات کی بہت بڑی اہمیت ہے قدیم علوم کے عربی میں ترجمہ کے کام نے علمی اصطلاحات کی ضرورت کو واضح کر دیا۔ کیوں کہ اشخاص اور معانی کے اظہار کے لیے اصطلاحات کی ضرورت تھی، ہزاروں علمی اصطلاحات ترجمہ کی زبان میں داخل ہوئیں جن میں عربی الفاظ کے ساتھ غیر عربی معرب الفاظ تھے یہ اصطلاحات عربی زبان میں داخل ہو کر اس کے الفاظ سے گھل مل گئیں یہ سب عربوں کی قدیم ڈکشنریوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ اصطلاحات قدیم علوم کو بیان کرنے کی قدرت رکھتی ہیں۔ انہیں کی وجہ سے عربی زبان ایک علمی زبان بن گئی اور آج بھی جدید علوم کو بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ترجمہ ایک ایسا اہم کام تھا جس کی بنیاد پر انسانیت کو بہت کچھ حاصل ہوا کیوں کہ عربی زبان کے توسط سے قدماء کے علوم ساری دنیا کے سامنے منظر عام پر آنے کا موقع ملا اور اس کے علاوہ بے شمار بیش قیمت اکتشافات بھی منظر عام پر آئے یہ ترجمہ ہی اکتشافات اور اصطلاحات کو مزید آگے بڑھانے اور علمی کاموں کو مزید اجاگر کرنے میں بہت بڑا ہتھیار ثابت ہوا۔ اس لئے ترجمہ کی اہمیت جس طرح پہلے تھی اسی طرح ہر زمانے میں برقرار رہے گی۔

الغرض ترجمہ ایک ایسا کام ہے جس کے ذریعہ مافی الضمیر کی ادائیگی کے

جاتی ہے، دورِ اُموی میں مختلف مواد کی منتقلی کا کام شروع ہو چکا تھا۔ کیوں کہ مسلمان تہذیب و تمدن میں تیزی کے ساتھ ترقی کی منزل پر گامزن تھے اور تمدن کی ترقی علمی ترقی کو چاہتی ہے مگر چوں کہ یہ دَور دورِ استقرار نہیں کہا جا سکتا اور یہ خالص عربی حکومت تھی اور عرب ابھی سادہ زندگی کے مرحلہ ہی میں تھے اس لیے علوم کے تراجم میں لوگوں نے زیادہ سرگرمی نہیں دکھائی ایک وجہ اور تھی مسلمان شرعی علوم میں منہمک تھے اور ان کا زیادہ وقت انہیں علوم میں صرف ہوتا تھا اس لیے علمی ترجمہ کی رفتار سست رہی دورِ عباسی میں علوم کے تراجم کا کام انتہائی عروج کو پہونچ گیا۔

علوم کی منتقلی میں سریانی زبان اور سریانی علماء کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اسلام سے قبل الرہا شہر سریانیوں کا تہذیبی مرکز تھا جو انطاکیہ کے مقابلہ میں تھا اور ہیلینی دور میں یونانیوں کا ثقافتی مرکز بھی تھا اسی دور میں سریانی زبان کا غلبہ دوسری زبانوں پر ہو گیا۔

نسطوری نصاریٰ مبلغین کی شکل میں ایشیائے کوچک اور جزیرۂ عرب کی اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسی دور میں شام کے اندر رومی حکومت قائم تھی گرجا گھروں میں یونانی زبان استعمال ہوتی تھی۔ چوں کہ یہ زبان نوآبادکاروں کی زبان تھی اس لیے سریانی لوگ اس زبان کو اجنبی سمجھتے تھے۔ اور اپنی قومی زبان سریانی سے محبت کرتے تھے اور مسیحی مذہب کے احکامات کو اسی زبان میں یاد کرتے تھے جس قدر علوم کا ذخیرہ موجود تھا اس کو وہ اسی زبان میں منتقل کرنے لگے تاکہ دینی اعتبار سے اور علمی اعتبار سے بھی وہ ممتاز ہو جائیں یہی سریانی زبان علمی تراجم کا بہت اہم وسیلہ بن گئی اسی زبان کے توسط سے علوم و فلسفہ متمدن دنیا کے ہر خطہ میں اشاعت پذیر ہوئے اور یونانی حکومت کے باہر فارسی شہنشاہیت تک اس کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ اس طرح نسطوری اور یعقوبی سریانیوں نے ترجمہ کے ذریعہ یونانی علوم و فلسفہ کو سریانی نسخوں کے توسط سے عالم عربی کی طرف بھی منتقل کیا۔

ترجمہ کے سلسلے میں سریانیوں اور سریانی زبان کی بڑی اہمیت بھی ہے کیونکہ علوم یونان سے سریانیوں کا تعلق بہت گہرا ہے انہوں نے یونانی علوم کو ترجمہ کے

ذریعہ سریانی زبان میں منتقل کیا اور دورِ عباسی میں بھی یہی لوگ علوم کی منتقلی میں پیش پیش تھے۔ اسلام سے قبل ترجمہ کے دو اسکول قائم تھے۔ دونوں کا طریق کار ترجمہ کے سلسلے میں مختلف تھا۔

(۱) **مدرسہ انطاکیہ** :۔ یہ اسکول لفظی ترجمہ پر زور دیتا تھا۔ اور ترجمہ میں تشریحی عبارت کو بڑھانے کی تائید نہ کرتا تھا بلکہ حاشیہ پر توضیحی عبارت درج کرنے کا قائل تھا اسی وجہ سے اس اسکول کے ماتحت جو تراجم ہوئے ان پر تشریحی حاشیہ اور ملحوظات کثرت سے ملتے تھے، نسطوری سریانی علماء کے نزدیک یہی طریقہ اہم اور قابل قبول تھا۔

(۲) **مدرسہ اسکندریہ** :۔ یہ اسکول تشریحی ترجمہ پر زور دیتا تھا اس اسکول کے ماتحت مترجمین نص سے اشارات کا پتہ لگاتے تھے اور ترجمہ میں ان اشارات کی مدد سے توضیحی عبارات کا اضافہ کیا جاتا تھا۔

عباسی دور میں جب تہذیب و تمدن نے بے انتہا ترقی کی اور عروج کو پہنچ گیا تو علمی کارناموں کی بھی ترقی ہوئی اور انسانیت کا یہ گرانمایہ سرمایہ انسانی دنیا کے سامنے پیش کرنے کا کام مسلمانوں نے اپنے ہاتھ میں لیا یہ انتہائی اہم کام تھا اور اس اہم کام کو انجام دینے کے لیے مسلمانوں نے بے انتہا کوششیں صرف کیں۔ ان علوم کی منتقلی میں انہوں نے اپنے مال و دولت کو بے دریغ پانی کی طرح بہایا اپنے بیش بہا خزانوں کے منہ کھول دیئے اور دوسری زبانوں میں علمی سرمایہ جو کچھ موجود تھا اس کو عربی زبان میں بڑی جد و جہد کے بعد دنیا کے سامنے پیش کیا جس کی اہمیت کا اعتراف تاریخ کے ہر دور میں اہلِ علم نے کیا ہے اور موجودہ دور میں بھی اس کی اہمیت برقرار ہے۔

اسلام سے قبل نسطوری اور یعقوبی عیسائیوں نے سریانی زبان میں یونانی علوم کو منتقل کیا تھا اسلام کے بعد یہی زبان علوم کی منتقلی کا ذریعہ بنی اور اس زبان سے عربی زبان میں بے شمار کتابوں کے تراجم ہوئے اسلام سے قبل چونکہ نصاریٰ ہی علوم کے محافظ تھے اسی لیے اسلامی عہد میں جب علوم کی منتقلی کا کام شروع ہوا تو عیسائی مترجمین کی تعداد زیادہ ہی رہی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سریانی نصاریٰ کے

تعداد مترجمین میں سب سے زیادہ تھی کیوں کہ سریانی لوگ دورِ قدیم میں یونانی علوم کے وارث تھے۔

احمد امین لکھتے ہیں۔

”قام اليونانيونَ بنشر الفلسفةِ اليونانيةِ وخاصةً مذهب الافلاطونيةِ الحديثة في العراق وما حولهُ واخذ وا ينقلونَ الكتب اليونانيةَ الى لغتهم السريانيه وهي إحدى اللُغات الآرامية إنتشرت فيما بين النهرين والبلاد المجاورة لها۔“[۳۵]

یعنی یونانی فلسفہ کی نشر و اشاعت میں سریانیوں کا اہم کردار رہا ہے اور خاص کر عراق اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں جدید افلاطونیت کی اشاعت بھی انہیں کی کد و کاوش کی مرہونِ منت ہے بہت سی یونانی کتابوں کو انہوں نے سریانی میں منتقل کیا۔ یہ زبان آرامی زبان کی ہی شاخ تھی جو جزیرۂ فراتیہ اور اس پاس کے علاقوں میں مستعمل تھی۔

اسی وجہ سے دورِ اسلام میں بھی سریانی نصاریٰ ترجمہ کے کام میں پیش پیش رہے۔ ترجمہ کے سلسلے میں جیسا کہ روایتی اسکولوں کے ماتحت اشارہ کیا کیا گیا یہ دو طریقے استعمال کرتے تھے۔

(۱) **لفظی ترجمہ کا طریقہ**:۔ اس طریقہ میں ہر لفظ کے ترجمہ کی کوشش کی جاتی تھی اور اصل میں جو لفظ ہوتا تھا اس کے ہم معنی الفاظ ڈھونڈ کر لفظی ترجمہ کیا جاتا تھا مثلاً یوحنا بن بطریق نے ترجمہ کے سلسلے میں یہی طریقہ استعمال کیا اس ترجمہ میں کچھ مشکلات بھی درپیش تھیں کیوں کہ ہر لفظ کے مقابلہ میں تمام خصوصیات کے لحاظ سے ہم معنی لفظ ملنا بہت ہی مشکل ہے اس کے علاوہ لفظی ترجمہ سے مطلب اچھی طرح واضح ہی نہیں ہوتا اور ترجمہ کا مطلب جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا گیا کسی مواد کو واضح کرنا ہوتا ہے اور لفظی ترجمہ میں یہ مقصد پورا نہیں ہوتا اس لیے لفظی ترجمہ کا طریقہ زیادہ مقبول نہ ہو سکا۔

---

[۳۵] احمد امین، فجر الاسلام، ص ۱۳۰، الطبعۃ الرابعۃ عشرہ القاہرہ ۱۹۸۶ء

(۲) **توضیحی ترجمہ کا طریقہ:**۔ اس طریقے کے بموجب پوری عبارت کو ذہن نشین کر کے اس کا مطلب دوسری زبان میں شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا جاتا تھا، اس طریقے میں خوبی یہ تھی کہ ادائے مطلب بہت عمدہ طریقے سے ہوتا تھا اور قاری کو ترجمہ بخوبی سمجھ میں آجاتا تھا۔ مثلاً حنین بن اسحاق نے یہی طریقۂ ترجمہ اختیار کیا تھا بلکہ یہی اس طریقہ کا موجد تھا۔ بعد میں لوگوں نے اسی کی تقلید کی اس طریقۂ ترجمہ میں اصلاح کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی۔۔۔ لیکن پہلے طریقے میں اصلاح کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً ثابت بن قرۃ ترجمے زیادہ اصلاح کا کام کیا کرتا تھا۔

چوں کہ بہت سے مترجمین نے پہلا طریقہ اختیار کیا تھا اس لیے بہت سی اصلاح طلب باتوں کو دوسرے مترجمین نے سامنے رکھ کر عربی ترجمہ کو واضح کرنے کی کوشش کی ابن بطریق کے ترجمہ میں دشواری یہ تھی کہ ہر یونانی لفظ کا بدل ملنا مشکل تھا اس وجہ سے تراجم میں بہت سے یونانی الفاظ بعینہٖ برقرار رہے اس کے علاوہ چوں کہ دونوں زبانوں کے محاورات اور جملوں کی ساخت میں فرق ہوتا ہے اس لیے اس فرق سے جو لوگ اچھی طرح واقف نہیں تھے انہوں نے ترجمہ کو مشکل بنا دیا اور اس میں تعقید پیدا ہوگئی۔ اس لیے حنین نے ترجمہ کے سلسلے میں ایک نیا طریقہ ایجاد کیا جس کی بنیاد پر ترجمہ تعقیدِ لفظی ومعنوی ہر طرح سے آزاد ہوگیا اور قاری کے لیے اس کا سمجھنا سہل ہوگیا۔

احمد امین لکھتے ہیں:

"وقد نقلَ حنين الترجمةَ نقلةً جديدةً لإتقانه للغات المختلفة فكان العلماء يذكرون الفرقَ الكبيرَ بينَ ما ترجمهُ حنين وما تُرجم قَبْلَهُ قد كانت ترجمة حنين وافيةً دقيقةً وترجمة من قبله عليلةً سقيمةً"۔ ؎

یعنی حنین نے ترجمہ کو ایک نئی شکل دی کیوں کہ وہ مختلف زبانوں میں مہارت رکھتا تھا اہل علم حنین کے تراجم اور اس کے قبل جو تراجم ہوئے ان میں

بہت بڑا فرق محسوس کرتے ہیں کیوں کہ حنین کا ترجمہ مکمل اور باریک بینی پر مبنی ہے اور اس سے قبل کا ترجمہ کمزور اور لچر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سریانی تراجم میں بہت سی خامیاں موجود ہیں ان میں سے دو کا تذکرہ عموماً مولفین نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

یہ تراجم بالکل ترجمہ ہی ترجمہ تھے ان میں ایجاد و اختراع کا کوئی دخل نہیں تھا اور نہ جدید نظریات و خیالات پیش کیے گئے تھے بلکہ ہو بہو قدیم کتابوں کو نقل کر کے رکھ دیا تھا ایک طرح سے یہ امانت داری کہی جاسکتی ہے کیوں کہ مترجمین نے اپنی علمی دیانت داری کو سامنے رکھ کر ایجاد و اختراع کو دخل نہیں دیا بلکہ قدیم علوم کا سرمایہ جوں کا توں ہمارے سامنے رکھ دیا۔ اس سلسلے میں احمد امین لکھتے ہیں۔

> "وکان ھؤلاء السریانیون ینقلونَ العلوم الیونانیۃ بدقۃ وامانۃٍ فیما لا یمس الدین کالمنطق والطبیعۃ والطبّ والریاضۃ اما الالٰھیات ونحوھا فکانت تعدل بما یتفقُ والمسیحیۃ حتی لقد حوّلوا افلاطون فی کتاباتھم الی راھبٍ شرقی .. وھذہ ھی الطریقۃ التی سلکھا المسلمون بعدُ فقد اغفلوا من الالٰھیات کثیراً مما یخالف تعالیم الاسلام"۔[7]

یعنی سریانی لوگ علوم یونان کو باریک بینی اور امانت داری سے منتقل کرتے تھے خاص طور پر جن علوم کا تعلق دین سے نہیں ہوتا تھا ان میں تغیر کو دخل نہیں دیتے تھے مثلاً منطق، طبعیات، طب اور ریاضیات میں تبدیلی نہیں کرتے تھے لیکن الٰہیات میں مسیحی مذہب کے مطابق اصلاحات کی جاتی تھیں یہاں تک کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں افلاطون کو ایک مشرقی راہب کی شکل دے دی۔ اسی طریقے کو مسلمانوں نے بھی استعمال کیا اور اسلام کے خلاف تعلیمات کو الٰہیات کے سلسلے میں نظر انداز کر دیا۔

بقیہ حاشیہ ۱۰۵

[6] احمد امین ضحی الاسلام الجزء الاول ص ۳۰۲، الطبعۃ الثالثۃ القاہرہ سنہ ۱۹۳۸ء

[7] احمد امین فجر الاسلام، ص ۱۳۱، الطبعۃ الرابعۃ عشرہ القاہرہ سنہ ۱۹۸۶ء

(۲) دوسرے یہ کہ تراجم وقت نظری کے ساتھ نہیں کیے گئے تھے بلکہ ان میں تغیر اور تحریف واقع ہوا تھا۔ مؤلف تاریخ الحکماء الٰہیات کے علاوہ ارسطو کی تصانیف میں تحریفات کا قائل ہے وہ لکھتے ہیں۔

"مقام افسوس ہے کہ جن حضرات نے تصانیف ارسطو کو یونانی، سریانی، رومی، فارسی اور عربی زبان میں منتقل کیا ہے انہوں نے قدم قدم پر تحریف سے کام لیا ہے۔

ارسطو کا مطلب کچھ تھا اور ترجمہ کچھ کر دیا۔ ابو نصر فارابی اور ابن سینا صرف دو ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے ارسطو کے خیالات نہایت دیانت داری سے بیان کیئے [۸]

اس کا مطلب یہ ہے کہ سریانی تراجم میں مترجمین عموماً حذف و اضافہ سے کام لیتے تھے لیکن جیسا کہ احمد امین نے لکھا ہے یہ حذف و اضافہ الٰہیات کے سلسلے میں تھا اور تمام علوم میں اسکو دائر تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور قفطی کی عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ الٰہیات کے علاوہ دیگر تصانیف میں مترجمین عموماً حذف و اضافہ سے کام لے کر اصلاحی ترجمہ کا طریقہ اختیار کرتے تھے۔

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ جن کتابوں کے ترجمے کیے گئے ان کی عبارت میں اصالت باقی نہیں رہی کیوں کہ ان ترجموں میں جیسا کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ نہایت کثرت سے تحریفات واقع ہوئیں۔ [۹]

ان تحریفات کا مطلب بھی یہی ہونا چاہیئے کہ ان تراجم میں حذف و اضافہ سے کام لیا گیا تھا اور عبارت کو نقل کرنے میں پوری دیانت داری کو اختیار نہیں کیا گیا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ان تحریفات کے ساتھ جو ترجمے کیے گئے تھے وہ مبہم تھے اور باہم

---

[۸] القفطی، تاریخ الحکماء، ص ۸۵، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

[۹] حاجی خلیفہ، کشف الظنون، الجزء الاول، ۹۴۴ طبع اول دار الفکر بیروت ۱۹۸۲ء

ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ اس سلسلے میں مولف تاریخ فلسفہ اسلام لکھتے ہیں۔

“شامیوں بالخصوص سرجیس راسعینی کے ترجمے بالعموم صحیح ہوا کرتے تھے خصوصاً اخلاقیات اور مافوق الطبیعات کی کتابوں کی بہ نسبت منطق اور سائنس کی کتابوں کے ترجمے اصل سے زیادہ مطابقت رکھتے تھے ان کتابوں میں بہت سے غیر واضح مقامات تھے جو غلط سمجھے گئے یا سرے سے چھوڑ ہی دیئے گئے اور بہت سے وثنی عقائد تھے جن کی جگہ مسیحی عقائد لکھدیئے گئے۔”[5]

حقیقت یہ ہے کہ سریانی تراجم میں خامیاں موجود تھیں اور خامیاں عربی تراجم میں بہت حد تک دور کر دی گئیں اور مسلمانوں نے زیادہ صحت وضاحت اور دقت نظری کے ساتھ یونانی علوم کے تراجم کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور ایجادو اختراعات بھی کیے اس سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں نے یونانی علوم وفنون پر تنقیدی نگاہ ڈالی اور متکلمین نے منطقی اصول وقواعد پر اعتراضات کیے بہرحال دور اسلام میں علوم یونان کا ترجمہ اسلام کے سایہ میں اور خلفاء کی نگرانی میں انجام پاتا رہا عربوں نے یونان کے تہذیبی ورثہ کو حاصل کرنے کی منظم کوشش کی، اس منتقلی کے کام میں مترجمین بہت مشکلات سے دوچار ہوئے کیوں کہ ان کے پاس ڈکشنریاں موجود نہیں تھیں۔

لیکن ان فاضل مترجمین نے اپنی مشکلات کو حل کرنے کے لیے کئی طریقے اختیار کیے ان میں سے کچھ طریقے حسب ذیل ہیں۔

(۱) اصل الفاظ کا مناسب ترجمہ کر لیا۔

(۲) ان کو معرب بنا لیا۔

(۳) شہرت کی بناء پر بعض الفاظ کو اصلی شکل میں باقی رکھا۔

عربی زبان بہت وسیع زبان ہے اور اس زبان میں وضع اصطلاحات

---

[5] دو بوئر، ٹی۔ جے، تاریخ فلسفہ اسلام (مترجم ڈاکٹر عابد حسین) (اردو ترجمہ) ص ۲۲ طبع اول دہلی ۱۹۴۲ء

بہت سہل تھا، عربی زبان کے بارے میں صاحب طب العرب لکھتے ہیں۔

عربی دماغ ایک روشن دماغ اور عرب ذہانت حقیقی ذہانت ہے عربی پُرزور اور مردانہ زبان ہے جس میں ہر حیثیت سے الفاظ کا ذخیرہ موجود ہے قدیم عرب مناظر قدرت کا مطالعہ کرتے تھے اور ان تمام چیزوں کے لیے جو ان کی نظر سے گذرتی تھیں، عربی میں بہترین اور موزوں ترین الفاظ تھے۔۔ عربوں کو یونانی عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے بسا اوقات جدید اصطلاحات وضع کرنی پڑیں، اس کے لیے اصل یونانی الفاظ کا عربی میں ترجمہ کر دیا گیا یا یونانی الفاظ کو معرب بنا لیا گیا، یونانی الفاظ کو اصل صورت میں رہنے دیا گیا۔'' [۱۱]

الغرض تراجم کے سلسلے میں مترجمین عموماً دو طریقوں کی اتباع کرتے تھے ایک ترجمہ لفظی اور دوسرا ترجمہ توضیحی کا کام سریانی زبان میں بہت سرگرمی سے انجام پاتا رہا اور دورِ اسلام میں ان ترجموں سے مدد لے کر عربی زبان میں بہترین تراجم پیش کیے گئے سریانی تراجم کے بارے میں ایم یوگستن کے حوالے سے۔ ای۔ جی براؤن لکھتے:

"میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کرتا کہ سریانی زبان میں واضح تراجم مفقود ہیں لیکن یہ کہنے کی ضرور جرأت کرتا ہوں کہ اکثر سریانی تراجم میں انداز بیان درست نہیں اور عبارت میں تعقید ہے، الفاظ کو صحیح ڈھنگ سے استعمال نہیں کیا گیا کیونکہ سریانی مترجمین لفظی ترجمہ پر زور دیتے تھے تاکہ یونانی متن ہو بہو پیش کیا جا سکے۔ بعض اوقات سریانی مترجمین مشکل عبارت پیش آنے پر ہر یونانی لفظ کے بالمقابل سریانی لفظ رکھ دیتے تھے اور بعض اوقات یہ مترجمین یونانی الفاظ و اصطلاحات کو سمجھنے کی قدرت نہ رکھنے پر سریانی حروف میں یونانی عبارت کو لکھ دیتے تھے۔'' [۱۲]

اس کے برخلاف عربی تراجم میں ضبط و احتیاط کو بہت زیادہ کام میں لایا گیا

---

[۱۱] ایڈورڈ جی براؤن، عربین میڈیسن، ص ۴۲، طبع دوم لاہور ۱۹۶۹ء

[۱۲] " " " ص ۲۳ " " (اردو ترجمہ حکیم سید احمد شیر واسطی)

تھا بعض دفعہ مترجمین ترجمہ کرتے وقت کئی یونانی نسخوں میں تقابل بھی کیا کرتے تھے۔ عربی زبان چوں کہ ایک وسیع زبان تھی اس لیے ترجمہ کرتے وقت کسی قسم کی دقت وصعوبت کا احساس نہیں ہوا۔ صرف مترجم کی علمی استعداد اس سلسلے میں اہمیت کی حامل تھی۔

اس سلسلے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

" ترجموں کی صحت اور غلطی کا ہم مجتہدانہ فیصلہ نہیں کرتے لیکن یہ امر صاف نظر آتا ہے کہ مسلمانوں نے ترجمہ کو اصل زبان سے آزاد کر دیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ منطق فلسفہ ہیئت ہندسہ اور طب میں سینکڑوں ہزاروں اصطلاحی الفاظ تھے لیکن ان سب کے مقابل میں عربی کے ایسے مناسب الفاظ انتخاب کیے گئے کہ گویا یہ علوم اسی زبان میں پیدا ہوئے تھے"۔ [۱۳]

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ عربی تراجم ہر اعتبار سے مکمّل تھے اور ان میں کسی قسم کی خامی نہیں تھی۔ ابن ابی اصیبعہ نے ان تراجم کی خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سریانی کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی علوم موجود تھے اور حکمت واخلاق کا وافر ذخیرہ ان میں پایا جاتا تھا دورِ عباسی میں جب علوم کی منتقلی کا مسئلہ درپیش آیا تو سب سے زیادہ توجہ یونانی اور سریانی زبانوں کی طرف دی گئی کیوں کہ انہیں دو زبانوں میں علم کا سرمایہ سب سے زیادہ موجود تھا اور مسلمانوں نے بڑی عرق ریزی سے بذریعہ ترجمہ عربی زبان میں ان علوم کو منتقل کیا اور اس طرح یہ زبان علم سے مالا مال ہوگئی، فارسی زبان بھی ایک ترجمہ کی زبان تھی کیوں کہ تاریخ اخلاقیات کا وافر ذخیرہ اس میں بھی موجود تھا اور انہیں شعبوں سے متعلق کتابوں کے تراجم عربی زبان میں کیے گئے۔

اور اس سلسلے میں ابن المقفع حسن بن سہل، جبلہ بن سالم وغیرہ نے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ یہ تراجم پہلوی زبان سے عربی میں ترجمہ کرتے وقت خوبصورتی سے فارسی کی اصطلاحات عربی میں منتقل کی گئیں اس قسم کی اصطلاحات زردشتیوں

---

[۱۳] علامہ شبلی، رسائل، ص ۱۹۴، طبع علی گڑھ ۱۹۹۸ء

کے وساتیر میں موجود تھے مترجمین نے فارسی سے ترجمہ کرتے وقت ان اصطلاحات کو عربی کا جامہ پہنایا جن کا اندازہ حسبِ ذیل نقشہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

نمونۂ اصطلاحات فلسفہ وطب وغیرہ

پہلوی	عربی	پہلوی	عربی
کسی	تشخص	زنجیر	تسلسل
نوشدہ	حادث	آیغ	حقیقت
فروترہ	صفت	جاشناس	فصل
پرتوی	اشراقی	رہبر	دلیل
رہبری	مشائی	ہماوی	کلی
بریں فرہنگ	الہیات	بازتازی	جزوی
مایہ	ہیولی	اوچیز	ہویت
پیکر	صورت	چہارآمیزہ	اخلاط اربعہ
شایستہ ہستی	ممکن الوجود	بازگیر	اعتراض
بایستہ ہستی	واجب الوجود	جنبش شمیوی	حرکت قسری
تخمیس انداز خرد	بالبداھۃ	آتشکیوہ	مرکب
چرخہ	دور	کاموس	بسیط

یونانی ولاطینی الفاظ عربی ترجموں میں خال خال اب بھی موجود ہیں مثلاً اصطلاحاتِ طبی میں کیموس، کیلوس، مالیخولیا۔ تریاق۔ نقرس قولنج وغیرہ۔ لیکن یہ تمام الفاظ اس بات کی یادگار ہیں کہ ان علوم کا ماخذ یونان ہے۔ [سلہ]

[سلہ] علامہ شبلی، رسائل، ص ۱۹۵ طبع علی گڑھ ۱۸۹۸ء

چھٹا باب

عہد مامون تک عربی تراجم کی تاریخ

عرب دُنیا اسلام سے قبل جہالت کے اندھیرے میں پڑی ہوئی تھی یہاں تک کہ خدا کی رحمت نے عربوں کو براہِ راست اور ساری دُنیا کو بالواسطہ اپنی آغوش میں لے لیا اور ۶۲۲ء میں نورِ اسلام کی کرن پھوٹی جس سے ساری عرب قوم جاگ اٹھی، پھر بیداری کی روشنی میں تہذیب و تمدن کے میدان میں بھی اُس نے زبردست پیش قدمی کی اور دنیا کے مختلف گوشوں میں شمع ہدایت کو لے کر سیلِ رواں کی طرح باطل کے خس و خاشاک کو بہاتی چلی گئی۔ اور عرب جزیرۂ عربیہ سے نکل کر مختلف قوموں اور ثقافتوں سے مختلط ہو گئے۔

عرب جس وقت جزیرۂ عربیہ سے نکلے اس وقت طبیعیات سے متعلق ان کو تھوڑا سا علم حاصل تھا اور علم طب سے ان کو کم واقفیت تھی وہ جزیرۂ عربیہ سے نکل کر مختلف قوموں سے ٹکرائے اور مختلف اقوام کے علوم کی طرف انہوں نے توجہ دی اس

کا حقیقی سبب دورِ جاہلی کے علوم و معرفت نہیں تھے بلکہ دینِ اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ چونکہ نظری علوم کا دائرہ وسیع ہو گیا اس لیے مختلف علوم کی طرف ان کی توجہ منعطف ہو گئی۔

جن قوموں پر عربوں نے فتوحات حاصل کیں ان میں طبعیات اور فلسفہ کا عروج تھا انہوں نے یونان، مصر، کلدان اور فنیقی اقوام سے ان کو ورثہ میں حاصل کیا۔ صدرِ اسلام میں مسلمان فتوحات اور قرآن و حدیث کے مطالعہ میں اور شرعی احکامات کی تعمیل میں اس قدر منہمک تھے کہ غیر قوموں کے علوم سے وہ بالکل بے نیاز تھے تمدن میں زیادہ پیچیدگی پیدا نہیں ہوئی تھی اور اسلامی فلسفہ نے ان کو دیگر اقوام کے فلسفہ سے اس طرح مصروف رکھا کہ دیگر اقوام کے علوم اور فلسفے ان کی نظر سے دُور دُور رہے۔ لیکن دورِ اموی میں چند اسباب کی بنا پر حکام اور امراء دیگر اقوام کے علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور چہار دانگ عالم میں پھیلے ہوئے مدارس سے اُن کا اتصال ہوا اور انہوں نے ان سے فیضیاب ہونے کی کوشش کی۔

اُموی سلطنت کے مختلف اطراف میں طب، فلسفہ اور دیگر علوم کے مدارس قائم تھے، ان میں جندیسا پور، اسکندریہ، حرّان اور کے مدارس شہرت کے حامل تھے۔

جب عربوں کی توجہ علوم و فنون کی طرف مرکوز ہوئی تو غیر قوموں کے معاشرہ اور ان کی ثقافت سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے ان علوم و فنون کی تحصیل میں خاطر خواہ آسانی ہوئی دوسری طرف عہدِ اموی میں شاہی محل کے اندر تعلیم یافتہ نصاریٰ معروفِ عمل تھے۔

فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ عرب عجمیوں کے ساتھ سکونت پذیر ہو گئے۔ مثلاً کوفہ کے نصف باشندے تقریباً غیر عربوں پر مشتمل تھے۔ یہ لوگ مختلف صنعت و حرفت پر قابض تھے، بصرہ کے صراف سندھی قومیت رکھتے تھے۔

احمد امین لکھتے ہیں۔

"ان اکثر من نصف سکان الکوفۃ کانوا من الموالی وکان ھؤلاء الموالی یحتکرون الحِرف والصناعۃ والتجارۃ وکان اکثرھم فُرساً فی

جنسهم ولغتهم ... واذا كانت هذه الامم المفتوحة ارقى من العرب مدنيةً وحضارةً واقوى نظماً اجتماعيةً كان من الطبيعي ان تسود مدنيتهم وحضارتهم ونظمهم"[1]

ترجمہ:— کوفہ کے نصف سے زیادہ باشندے غیر عرب تھے یہ غیر عرب باشندے صنعت حرفت و تجارت کے تنہا مالک تھے اپنی قومیت اور لغت کے اعتبار سے یہ زیادہ تر فارسی قوم سے تعلق رکھتے تھے چونکہ یہ مفتوح اقوام تہذیب و تمدن میں عربوں سے بڑھی ہوئی تھیں اور سماجی نظام بھی ان کا زیادہ قوی تھا اس لیے فطرتاً ان کا تہذیب و تمدن اور نظام غالب آ گیا۔

اس طرح عرب اور عجم ایک ساتھ بستے چلے گئے اس اختلاط کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں نے دوسری قوموں کی ثقافت کو جاننے کی رغبت ظاہر کی، ثقافت کے اہم مراکز میں نصاریٰ کی خانقاہیں بھی تھیں، ابتدا میں عرب سیر و تفریح کے لیے وہاں جاتے تھے لیکن یہ خانقاہیں ثقافتی معلومات بہم پہونچانے کا اہم ذریعہ بن گئیں۔ دورِ اُموی میں عجمیوں کے ساتھ عربوں کا ثقافتی اتصال محدود نہیں تھا۔ بلکہ دمشق اور قسطنطنیہ کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہونے کے علاوہ چین تک بھی وفود پہونچے ہوئے تھے۔

مؤرخین نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ حاکم چین نے ان کو تحفہ تحائف پیش کیے تھے اور ان تحائف میں ایک اہم کتاب بھی شامل تھی۔

بہر حال عربوں کا اتصال غیر قوموں سے گہرا ہوا اور تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ علوم سے استفادہ کی تحریک بھی زور پکڑنے لگی جس کے نتیجہ میں ترجمہ کی تحریک کی ابتدا ہوئی دراصل ترجمہ کی تحریک کی ابتداء حکومت بنی امیہ کے بانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (متوفی سنہ ۶۰ھ مطابق ۶۷۹ء) کے زمانہ سے ہو چکی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے پیش رو سلاطین کی سیرت کو معلوم کرنے کے بہت زیادہ شوقین تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے کچھ لوگوں کو مقرر کیا تھا جو اُن کے لیے ماضی کے قصوں کو پڑھ کر سناتے تھے۔

جرجی زیدان اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تاریخی کتابیں یونانی اور لاطینی زبانوں میں دستیاب تھیں، لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا ترجمہ عربی زبان میں کر کے سناتے تھے یعنی ان کا ترجمہ پہلے عربی میں موجود ہوتا تھا پھر اسی عربی ترجمے کو پڑھ کر سنایا جاتا تھا ورنہ فوری طور پر ترجمہ کر کے سنانا مشکل ہے۔ [2]

خلفائے بنی امیہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بہت فراخ دل واقع ہوئے تھے اپنے دربار میں غیر قوموں کے علماء اور حکماء کی ہمت افزائی کی ابتداء انہوں نے ہی کی تھی انہوں نے دمشق کے ایک عیسائی طبیب ابن اثال کو اپنا طبیب خاص مقرر کر لیا تھا۔ جس پر ان کو بہت بھروسہ تھا۔ [3]

کہتے ہیں کہ اس طبیب نے یونانی زبان سے عربی زبان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بعض طبی کتابوں کا ترجمہ کیا تھا اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں ایک اور عیسائی طبیب ابو الحکم تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد شہزادہ خالد بن یزید پہلا شخص ہے جس نے علوم کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ ابن الندیم لکھتے ہیں کہ خالد بن یزید (متوفی سنہ ۸۵ھ مطابق سنہ ۷۰۴ء) بنی امیہ کا مشہور فلسفی عالم و فاضل شخص تھا علم کیمیا کا خوگر تھا اس نے مصر سے چند یونانی فلاسفہ کو اپنے پاس بلایا اور یونانی زبان میں موجود کیمیا کی کتابوں کا عربی ترجمہ کرایا۔ [4]

اصطفن القدیم نے اسی شہزادہ کے لیے متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا، عموماً ان کتابوں کا تعلق علم کیمیا سے تھا۔ اور خالد بن یزید کے سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے یونانی منطق کی بعض کتابوں کا بھی ترجمہ کرایا۔ ان میں ارجانون کا ترجمہ عربی میں کیا گیا

بقیہ ص ۱۱۷

[1] احمد امین، فجر الاسلام، ص ۹۳، الطبعۃ الرابعہ عشرہ، القاہرہ ۱۹۸۶ء

[2] جرجی زیدان تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ج ۱ ص ۲۵۳، طبع القاہرہ سنہ ۱۹۹۲ء

[3] ابن ابی اصیبعہ، طبقات الاطباء، ص ۱۱۶ طبع بیروت ۱۹۶۵ء

[4] ابن الندیم، الفہرست، ص ۳۵۲، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

اور جاآنون منطق پر ارسطو کی کتابوں کا ایک مجموعہ ہے۔ خالد سے پہلے عرب اطباء و حکماء علوم حکمیہ کو یونانی اور سریانی زبان سے براہ راست حاصل کرتے تھے مسلمانوں میں فن کیمیا کی تحصیل کی ابتداء اسی اموی شہزادہ سے ہوئی راہب سریانوس نے بھی کیمیا کی بعض کتابوں کا ترجمہ اس کے لیے کیا۔

خالد بن یزید ایک خلیفہ کا بیٹا اور دوسرے خلیفہ کا پوتا تھا۔ آنکھ کھولی تو خاندان میں جاہ و ثروت کی فراوانی پائی، خالد بن یزید بھی اسی خاندانی جذبۂ داد و دہش کے تسکین کے لیے خلافت کا متمنی تھا۔ مگر خلیفۂ وقت کی بدنیتی سے اسے اس سے محروم ہونا پڑا، خوشامدی حاشیہ نشینوں نے مہوسی و کیمیاگری کا مشورہ دیا۔ مصر یوں بھی سری علوم کے لیے مشہور تھا خالد نے وہاں سے کیمیا کے یونانی و قبطی ماہرین کو بلایا اور ازدیاد دولت کے لالچ میں اس پر بے دریغ روپیہ خرچ کرنا شروع کیا اب اس کا مشغلہ کیمیا اور مہوسی ہی رہ گیا تھا کسی نے خالد کو اس پر ٹوکا تو جواب دیا۔

"میری غرض اس شغل سے صرف اتنی ہے کہ اپنے دوستوں اور بھائی بندوں کو روپیہ پیسے کی طرف سے مستغنی بنا دوں، مجھے حصولِ خلافت کی امید تھی مگر نا کام رہا' اس کے بعد حصول مال کا میرے پاس یہی بدل رہ گیا کہ میں کیمیاگری میں دستگاہ عالی حاصل کر لوں تا کہ میرے روشناسوں میں کوئی شخص دوسروں کے آستانوں پر جبہ سائی کرنے نہ جائے۔ [۵]

اس سلسلے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

"خالد کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بڑے حوصلے کے ساتھ غیر زبانوں کے ترجمے پر توجہ دی اس زمانے میں فلسفہ وغیرہ کی تعلیم یونان سے منتقل ہو کر مصر آ گئی تھی۔ اور یونانی نسل کے حکما اور اہل فن یہاں کے مدرسوں میں پڑھتے پڑھاتے تھے۔ مصر جب اسلام کے قبضہ میں آیا تو وہاں کی زبان عربی ہو گئی' یہ حکماء عربی زبان پڑھنے اور لکھنے پر قادر تھے۔ خالد نے ان لوگوں کو بلا کر یونانی اور قبطی زبان کی کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ [۶]

---

[۵] مجلہ اسلام اور عصر جدید، جلد ۲ شمارہ ۳، جولائی ۱۹۷۰ء جامعہ نگر نئی دہلی

[۶] علامہ شبلی، رسائل ص ۱۶۵، طبع علی گڑھ ۱۸۹۸ء

اس کے بعد مروان بن حکم (متوفی ۶۵ھ مطابق ۶۸۴ء) کے زمانے میں ایک مشہور یہودی طبیب ماسرجویہ بصری نے اھرن کی کناش (قرابادین) کا سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا (۹۵ھ مطابق ۸۰۰ء) بعض مورخین نے ماسرجویا کو ماسرجیوس لکھا ہے۔ اس نے کناش کے مضامین میں دو مضامین کا اضافہ کیا ہے، اصل کتاب میں تیس مضامین تھے۔ [۷] اھرن اسکندریہ کے ان طبیبوں میں سے تھا جو دورِ ھرقلی (۶۱۰ - ۶۴۱ء) میں موجود تھے یہ کتاب یونانی زبان میں تھی پھر اس کا ترجمہ سریانی میں ہوا اور ماسرجویہ نے سریانی سے عربی میں کیا یہ اھرن کی کناش جس کا ترجمہ یا تفسیر ماسرجویہ نے کی تھی ایک بہت اہم طبی کتاب تھی جو مروان کے زمانے سے شاہی کتب خانے میں محفوظ چلی آ رہی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۲ھ مطابق ۷۲۰ء) کے زمانے میں بذریعہ استخارہ عوام کے لیے اس کی اشاعت ہوئی اس سلسلے میں صاحب طبقات الاطباء لکھتے ہیں۔

"ان ماسرجویه کان فی ایام بنی امیة وانه تولّی فی الدولة المروانیه تفسیر کتاب اهرن بن اعین الی العربیة الذی وجده عمر بن عبد العزیز رحمه الله فی خزائن الکُتب فامر باخراجه ووضعه فی مصلاهُ واستخار الله فی اخراجه الی المسلمین للانتفاع به فلما تم لهُ فی ذلک اربعون صباحًا اخرجهُ الی الناس وبثه فی ایدیهم" [۸]

ترجمہ:- ماسرجویہ دورِ اموی کا حکیم تھا اور حکومت مروانیہ کے دور میں اھرن کے کتاب کی شرح عربی زبان میں لکھی اسی کتاب کو عمر بن عبدالعزیز نے شاہی کتب خانہ میں پایا تھا انہوں نے اسکو نکلوایا اور مصلیٰ پر رکھا اور مسلمانوں کے نفع کے لیے استخارہ کیا اور چالیس دن تک استخارہ کرکے مسلمانوں میں اس کی اشاعت کی۔

عربی میں ترجمہ کی تحریک میں سرگرمی پیدا کرنے کے دیگر اسباب بھی تھے ان

---

[۷] ابن الندیم "الفہرست"، ص ۴۲۸، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

[۸] ابن ابی اصیبعہ "عیون الانباء فی طبقات الاطباء"، ص ۲۳۲، طبع بیروت ۱۹۶۰ء

اسباب میں حرکت تعریب بھی ایک اہم سبب تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مالگزاری اور خراج وغیرہ کا نظام عہدِ اموی میں سب کا سب غیر ملکی زبانوں میں قائم تھا مثلاً عراق میں فارسی مصر میں قبطی زبانوں میں دفتری کام ہوتے تھے اور عہدیدار عموماً مجوسی یا عیسائی تھے اسی لیے عبدالملک بن مروان (۸۶ھ – ۶۵ھ مطابق ۷۰۵ء – ۶۸۴ء) نے سب سے پہلے عراق مصر اور شام کا دفتر عربی میں منتقل کیا یہ حرکت تعریب صرف سرکاری زبانوں تک محدود تھی اس کے بعد ولید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک نے اس سلسلے میں کام کو جاری رکھا اور حرکت تعریب کو درجۂ تکمیل تک پہونچایا۔

ہشام بن عبدالملک (۱۲۵ھ–۱۰۵ھ مطابق ۷۴۳ء – ۶۹۱ء) کے عہد میں حرکت تعریب کے ساتھ ساتھ علوم کے تراجم کا کام بھی ہوا۔ ہشام کا میر منشی ابو العلاء سالم مشہور صاحب قلم تھا اور غیر ملکی زبانوں میں بھی مہارت رکھتا تھا، اس نے سکندر کے نام ارسطو کے بعض رسائل کا ترجمہ عربی میں کیا۔ ۹؎

عباسی دور کی ابتداء (۷۴۹ء مطابق ۱۳۲ھ) میں ہوئی یہ عہد اسلام کا عہدِ زریں کہلاتا ہے اس عہدِ زریں میں اسلامی سلطنت تمدنی معاشی اور سیاسی اعتبار سے انتہائی عروج کو پہنچ گئی تھی۔ اسی صدی میں تمام اہم اسلامی علوم نے نشوونما پائی اس کے علاوہ دوسری زبانوں سے مختلف علوم عربی میں منتقل کیے گئے اس زمانے میں بغداد کو بہت بڑی علمی حیثیت حاصل تھی، خلفاء کے دربار میں علماء اطباء، شعراء اور ادیبوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ اس وقت عالم اسلام میں عباسیوں کی سیادت کا اثر تمام اقطارِ عالم پر تھا اس وقت یورپ پر جہالت کا دور دورہ تھا یہاں تک کہ خود مغربی مورخین اپنے اس دور اور اس سے قبل ادوار کو قرونِ مظلمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

عصرِ عباسی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس عہد میں خلفاء اور امراء دونوں علم و ادب کی تحصیل میں مصروف نظر آتے ہیں منصور رشید، مامون اور اُن کے اقرباء وزراء کے علمی مصروفیات سے ادبی و علمی تاریخ بھری پڑی ہے اُن کی زندگی کے یہ کارنامے رعایا کے لیے بھی علمی اشتیاق کا باعث ہوئے۔ اس دور میں فکر انسانی قیود سے آزاد

۹؎ ابن الندیم، 'الفہرست'، ص ۱۱۳، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

ہو گئی جس کی بناء پر بدعت کا اضافہ ہوا۔ اور مختلف فرقے پیدا ہوئے، مامون تمام خلفاء میں مذہبی امور میں صلح جوئی کے بجائے جبر کا رجحان رکھتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس نے خلقِ قرآن کے مسئلہ میں معتزلہ کی تائید کی، ان خلفاء میں سے منصور رشید اور مامون نے اجنبی علوم کو یونانی، فارسی، سریانی اور ہندی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کرایا۔

عباسی دور میں ترجمہ کا کام خلیفہ منصور (المتوفی ۱۵۸ھ مطابق ۷۷۵ء) کے زمانہ میں شروع ہوا اس خلیفہ نے جورجیس بن جبرئیل کو جو جندیسا پور کے شفاخانہ کا رئیس الاطباء تھا طبی کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا اور منصور نے اپنے خاص معالج کے طور پر اس کا انتخاب کیا[10] اسی طرح منصور نے ابن البطریق کو بعض قدیم کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا اس نے بقراط اور جالینوس کی بعض طبی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ اسی خلیفہ کے دورِ حکومت میں ہیئت کی ایک کتاب سدھانت کو سنسکرت زبان سے عربی میں منتقل کیا۔ جس کو ہندوستان کے ایک ریاضی داں نے (۱۵۴ھ مطابق ۷۷۱ء) یا ۱۵۶ھ مطابق ۷۷۳ء میں منصور کی خدمت میں پیش کیا۔ اور اسی کتاب کی مدد سے محمد بن ابراہیم فزاری نے عربی میں ایک کتاب تیار کی جو السند الہند الکبیر کے نام سے مشہور ہوئی ان کے علاوہ یونانی، سنسکرت اور ایرانی علوم و فنون کا بڑا ذخیرہ فارسی زبان میں موجود تھا کیوں کہ اسلام سے پہلے ایرانیوں نے فارسی زبان میں منطق اور طب کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کر لیا تھا عبداللہ بن مقفع وغیرہ نے ان کا ترجمہ عربی میں کیا۔ ارسطو کی تین منطقی کتابوں میں قاطیغوریاس باری ارمینیاس اور انالوطیقا کے ترجمے ہوئے منطق کی کتابوں کا یہ سب سے پہلا ترجمہ تھا جو عہدِ منصور میں کیا گیا۔[11]

اسی دور میں عبداللہ بن المقفع نے علم اخلاق کی ایک کتاب کلیلہ و دمنہ کے نام سے فارسی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا۔ اس مترجم نے تاریخ و اخلاق کی اور بھی متعدد کتابوں کے ترجمے فارسی زبان سے عربی میں کیے مثلاً کتاب التاج الادب الکبیر، الادب الصغیر اقلیدس اور طبعیات کی کتابیں تھیں جو روم کے کتب خانوں میں گمنامی کی حالت میں

---

[10] مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، حصہ اول، ص ۴۶، طبع اول اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

[11] القفطی جمال الدین، تاریخ الحکماء، ص ۸۴، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

پڑی ہوئی تھیں ابو جعفر منصور نے قیصرِ روم سے ان کتابوں کو طلب کیا تھا جنھیں پڑھ کر مسلمانوں کے دلوں میں دیگر علوم کا شوق پیدا ہوا۔

اس سلسلے میں احمد امین لکھتے ہیں۔

”فی ھذا الدور تُرجِمَ کلیلة و دمنة من الفارسیة و السند ھند من الھندیة وتُرجمت بعض کُتب ارسطا طالیس فی المنطق وغیرہ و تُرجِمَ کتاب المجسطی فی الفلك ومن اشھر المترجمین فی ھذا الدور ابن المقفع وجورجیس بن جبرئیل و یوحنا بن ماسویہ وکلا ھما کان طبیبًا نصرانیًا و ھذا الدور اتصلت المعتزلةُ بالکتب التی تُرجمة وتاثرت ابحاثھم بالمنطق“ [۱۲]

ترجمہ: اس دور یعنی دورِ منصور و رشید میں کلیلہ و دمنہ کا فارسی سے اور سدھانت کو سنسکرت سے اور ارسطو کی بعض منطقی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا گیا اور فلکیات میں مجسطی کا ترجمہ ہوا۔ اس دور کے ... مشہور مترجمین میں ابن المقفع جورجیس بن جبرئیل اور یوحنا بن ماسویہ قابلِ ذکر ہیں آخری دونوں نصرانی طبیب تھے اسی دور میں معتزلہ کا تعلق ترجمہ شدہ کتابوں سے ہوا اور اُن کے مقالات منطق سے متاثر ہوئے۔

بہرحال منصور کے زمانہ میں طب، منطق، اخلاق، ہیئت و ہندسہ کی کتابوں کے ترجمے ہوئے اور یہ ایسے علوم تھے جس کا کوئی اثر مذہب پر نہیں پڑ سکتا تھا اس لیے علماءِ اسلام کی طرف سے ان پر کوئی اعتراض نہیں ہوا مگر اسی خلیفہ کے دورِ خلافت میں ایرانیوں کے قدیم مذاہب کی کتابوں کے ترجمے ہوئے جن کا اثر مذہب پر اور مسلمانوں میں زندیقیت والحاد پھیلانے کا سبب بنا۔

اس سلسلے میں مسعودی کے حوالے سے مؤلف حکمائے اسلام لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مقفع وغیرہ نے فارسی اور پہلوی زبان سے عربی زبان میں مانی اور ابن دیصان

---

[۱۲] احمد امین، ضحی الاسلام، الجزء الاول، ص ۲۷۷، الطبعة الثالثة القاہرہ ۱۹۳۸ء

کی کتابوں کے جو ترجمے کیے ان کی مدد سے حماد عجرد یحییٰ بن زیاد اور مطیع بن ایاس نے مانوی اور دیسانی مذاہب کی تائید میں کتابیں لکھیں جن کی اشاعت سے زندقہ اور الحاد پھیل گیا۔[13]

بہرحال منصور علم کا بہت بڑا قدرداں تھا خصوصاً طب و فلکیات کے تراجم پر سب سے زیادہ زور دیا اس کے دربار میں مختلف مذاہب کے اہل علم کا جمگھٹا رہتا تھا، اہل عجم کا ایک بڑا صاحب اثر شخص جو منصور کے دربار میں تھا اس کا نام نوبخت تھا اس نے منصور کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اس کا خاندان ایک مدت تک علم و فضل کا سرپرست ا۔ ان کی وجہ سے فارسی زبان زبان کے بہت سے ذخیرے عربی میں منتقل ہوئے۔ ابوسہل اور حسن بن موسیٰ جو بڑے پایہ کے متکلم تھے اور جن کے یہاں مترجمین کا جمگھٹا رہتا تھا اسی نوبخت کے خاندان سے تھے۔[14]

اس کے بعد ہارون الرشید (متوفی ۱۹۳ھ مطابق ۸۰۹ء) خلیفہ ہوا اس نے ترجمہ کے کام کو بہت زیادہ وسعت اور ترقی دی اور ترجمہ کی تحریک کو مزید تقویت دینے کے لیے بیت الحکمت کی بنیاد رکھی ان کو انقرہ عموریہ اور روم کے تمام شہروں کی فتوحات کے وقت طب کی بہت سی کتابیں ملیں، ہارون الرشید نے ان کے ترجمے کی خدمت یوحنا بن ماسویہ کے سپرد کی اس کی ماتحتی میں بہت سے کاتب کام کرتے تھے۔ اسی خلیفہ کے دربار کا ایک اور مشہور مترجم فضل بن نوبخت تھا جو فارسی زبان سے فلسفہ و حکمت کی کتابوں کا ترجمہ کرتا تھا۔ اور ہارون رشید کے کتب خانہ کا مہتمم بھی تھا۔ ان کی طرف بہت سی ترجمہ شدہ کتابیں منسوب ہیں جو فارسی سے عربی میں منتقل کی گئیں۔ مثلاً (۱)، کتاب المو الید (۲) کتاب المدخل (۳) کتاب التشبیہ والتمثیل۔ وغیرہ۔[15]

برامکہ کی بدولت بہت سے ہندوستانی اطباء و حکماء بھی ہارون رشید کے دربا

---

[13] عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام حصہ اول، ص ۶۸ طبع اول، اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

[14] علامہ شبلی رسائل ص ۱۷۰، طبع علی گڑھ ۱۸۹۸ء

[15] القفطی، تاریخ الحکماء، ص ۲۴۲، طبع دہلی ۱۹۲۵ء

میں آئے اور انہوں نے بہت سی سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔

عہدِ ہارون کو روشن کرنے میں برامکہ کا بہت بڑا ہاتھ ہے اور بیت الحکمت کا بانی اگرچہ ہارون رشید کو کہا جاسکتا ہے لیکن اصلی معمار یحییٰ برمکی ہے کیوں کہ اسی عالم وزیر کے مشورے سے ہارون رشید نے یہ محکمہ قائم کیا تھا، اس محکمہ میں یہودی عیسائی پارسی اور ہندو عالم ترجمہ پر مقرر تھے۔ جو یونانی سریانی اور سنسکرت کی کتابوں سے فنونِ حکمت اور قدیم یونانی طب وغیرہ کے ترجمہ کیا کرتے تھے یحییٰ برمکی فارسی کتابوں کی تصنیف کی طرف زیادہ توجہ کرتا تھا لیکن دیگر زبانوں کی طرف اس کی توجہ کم نہیں تھی۔

اسی خلیفہ کے زمانے میں کچھ سیاسی اسباب کی بناء پر دارالحکومت الرقہ شہر کی طرف سنہ ۱۸۰ھ مطابق سنہ ۷۹۶ء) میں منتقل کیا گیا اس کے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی نے اسی شہر میں استعفیٰ دے کر علمی کاموں کے لیے فراغت حاصل کی۔

اس نے لائبریری قائم کی اور بہت بڑا علمی ادارہ بھی اس کا قائم کردہ تھا اس کی ہمّت سے الرقہ شہر ایک ثقافتی مرکز بن گیا اس شہر میں لاکھوں درہم خرچ کر کے علماء و فضلاء کو بلایا جاتا تھا۔

برامکہ پر مصیبت نازل ہونے کے بعد (سنہ ۸۰۳ء مطابق سنہ ۱۸۷ھ) میں ترجمہ کی تحریک کچھ دھیمی ہوگئی کیوں کہ ہارون الرشید نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہوگیا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ برآمکہ کے بعد ہارون کے معاملات دگرگوں ہوگئے اور لوگوں کے سامنے اس کی بُری تدبیر اور سیاست کھل کر آگئی۔ ۱۶ء

بہرحال یہ خلیفہ بہت بڑا علم نواز تھا اور علماء کے ساتھ اس کا سلوک بہت عمدہ تھا۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر حسن ابراہیم لکھتے ہیں۔

"اشتہر الرشید بحُسنِ مُعاملۃ العلماء قالَ أبُو معاویۃَ الضریرُ
أکلتُ مع الرشید یوماً فصب علی یدی الماء رجلٌ فقالَ لی یا
ابا معاویۃَ اتدری من صبَّ الماء علی یدیکَ؟ فقلتُ لا یا
امیر المؤمنین فقال انا فقلت یا امیر المومنین انت تفعلُ ھذا

اجلالاً للعلم قال نعم" [۱۱۷]

یعنی ہارون رشید علماء کے ساتھ حسن معاملہ میں شہرت رکھتے تھے۔ ابو معاویہ ضریر کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے رشید کے ساتھ کھانا کھایا، کھانے کے بعد کسی نے میرے ہاتھ پر پانی ڈالا تو رشید نے پوچھا ابو معاویہ کیا تم کو پتہ ہے کہ تیرے ہاتھ پر کس نے پانی ڈالا میں نے کہا نہیں تو رشید نے کہا میں نے ڈالا تو میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ آپ نے علم کے احترام کی خاطر کیا تو رشید نے کہا کہ ہاں۔

الغرض ترجمہ کے کام کی جو ابتداء منصور نے کی تھی اس میں رشید نے بے انتہا توسیع کی۔

اس سلسلے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

"ہارون رشید نے یونانی، فارسی، سریانی، ہندی تصنیفات کا جو ذخیرہ جمع کیا تھا ان کو منتظم صورت میں رکھنے کے لیے ایک عظیم الشان محکمہ قائم کیا جس کا نام بیت الحکمت رکھا اور اس میں ہر زبان اور مذہب کے ماہرین فن ترجمہ کے کام پر مامور کیے ان میں فضل بن نوبخت مجوسی بھی تھا۔ رشید کے دور میں فلسفہ کا بڑا سرمایہ ہاتھ آیا۔ چنانچہ رشید نے انقرہ اور عموریہ وغیرہ کو فتح کیا تو بے شمار یونانی کتابیں ہاتھ آئیں، رشید نے ان کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا اور یوحنا بن ماسویہ کو ترجمہ پر مامور کیا۔

رشید نے ایک ہندی طبیب کو بھی طلب کیا تھا اور بغداد کے اسپتال کا مہتمم مقرر کیا، سنسکرت کی علمی کتابیں اسی نے ترجمہ کرائیں اس کے دربار میں دیگر ہندو طبیب بھی تھے اس طرح ویدک (آیورویدک) کی معلومات عربی زبان میں منتقل ہوئیں۔ ان طبیبوں میں صالح بن بھلہ بھی تھا۔" [۱۱۹]

مؤرخین نے ترجمہ کے لحاظ سے منصور اور رشید کے عہد کو دور اول میں شمار کیا ہے۔

بقیہ ص۱۲۲

[۱۱۶] المسعودی التنبیہ والاشراف، ص ۲۹۹، طبع القاہرہ ۱۹۳۸ء۔

[۱۱۸] الدکتور حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام، ص ۱۶۱، الطبعۃ السابعۃ القاہرہ ۱۹۶۴ء۔

[۱۱۹] علامہ شبلیؒ رسائل، ص ۱۰۳، طبع علی گڑھ ۱۹۵۸ء۔

اس دور (۱۹۳ھ ۔ ۱۳۶ھ مطابق ۸۰۹ء ۔ ۷۵۴ء) کے اہم مترجمین مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) یحییٰ ابن بطریق
(۲) جورجیس بن جبرئیل۔
(۳) عبداللہ بن المقفع۔
۴ یوحنا بن ماسویہ۔
۵ سلام ابرش۔
۶ باسیل المطران۔

اس دور کی چند مشہور ترجمہ شدہ کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱ کلیلہ و دمنہ۔
۲ الادب الکبیر
۳ الادب الصغیر۔
۴ کتاب الیتیمہ۔
۵ تاریخ ملوک الفرس۔
۶ کتاب التاج۔
۷ السندھند
۸ المجسطی
۹ کتاب المقولات
۱۰ تحلیل القیاس

عہدِ مامون (۲۱۸ھ ۔ ۱۹۸ھ مطابق ۸۳۳ء ۔ ۸۱۳ء) شروع ہوتے ہی ترجمہ کی تحریک انتہائی عروج پر پہونچ گئی۔ یہ خلیفہ خود بہت بڑا عالم اور فاضل تھا اور علماء کو مقرب کرتا تھا۔ ترجمہ کے کام میں انتہائی سرگرمی سے مصروف ہوا اپنے دور کے بادشاہوں سے تعلقات قائم کیے اور حکمائے یونان کی کتابوں کو حاصل کیا ان حکماءً میں افلاطون ارسطو بقراط جالینوس اقلیدس اور بطلیموس سرفہرست ہیں، ان کے بہترین تراجم مہیا کرنے کا حکم دیا بلکہ انہوں نے مختلف وفود روم کے شہروں میں بھیجے

اور حکمت کی کتابوں کو تلاش کر کے جمع کروایا یا پھر یا لکان کتب خانہ کو ترغیب دی کہ اپنے نادر مخطوطات کو اس کے ہاتھ بیچ دیں۔ اس نے یحییٰ بن ابی منصور کو اس غرض کے لیے بلادِ روم بھیجا۔ موسیٰ بن شاکر نے بھی اسی غرض سے بلادِ روم کا سفر کیا جب یہ کتب جمع ہوگئیں تو ماہرین مترجمین کو جمع کر کے بیت الحکمت میں اُن کے ترجمے کا حکم دیا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ سہل بن ہارون عہد مامون میں بیت الحکمت کا نگراں تھا۔ کچھ دوسرے مورخین نے یحییٰ بن ابی منصور کو اس کا نگراں تسلیم کیا ہے۔ اس بیت الحکمت سے متعلق دیگر علماء و فضلاء بھی تھے ان میں محمد بن موسیٰ خوارزمی، فضل بن نوبخت اور شاکر کی اولاد بھی بیت الحکمت سے منسلک تھی۔

تاریخی بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مامون نے سسلی کے حاکم کو وہاں کے کتب خانے سے علمی کتاب بھیجنے کی درخواست کی تھی، حاکم نے کچھ تردد ظاہر کیا تو وہاں کے پادری نے کہا کہ ان کو بھیج دیجئے کیوں کہ یہ علوم جس قوم میں داخل ہوگئے اس کو بگاڑ دیں گے۔ حاکم نے اس کی بات مان لی اور مامون کو یہ کتابیں ارسال کردیں[۱۹]

حکمت و فلسفہ کی طرف مامون کا ذہن اس قدر مائل تھا کہ اس نے منطق کے امام ارسطو کو خواب میں دیکھا اور یہی خواب ترجمہ کی تحریک میں مزید تقویت کا باعث بنا تاریخ الحکماء کی زبانی اس خواب کا بیان کچھ یوں ہے۔

" مامون نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی تخت پر بیٹھا ہوا ہے جس کا رنگ سُرخ و سفید ہے، آنکھیں نیلگوں اور سیاہ ہیں۔ مامون پر ہیبت طاری ہوگئی اُس نے پوچھا آپ کون ہیں؟ کہا میں ارسطو ہوں۔ مامون بہت خوش ہوا۔ اور پوچھا کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں، اس نے کہا ہاں اس نے پوچھا حُسن کیا چیز ہے؟

کہا۔ جو عقل کو پسند آئے۔ پوچھا حسن کا دوسرا درجہ کیا ہے کہا کہ جو شریعت کو پسند آئے پوچھا حسن کا کوئی اور درجہ ہے کہا نہیں۔ پھر گذارش کی کوئی اور نصیحت

---

[۱۹] الدکتور احمد فرید الرفاعی "عصر المامون" المجلد الاول، الطبعۃ الثانیۃ، القاہرہ ۱۹۲۷ء

فرمایئے کہا کر رفیق سفر کو سونے کی طرح قیمتی سمجھو اور ایک اللہ کی عبادت کرو، مامون جب بیدار ہوا تو اس کے دل میں تصانیف ارسطو کی تلاش کا بے حد شوق پیدا ہوا۔" [۲۰]

یہ خواب کا حادثہ ترجمہ اور کتب حکمیہ کی تلاش کا بہت بڑا محرک ثابت ہوا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ مامون نے شاہ روم کے ساتھ مراسلت کر کے حکمت کی کتابوں کو اکٹھا کروایا۔ اس سلسلے میں بہت سے لوگوں کو بلادِ روم کی طرف بھیجا ان میں حجاج بن مطر ابن البطریق اور سلما کا نام قابل ذکر ہے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یوحنا بن ماسویہ بھی بلادِ روم کے وفود میں شامل تھا اس نے سب بڑے مترجم اور محقق حنین بن اسحاق کو مقرر کیا جس نے حکمت کی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا اور اس کی اصلاح بھی کی ان مترجمین کو گراں قدر معاوضہ دیا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ہر ترجمہ شدہ کتاب کو سونے سے تولا جاتا تھا اور مترجم کو وہ سونے کی مقدار دے دی جاتی تھی اور مامون ہر ترجمہ شدہ کتاب پر اپنی علامت ثبت کرتا تھا۔

اس سلسلے میں مؤلف عصر المامون لکھتے ہیں۔

"هذا الحُلُمُ الذی قیلَ إنّهُ دَفَعَ بالمامون الى الاستهامةِ بارسطو ومؤلفات ارسطو وبعبارة علمية أدق - هذا الميل الى الفلسفة والمنطق عندَ المامون كان من اثارةِ حركةٍ نقلٍ وتاليفٍ عنيفةٍ قويةٍ ويُخَيَّلُ إلينا أنّ المامونَ لاتساع دائرة معارفه العامة ورغبته فى القياس العقلى، كانَ لذلك كُلِّه وامثاله اكبر رجلٍ عَمِلَ فى انتشار حركة الترجمة والتاليف" [۲۱]

ترجمہ:۔ یعنی خواب جو مامون نے دیکھا تھا اس نے مامون کو ارسطو اور اس کی تالیفات پر فریفتہ کر دیا، دوسرے لفظوں میں منطق و فلسفہ کی طرف اس کا شدید میلان ہوا جس کی وجہ سے ترجمہ و تالیف کی ایک زبردست تحریک رونما

---

[۲۰] القفطی، تاریخ الحکماء، ص ۶۰، طبع دہلی ۱۹۲۵ء

[۲۱] الدکتور احمد فرید الرفاعی، عصر المامون، ص ۳۷۸، المجلد الاول، الطبعۃ الثانیۃ، القاہرہ ۱۹۲۷ء

ہوئی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مامون چونکہ خود بہت بڑا عالم و فاضل تھا اور عقلیت کی طرف مائل تھا اس لیے اس نے سب سے زیادہ حکمت کے تراجم و تالیف کی تحریک کو پھیلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

مامون نے تصنیفات ارسطو کے ترجمہ پر یعقوب بن اسحاق کندی کو مامور کیا جو مختلف زبانوں کے جاننے اور تحقیقات علمی میں بے نظیر مانا جاتا تھا، اس نے بیت الحکمت کے مہتمم سلما کو روم بھیجا کہ وہ اپنی پسند سے کتابیں انتخاب کر کے لائیں ارمینیہ مقر شام، قبرص اور دوسرے مقامات میں بھی قاصد بھیجے اسی زمانے میں قسطا بن لوقا ایک عیسائی فلسفی اپنے شوق سے روم گیا اور فنون حکمت کی بہت سی کتابیں بہم پہنچائیں۔ مامون کو اس کا حال معلوم ہوا تو بلا بھیجا اور بیت الحکمت میں ترجمہ کے کام پر مقرر کیا۔ سہل بن ہارون کو جو ایک فارسی النسل حکیم تھا مجوسیوں کے علوم و فنون کے ترجمہ کی خدمت سپرد کی۔ محمد احمد اور حسن نے جو مامون کے خاص ندیم اور موسیقی میں استاد مشہور تھے۔ روم کے اطراف میں بہت سے ایلچی بھیجے اور فنون حکمیہ کی ہزاروں کتابیں منگوائیں اور دور دراز ملکوں سے مترجم بلوائے اور بیش بہا تنخواہوں پر ترجمہ کرنے کے لیے مقرر کیا۔ جبرئیل بن بختیشوع متوفی ۵ ھ مطابق ۸۲۷ء جو ایک عیسائی طبیب اور دربار خلافت کا بڑا رکن تھا اس نے بھی ترجمہ کے کام میں بڑی فیاضیاں دکھائیں۔

الغرض ترجمہ کا کام بڑی سرگرمی سے عہد مامون میں ہوا جس کی نظیر اس سے قبل اور بعد میں نہیں ملتی متعدد نامور مترجمین علوم کی منتقلی کے لیے مامور تھے۔ مثلاً حجاج بن یوسف کوفی، قسطا بن لوقا، ابو حسان، سلما حنین بن اسحاق سہل بن ہارون یحییٰ بن عدی، محمد بن موسیٰ خوارزمی، حسن بن شاکر، احمد بن شاکر علی بن عباس جوہری یعقوب کندی یوحنا بن ماسویہ، یحییٰ بن بطریق محمد بن شاکر یحییٰ بن ابی منصور، مامون کے دربار میں مشہور مترجم اور بیت الحکمت کے مہتمم تھے ان مترجمین میں سے اکثر کی تنخواہیں آج کل کے حساب سے ہر ایک کے لیے تقریباً ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار تھیں۔ [۲۲]

---

[۲۲] علامہ شبلی، المامون، ص ۱۶۳، طبع دوم، اعظم گڑھ ۱۹۵۶ء

بہرحال عہدِ مامون میں ترجمہ کی تحریک اپنے کمال کو پہنچ گئی اور اس مقصد کے لیے ممتاز مترجمین مقرر ہوئے، حکمت، فلسفہ، طب، ہندسہ، ریاضی، فلاحہ، تاریخ و ادب کی کتابوں کے ترجمے ہوئے، اور اس کے قبل کے دور کی بعض کتابوں کا ترجمہ دوبارہ ہوا اور اس عہد کے تراجم کا نام مامونیہ رکھا گیا تاکہ ماقبل کے تراجم سے ممتاز ہو جائے۔ جن تراجم پر مامونیہ لکھا ہوتا تھا وہ کتاب بہت زیادہ قابلِ اعتماد سمجھی جاتی تھی، یہ تحریک رکی نہیں برابر چلتی رہی اور بعد کے خلفاء بھی اس تحریک میں حصہ لیتے رہے۔ اس طرح ترجمہ و مترجمین دونوں قدر و منزلت کے آسمان پر پہنچ گئے اور بعض مترجمین تو وزارت کے عہدے پر بھی فائز ہوئے۔

ترجمہ کے سلسلے میں عہدِ مامون کی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے۔ احمد امین لکھتے ہیں۔

"لما افضت الخلافةُ الی المامون بن الرشید تمّم ما بدَأ بِهِ جدّهُ المنصور فاقبلَ علی طلب العلم فی مواضعه واستخرجهُ من معادنه بفضلِ همته الشریفة وقوة نفسه الفاضلة فداخل مُلوك الرُّوم واتحفَهم بالهدایة الخطیرة وسألهم صلته بما لدیهم من کتبِ الفلاسفة فبعثوا الیه مِمّا حَضَرهُم من کُتب افلاطون وارسطاطالیس وبقراط وجالینوس واقلیدس وبطلیموس وغیرهم من الفلاسفة فاستجادَ لهُمْ مُحصّلي التراجمةَ وکَلّفهُمْ احکامَ ترجمتها فتُرجِمَتْ لهُ علی غایة ما امکن ثمّ حضّ الناس علی قرأتِها ورغبهم فی تعلّمِها فنفقتْ سوقُ العلم فی زمانه وقامت دولةُ الحکمةِ فی عصره"[23]

ترجمہ:- جب خلافت مامون بن رشید کو حاصل ہوئی تو انہوں اپنے دادا منصور کے کاموں کی تکمیل کی، اپنے مقامات پر علم کی تلاش کے لیے متوجہ ہوا۔ اور اس کو اپنے خزانوں سے نکالا، یہ سب کام اپنی بہترین

---

[23] احمد امین، ضحی الاسلام، الجزء الاول، ص ۲۸۳، الطبعۃ الثالثۃ، القاهرہ ۱۹۳۹ء

ہمت اور عمدہ نفسیاتی قوت کے ذریعہ کیا اس نے روم کے بادشاہوں سے مراسلت کی اور قیمتی تحائف پیش کئے اور بدلے میں فلاسفہ کی کتابوں کو طلب کیا۔ ان بادشاہوں نے ان کو افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس، اقلیدس، بطلیموس، وغیرہ فلاسفہ کی کتابیں بھیجیں، مامون نے ماہر مترجمین کو اس کام کے لیے منتخب کیا اور کتابوں کا عمدہ ترجمہ کرایا۔ پھر ممکن حد تک اچھا ترجمہ پیش کیا گیا۔ اس نے لوگوں کو ان تراجم کی پڑھنے پر ابھارا اور ان کتابوں کو سیکھنے کا شوق دلایا اس طرح اس کے زمانے میں علم کا بازار گرم ہوا اور فنون حکمت اس کے زمانے میں پروان چڑھے“

مامون کے بعد واثق باللہ اور اس کے بعد متوکل نے بھی ترجمہ کے کام کو بہت زیادہ ترقی دی۔ عباسی دور کو ترقی و تنوع کے لحاظ سے تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں

(۱) **پہلا دور:۔** یہ دور منصور کے زمانے سے شروع ہو کر ہارون رشید کے زمانے پر ختم ہوا۔ اس میں صرف اخلاق، ہیئت، منطق اور طب کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔

(۲) **دوسرا دور:۔** مامون کے زمانے سے شروع ہوا یعنی ۱۹۸ھ سے ۳۰۰ھ مطابق ۸۱۳ء سے ۹۱۲ء تک قائم رہا اس دور میں تمام یونانی علوم و فنون کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔

(۳) **تیسرا دور:۔** یہ ۳۰۰ھ مطابق ۹۱۲ء سے شروع ہو کر چوتھی صدی ہجری تک قائم رہا۔ اس دور میں ارسطو کی منطق اور طبعیات کی کتابوں کے ترجمے ہوئے اور ان کی شرحیں لکھی گئیں۔

ان تینوں ادوار میں زیادہ تر عیسائی مترجم تھے ان سے کم صابئین کی تعداد تھی اور ان سے بھی کم ہندو، ایرانی اور یہودی شامل تھے۔ مسلمانوں میں یعقوب کندی کی شہرت سب سے زیادہ ہے۔

ساتواں باب

علوم و فنون کی ترقی میں

بیت الحکمت کا حصہ

یہ تاریخی بات سب کو معلوم ہے کہ عربوں میں پڑھنے لکھنے کا رواج بہت کم تھا اسی لیے عربوں کو امیین کے لقب سے پکارا جاتا ہے ۔ قرآن مجید میں یہودیوں کی زبانی بھی یہی لفظ مستعمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بھی نبی اُمّی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یہاں تک کہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قریش میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد صرف سترہ تھی ۔ وحی الٰہی نے تحریر کی اہمیت کو واضح کیا اور کہا کہ " وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ "[1]

"قسم ہے قلم کی اور ان تحریروں کی جن کو وہ لکھتے ہیں"۔

اسلام میں تحریر کی اہمیت کھل سامنے آنے کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مختلف انداز میں اپنے صحیفے جو احادیث پر مشتمل ہوتے تھے تیار کرنا شروع کیے ۔ ان احادیث کے مجموعے کے ساتھ ساتھ اشعار و قصائد جو دور جاہلیت کی پیداوار

تھے قلمبند کیے جانے لگے' تحریر سے فائدہ یہ ہوا کہ اشعار و قصائد جو عرب کے تمدن و معاشرت کی اصلی تصویر تھے قلمبند ہونے لگے اور ان کی حفاظت کا سامان پیدا ہوگیا' تحریر کی اہمیت واضح ہوجانے کے بعد مسلمانوں نے سب سے پہلے انفرادی طور پر کتابوں کے ذخائر قائم کیے اس سلسلے میں سب سے پہلے منظم شکل میں ایک شخصی کتب خانے کا پتہ چلتا ہے جس کو عبد الحکیم بن عمر (متوفی سنہ ۵۰ھ مطابق سنہ ۶۷۰ء) نے قائم کیا تھا یہ دنیائے اسلام کا سب سے پہلا کتب خانہ تھا[2] اسی طرح کتب خانہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص (متوفی ۶۵ھ مطابق ۶۸۴ء) بہت مشہور کتب خانہ تھا جس میں اہل کتاب کی نادر تالیفات بھی شامل تھیں۔ یہ مشہور صحابی تھے اور فاتح مصر عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ اسی سلسلے میں تیسرا نام کتب خانہ عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ (متوفی ۷۹ھ مطابق ۶۹۸ء تھا یہ خاص طور پر مصاحف کے لیے قائم کیا گیا تھا اس کے لیے ایک مخصوص مکان تھا جہاں لوگوں کا مجمع لگا رہتا تھا اور لوگ مصاحف کی تلاوت کیا کرتے تھے[3] ان کے علاوہ جس نجی کتب خانے کا پتہ چلتا ہے وہ حسب ذیل ہے

کتب خانہ خالد بن یزید (متوفی ۸۵ھ مطابق ۷۰۴ء) میاں اختر جونا گڑھی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

" خالد بن یزید نے اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لیے دمشق کے مقام پر ایک ذاتی کتب خانہ قائم کیا اس کتب خانے کے ساتھ اس نے دار الترجمہ بنایا جس کا افسر اعلیٰ ایک نصرانی پادری تھا کتب خانہ کے چند اوراق انیسویں صدی کے آخری ربع میں جامع مسجد دمشق کے قبہ سے چمڑے پر لکھی گئی بزبان عربی اور سریانی ملی ہیں۔ ان کتب و اوراق میں سے بعض جرمنی لے جائے گئے اور بعض دمشق کے عجائب خانے میں محفوظ کر لیے گئے۔[4]

بقیہ ص۱۳۰

[1] القرآن المجید، سورۃ القلم۔

[2] محمد فاضل خان، عہد بنو امیہ کے کتب خانے بحوالہ مجلہ المعارف، ص۱۴، خصوصی شمارہ نمبر ۴ اپریل/مئی ۱۹۸۵ء طبع ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور۔ [3] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ۶ ص۱۳۰ طبع بیروت ۱۹۵۸ء

[4] میاں اختر جونا گڑھی، مسلمانان سلف اور وسط ایشیا کا شرق
(روداد ادارہ اسلامیہ اجلاس دوم)

خالد بن یزید کی وفات پر یہ کتب خانہ خلفاء بنی امیہ کی تحویل میں رہا جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد آغاز میں وبا پھیلی تو حکم دیا کہ تمام کتابیں کتب خانہ سے باہر نکال لی جائیں تاکہ لوگوں تک اس کی رسائی ہو سکے۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ماسرجویہ کی کتاب جو سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی تھی اس کو خزانۃ الکتب میں پایا۔[5] کناش نامی کتاب بھی جو پادری اھرن بن اعین نے سریانی زبان میں لکھی تھی اور ماسرجویہ نے اُسے عربی میں منتقل کیا تھا۔ بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس کتاب کو بھی کتب خانہ سے باہر نکال لینا چاہیے تاکہ مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں اس پر انہوں نے چالیس دن تک استخارہ کیا اس طرح یہ کتاب عام لوگوں تک پہنچی۔[6]

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہدِ خلافت میں احادیث کو ضبط تحریر میں لانے کا بھی اہتمام کیا اس طرح تالیفات کا بیش بہا خزانہ سرکاری طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آنے لگا۔ محمد بن شہاب زہری کو ۱۰۱ھ مطابق ۷۱۹ء آپ نے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ فن تدوینِ حدیث میں اولیت کا سہرا انھیں کے سر ہے اسی طرح آپ نے مملکت اسلامیہ کے تمام ذمہ داروں کے پاس فرمان بھیجا تھا کہ وہ حدیث کے ذخیرے کو جمع کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احادیث کے دفتر دارالخلافہ دمشق پہنچ گئے خلیفہ نے ان کی نقلیں مملکت کے گوشے گوشے میں پھیلا دیں۔[7]

اس طرح عہد اموی میں احادیث کی کتابت اور ان کے مجموعے تیار کرنے کا سرکاری انتظام ہو چکا تھا اس بات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کتابوں کو اکٹھا کرنے کا کام اور ان کی اشاعت بڑے پیمانے پر دور اموی میں ہو چکی تھی اس دور کے دوسرے حضرات جنہوں نے اس سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ابو قلابہ جرمی دمشقی ۱۰۹ھ مطابق ۷۲۶ء) ان کے یہاں کتابوں کا اچھا خاصا

---

[5] ابن ابی اصیبعہ، بحوالہ رسائل شبلیؒ ص ۲۱، طبع علی گڑھ ۱۸۹۸ء

[6] ابن جلجل، طبقات الاطباء والحکماء، ص ۶۳، طبع القاہرہ ۱۹۵۵ء

[7] محمد فاروق خاں، حدیث کا تعارف، ص ۵، طبع دہلی ۱۹۷۴ء

ذخیرہ تھا اپنی وفات سے قبل انہوں نے اپنی کتابیں ابو ایوب سختیانی کے حوالے کرنے کی وصیت کی تھی۔

(۲) امام حسن بصری (المتوفی سنہ ۱۱۰ھ مطابق سنہ ۷۲۹ء) ان کے پاس کتابوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ تھا لیکن وفات سے تھوڑی دیر قبل اس نے اس ذخیرے کو جلوا دیا تھا۔ [۸]

(۳) وھب بن منبہ (المتوفی ۱۱۴ھ مطابق سنہ ۷۳۲ء): ان کے پاس اہل کتاب کی تالیفات کا ایک وسیع ذخیرہ تھا جس پر انہوں نے خوب توجہ کی۔ اور بڑی حد تک کامیاب رہے۔

(۴) محمد بن شہاب زہری (المتوفی سنہ ۱۲۴ھ مطابق سنہ ۷۴۱ء): دوسری صدی کے فقہائے کبار میں سے تھے۔ فن تدوین حدیث کی ابتداء کی، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ان کے پاس کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا ارد گرد کتابوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

(۵) ہشام بن عبد الملک (المتوفی ۱۲۵ھ مطابق سنہ ۷۴۲ء): خلفاء بنی امیہ میں ایک ممتاز خلیفہ تھا۔ انہوں نے بھی احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا اور خزانۃ الکتب میں ان کو داخل کر دیا۔ اس خزانۃ الکتب میں وہ قرابادین بھی تھی جو مروان کے زمانے سے محفوظ چلی آئی تھی۔ [۹]

(۶) اعمش (المتوفی سنہ ۱۴۸ھ مطابق سنہ ۷۶۵ء): ان کا نام سلیمان بن مہران تھا اور اعمش لقب تھا ان کے پاس بھی احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ تھا ابن سعد کے مطابق انہوں نے بہت بڑا علمی سرمایہ جمع کیا تھا۔ [۱۰]

(۷) عبد الرحمان الداخل (المتوفی سنہ ۱۷۲ھ مطابق سنہ ۷۸۸ء): یہ خلیفہ خود صاحب علم اور عدل و انصاف کی عظیم ترین صفات سے متصف تھا جامعہ قرطبہ میں بھی ایک کتب خانہ

---

[۸] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد نمبر ۷، ص ۱۷۴، طبع بیروت سنہ ۱۹۵۸ء

[۹] شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام حصہ دوم ص ۲۵۶ طبع کراچی سنہ ۱۹۷۳ء

[۱۰] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۶، ص ۳۴۲ طبع بیروت سنہ ۱۹۵۸ء

کی بنیاد رکھی تھی۔ جس کا بڑا مقصد طلباء کو فائدہ پہونچانا تھا۔ خلیفہ کو ذخیرہ کتب کا بے حد شوق تھا۔[11]

دورِ عباسی میں کتب خانے اپنے عروج پر پہنچ گئے۔ کیوں کہ خلیفہ منصور علوم وفنون کا دلدادہ تھا اور بے شمار علماء وفضلاء کو اپنے پاس اکٹھا رکھتا تھا اور بڑی تعداد میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں بھی اپنے پاس جمع کی تھیں، ہارون رشید نے بھی علوم وفنون سے بے حد دلچسپی لی اور قدماء کے علوم کا ترجمہ کرایا۔ برامکہ نے اس سلسلے میں خوب مدد کی، یحییٰ بن خالد برمکی نے علوم کی اشاعت کے لیے ایک اکیڈمی قائم کی جس کا نام بیت الحکمت رکھا۔[12]

بیت الحکمت:۔ بیت الحکمت کا بانی کون تھا اس سلسلے میں مؤرخین میں اختلاف ہے بعض اس کا بانی ہارون رشید کو قرار دیتے ہیں جیسا کہ ابن الندیم[13] جرجی زیدان[14] اور شبلی نعمانی[15] نے اسی خلیفہ کو اس کا بانی قرار دیا ہے۔

حکیم سید علی احمد نیر واسطی اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"چمنستان علم وحکمت میں عید بہار اس دن آئی جب حکومت کا علم عباسیوں کے ہاتھوں میں آیا اور مامون الرشید نے اپنے عہد ہمایوں میں بیت الحکمت قائم کیا"۔[16]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نیر واسطی براؤن مامون الرشید کو اس کا بانی تسلیم کرتے ہیں لیکن مؤرخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی اس سلسلے میں شبلی اور جرجی زیدان کے ہمنوا ہیں وہ لکھتے ہیں۔

"ہارون رشید نے بغداد میں بیت الحکمت کے نام سے ایک دارالترجمہ

---

[11] برنی: مسلم اسپین، صفحہ ۵۳۴ طبع کراچی ۱۹۸۲ء مجلۃ المعارف

[12] مولوی عبدالرزاق کانپوری، البرامکہ، صفحہ ۱۳۴ طبع کانپور، ۱۸۹۴ء

[13] ابن الندیم، الفہرست صفحہ ۳۵۵، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

[14] جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج ۳ ص ۲۰۶، طبع الہلال مصر ۱۹۰۲ء

[15] شبلی، المامون ص ۱۷۵ طبع اعظم گڑھ

[16] ای جی براؤن، طب العرب، صفحہ ۱۶۲، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

اور دار التصنیف قائم کیا جس میں مختلف ملکوں کے رہنے والے اور مختلف مذاہب کے پیرو کار اور مختلف زبانیں جاننے والے علماء مصروف کار رہتے تھے[17]۔ درحقیقت اس کا بانی تو خلیفہ ہارون رشید تھا کیوں کہ اس خلیفہ کے ساتھ البرامکہ تھے جو علوم و فنون کو ترقی دینے میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے گذشتہ ادوار میں علوم و فنون کے مراکز کو پیش نظر رکھ کر بغداد میں ایک علمی ادارہ قائم کیا تھا، مامون رشید نے اس ادارہ کو خوب ترقی دی، کتابوں کی تالیف اور ترجمہ کے سلسلے میں جس قدر دلچسپی لی اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

"اس نے مؤلفین اور مترجمین کے لیے بیش بہا وظائف اور تنخواہیں مقرر کیں۔ حتی کہ وہ ان تراجم کو جو اس کے لیے کیے جاتے تھے سونے سے وزن کر کے لیتا تھا اور کتابوں پر اپنی مہر لگاتا تھا اور لوگوں کو ان کے مطالعہ اور درس کی ترغیب دیتا تھا"۔[18]

جرجی زیدان اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

"وكان بيت الحكمة عبارة عن مجلس الترجمة والنسخ والدرس والتاليف فيجلس النساخ في اماكن خاصة بهم ينسخون لانفسهم او باجور معينة وكذالك المترجمون والمؤلفون والمطالعون[19]

ترجمہ :- بیت الحکمت سے مراد مجلس ترجمہ یا مجلس نقل یا مجلس درس تھی جہاں نساخ مخصوص جگہوں پر اپنے لیے اجرتوں پر کتابیں لکھتے تھے اور یہی صورت مترجمین و مؤلفین کی تھی۔

بیت الحکمت جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، کسی ایک گھر کا نام نہیں ہے بلکہ یہ مختلف شعبوں کا مجموعہ تھا، جس میں ان شعبہ جات سے متعلق مختلف قسم کے کام سپرد کیے گئے تھے۔ اس سے منسلک ایک بہت بڑی لائبریری اور ایک درسگاہ بھی تھی، اور بڑے

---

[17] . . . اکبر شاہ خان نجیب آبادی، تاریخ اسلام، جلد دوم ص ۱۲ ام طبع دھلی ۱۹۸۲ء

[18] ابن العبری، مختصر الدول، ص ۲۳۶ م، طبع بیروت ۱۹۵۸ء

[19] جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، جلد سوم ص ۲۰۶، الہلال مصر ۱۹۰۲ء

بڑے مترجمین اس میں مصروف عمل تھے ان مترجمین نے بے شمار کتابوں کے ترجمے کیے اور اس طرح یونانی علوم اور وہاں کے حکماء کو زندہ کیا۔ ان میں سے چند کے نام ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ قسطا بن لوقا اور حنین بن اسحاق وغیرہ ۲۰؎ اولیری نے اپنی کتاب میں بیت الحکمت کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا بانی مامون رشید تھا جس نے ۲۱۷ھ مطابق ۸۳۲ء میں اس کو قائم کیا اس ادارے کو اس نے اس سے قبل موجودہ نصاریٰ اور پارسیوں کے اداروں کو سامنے رکھ کر قائم کیا تھا اور اس کا نگراں اس نے یحییٰ بن ماسویہ (متوفی ۲۳۳ھ مطابق ۸۵۶ء) کو بنایا تھا۔ ۲۱؎

”مامون نے اس ادارے کے اندر بے شمار کتابوں کو زر کثیر صرف کر کے جمع کیا تھا۔ یہ بہترین اسلامی ادارہ تھا جہاں پر یونانی علوم فراوانی کے ساتھ جمع کیے گئے تھے اس طرح بیک وقت یہ ادارہ اسلامی اور غیر ملکی علوم کا سنگم تھا۔ ۲۲؎ اس سلسلے میں حکیم سید نیر واسطی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے ”یہ بیت الحکمت بغداد میں تقریباً دو سو اٹھارہ (۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء) میں قائم ہوا۔ اور اس کے لیے یوحنا بن ماسویہ اور حنین بن اسحاق اور دیگر جلیل القدر علماء کی خدمات حاصل کی گئیں۔

عباسیوں نے اس بیت الحکمت کے قیام اور ترقی کے سلسلے میں علم و حکمت کی جو خدمات انجام دیں وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔ ۲۳؎

جرجی زیدان اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

”ہارون رشید نے بغداد میں جو بیت الحکمت قائم کیا اس کے لیے بہت سی کتابیں جمع کرا کے ان کا عربی میں ترجمہ کرایا اور جب مامون رشید تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے مجالس تالیف قائم کیں اور بیت الحکمت میں عربی، فارسی، یونانی، سریانی، قبطی اور ہندی کتب کا عظیم الشان

۲۰؎ نکالسن، تاریخ ادب عربی، جلد نمبر ۱، ص ۳۵۴ طبع کیمبرج ۱۹۶۶ء

۲۱؎ اولیری، عربک تھاٹس، ص ۲۱۲، طبع لندن ۱۹۵۴ء

۲۲؎ بروکلمان تاریخ المسلمین ص ۱۲۵ طبع لندن ۱۹۵۲ء

۲۳؎ نیر واسطی، طب العرب، ص ۱۶۳، طبع لاہور، ۱۹۶۹ء

خزانہ جمع کر دیا"[۲۴]

مامون یونانی فلسفہ و منطق کا خوگر تھا اور ہر وقت اس کے ذہن پر ان علوم کا تسلط رہتا تھا۔ مامون چونکہ فرقہ معتزلہ سے تعلق رکھتا تھا اور دینیات میں یونانی فلسفہ اور منطق کو اہمیت دیتا تھا اس لیے مذہبی اعتبار سے بھی ان علوم کی ترقی و اشاعت کا خواہش مند تھا کیوں کہ ان علوم کو وہ ایک دینی ہتھیار خیال کرتا تھا یہی وجہ ہے کہ اُس کے دل و دماغ پر فلسفہ و منطق کا غلبہ رہتا تھا اور ابن الندیم کے بیان کے مطابق اُس نے خواب میں ارسطو کو دیکھا جو اس سے اپنی تالیفات کے ترجمہ کا مطالبہ کر رہا ہے اس کے بعد مامون نے شاہ روم کو ایک خط لکھا کہ وہ بلادِ روم میں جو علوم کی کتابیں ذخیرہ کی گئی ہیں وہ بغداد روانہ کر دے۔ شاہ روم نے پہلے تو منع کیا پھر بالآخر رضامند ہو گیا۔ اس پر مامون نے اہل علم و فن کی ایک جماعت علما فن پر مشتمل روم بھیجی جو وہاں سے علمی ذخیرہ کو بغداد لائے۔ اور اس کے ترجمہ کا حکم دیا گیا۔[۲۵]

بیت الحکمت جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کسی ایک شعبے کا نام نہیں ہے بلکہ کئی شعبہ جات پر مشتمل ایک بہت بڑی اکیڈمی کا نام ہے اس اکیڈمی سے قبل بھی علوم و فنون کی اشاعت کے لئے دوسری اقوام نے مختلف ممالک میں بہت سے مشہور مدارس و معاہد قائم کیے تھے۔ ان میں اسکندریہ جندیسا پور اور حرّان کے مدارس و معاہد قابل ذکر ہیں۔ جن کا ذکر اس سے پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ چوں کہ یہ اسلامی اکیڈمی تمام اقوام میں ہوئے علمی اداروں اور معاہد کے نمونے پر قائم کی گئی تھی اور ان تمام مراکز علوم و فنون کے بعد قائم کی گئی تھی اس لیے قرینہ قیاس یہی ہے کہ یہ علمی مرکز ان تمام سابقہ مراکز سے نمایاں حیثیت کا حامل رہا ہوگا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ علمی مرکز مندرجہ ذیل شعبہ جات پر مشتمل تھا۔

(۱) خزینۃ الکتب (۲) دارالترجمۃ والتالیف (۳) المرصد۔

---

[۲۴] جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج سوم ص ۲۰۶ طبع الہلال مصر ۱۹۰۲ء

[۲۵] ابن الندیم، الفہرست، ص ۳۴۲، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

خزینۃ الکتب:- بیت الحکمت میں چونکہ علوم و فنون کے ترجمہ کا کام بڑے پیمانے پر ہوتا تھا اس لئے ذخیرۂ کتب کی بڑی ضرورت تھی، منصور نے اپنے دورِ خلافت میں کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا تھا ان کتابوں میں مختلف زبانوں کی کتابیں شامل تھیں، مثلاً یونانی، سریانی، کلدانی، نبطی، عربی، فارسی اور سنسکرت، ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ابو جعفر منصور نے ہندسہ پر بہت سی کتابیں شاہ روم سے طلب کی تھیں۔[۲۶]

اسی خلیفہ نے حکمت کی کتابیں اور طبیعات سے متعلق بھی بہت سی کتابیں شاہ روم کے ساتھ مراسلت کے بعد منگوائیں۔ اسی طرح ہارون رشید ۱۷۰ھ – ۱۹۳ھ مطابق ۷۸۶ء – ۸۰۹ء نے بھی علوم و فنون کی طرف خصوصی توجہ کی اور اسی وجہ سے اس نے اس اکیڈمی کی بنیاد ڈالی اور یونان کی تالیفات بلادِ روم سے لاکر اس کے خزینۃ الکتب میں جمع کیں یہ کتابیں ان کو خصوصاً فتح عموریہ کے وقت حاصل ہوئی تھیں ان کتابوں میں طب، فلکیات، فلسفہ اور حکمت سے متعلق بے شمار کتابیں تھیں لیکن ہارون رشید کے زمانے میں کتابوں کی فراہمی کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی بلکہ اس کے بعد مامونی دور میں اس کی طرف توجہ کی گئی یہ خلیفہ خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑا عالم و فاضل تھا اس لیے بیت الحکمت میں موجود کتابوں پر قناعت نہیں کی بلکہ علوم و فنون پر مختلف علمی ذخائر سے کتابوں کو فراہم کرنے کا اہتمام کیا اس مقصد کے لیے اس نے آرمینیہ، مصر، شام، ہند و فارس میں وفود بھیجے اور زرِ کثیر صرف کر کے کتابیں فراہم کیں مامون کی علم سے دوستی اس قدر مشہور تھی کہ معاصر سلاطین تحفہ تحائف میں اس کو کتابیں اور مترجمین بھیجا کرتے تھے۔ اس طرح کا ایک واقعہ ہندوستانی راجہ کے ساتھ پیش آیا۔ اس راجہ نے مامون کو بطور ہدیہ ایک فاضل شخص دو بان ہندی کو بھیجا تھا اور خط میں لکھا کہ جو ہدیہ آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں دنیا میں اس سے بڑھ کر مفید، نامور اور معزز تحفہ نہیں ہو سکتا۔[۲۷]

---

[۲۶] ابن خلدون، تاریخ اسلام، ص ۲۰۴، طبع بیروت ۱۹۷۹ء

[۲۷] علامہ شبلیؒ، المامون، ص ۱۸۰ – ۱۷۹، طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۷ء

اس خزینۃ الکتب کے لیے کتابوں کی فراہمی میں اس کے سرپرست یحیٰی بن خالد برمکی کی کوششیں ناقابل فراموش ہیں یہ شخص خود بہت بڑا فاضل تھا اور کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ یہ کتابوں کا بہت بڑا شیدائی تھا علمی کتابوں کی خرید پر زر کثیر صرف کرتا تھا اس سلسلے میں ابو عثمان بن عمر یحیٰی الخیاط کا قول ہے کہ جس قدر کتابیں یحیٰی کے کتب خانے میں تھیں کسی بادشاہ کے پاس اس قدر نہ ہوں گی۔ ہر کتاب کے تین تین نسخے موجود تھے، نامور خوشنویسوں کے ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابیں موجود تھیں اس وقت یہ بات مشہور تھی کہ اگر کوئی نایاب کتاب فروخت ہوتی تو اول یحیٰی کو دکھائی جاتی کیوں کہ ایک ہزار درہم دینے والا صرف یحیٰی برمکی تھا۔ خلیفہ ہارون رشید کے کتب خانے میں اکثر مشہور کتابیں جو باعث زیب و زینت تھیں وہ یحیٰی کے کتب خانے کی تھیں۔[۲۸]

یہ خزینۃ الکتب ایک عظیم الشان کتابوں کا ذخیرہ تھا جو اس سطح ارضی پر سب سے بڑا ذخیرہ کہا جا سکتا ہے کیوں کہ درحقیقت یہ اپنے سابقہ تمام علمی مراکز کا نعم البدل تھا اور ان تمام مراکز کے علمی جواہر پاروں کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔ اس لیے قرینۂ قیاس یہی ہے کہ یہ خزینۃ الکتب اپنے تمام پیش رو علمی مراکز اور خزائن کتب سے بڑھ چڑھ کر رہا ہوگا۔ اس خزینۃ الکتب کے لیے دنیا کے تمام دور دراز گوشوں اور اطراف و اکناف سے چھان بین کر کے کتابیں فراہم کی گئی تھیں، کہا جاتا ہے کہ جالینوس کی ایک تصنیف کے لیے شام، فلسطین اور مصر کے چپہ چپہ کی خاک چھانی گئی اور اس تصنیف کی تلاش کی گئی۔[۲۹]

اس خزینۃ الکتب میں کتابوں کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ تھا کہ سینکڑوں بار تباہی اور بربادی آنے کے باوجود یہ کتب خانہ پوری طرح برباد نہ ہو سکا اور اس کی کتابیں ساتویں صدی ہجری تک موجود تھیں جس کا مشاہدہ ابن ابی اصیبعہ متوفی ۶۶۸ھ مطابق ۱۲۷۰ء نے کیا تھا۔ اور ان کتابوں پر مامون کا طغرا

---

[۲۸] مولوی عبدالرزاق کانپوری "البرامکہ" ص ۱۱۴ طبع کانپور ۱۸۹۷ء

[۲۹] شبلی، مقالات ج ۶ ص ۶۸، طبع علی گڑھ ۱۸۹۸ء

بھی بنا ہوا تھا۔ ؎۳۰

دار الترجمہ والتالیف

یہ بیت الحکمت کا ایک شعبہ تھا جو بہت اہم تھا کیوں کہ بیت الحکمت میں غیر ملکی علوم و فنون کو عربی میں منتقل کرنے کا کام بڑے پیمانے پر ہوتا تھا۔ یحییٰ برمکی نے ہارون رشید کا علمی ذوق و شوق دیکھ کر علوم حکمیہ کے تراجم پر خاص توجہ دی، اسی اساس پر بیت الحکمت کا قیام عمل میں آیا تھا اور مذکورہ بالا شعبہ نے بے انتہا ترقی کی مختلف ممالک اور مذاہب سے تعلق رکھنے والے یہودی، عیسائی، پارسی اور ہند و علماء و فضلاء اس شعبہ میں تالیف و ترجمہ کے کام میں مصروف عمل تھے۔ ان علوم و فنون میں فلسفہ حساب، ہیئت، نجوم، طب اور اخلاق وغیرہ تقریباً ستّرہ علوم و فنون شامل تھے اس شعبہ میں ترجمہ کا کام ایک مخصوص طریقے سے ہوتا تھا۔ کچھ لوگ ترجمہ کرنے پر مامور تھے اور کچھ دوسرے لوگ نظر ثانی اور اصلاح اور ترمیم کے لیے مقرر تھے اس میں مختلف زبانوں میں ترجمے کیے جاتے تھے، خاص کر یونانی، سریانی اور فارسی۔ حنین کے فرقے کے لوگ یونانی سے عربی میں ترجمہ کرتے تھے یا سریانی کے توسط سے عربی میں ترجمہ کرتے تھے۔ سنسکرت سے فارسی میں عموماً ترجمہ ہوتا تھا۔ پھر فارسی سے عربی میں اور براہ راست سنسکرت سے بھی ترجمہ کا ثبوت ملتا ہے، مترجمین کی سربراہی یوحنا بن ماسویہ (المتوفی سنہ ۲۴۳ھ مطابق سنہ ۸۵۷ء) کرتا تھا۔ بعد میں حنین بن اسحاق العبادی (المتوفی سنہ ۲۶۴ھ مطابق سنہ ۸۷۷ء) بھی اس خدمت پر مامور ہوا۔ خاص کر مندرجہ ذیل چار خاندان ترجمے کے کام میں پیش پیش تھے۔

یہ خاندان مندرجہ ذیل ہیں

(۱) خاندان بختیشوع (۲) خاندان ماسرجویہ

(۳) خاندان حنین (۴) خاندان ثابت بن قرہ

بڑی تعداد میں جن کتابوں کا ترجمہ ہوا ان میں سرفہرست افلاطون، ارسطو

بقراط اور جالینوس کے نام لیے جاسکتے ہیں ان کے علاوہ جن حکماء کی کتابوں کے تراجم ہوئے اُن میں ذیل کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔

اسکندروس، اقلیدس، ارخمیدس، ابلیونیوس، بطلیموس، ابرخس، ارسطرخس، ثاون اسکندری، ارغلون، ایبون وغیرہ، ۔

ترجمہ کے کام میں سریانی مترجمین نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا ان میں حنین بن اسحاق کا نام سرفہرست ہے عموماً یہ سریانی مترجمین ترجمہ کا کام بہت امانت داری سے کرتے تھے۔ کبھی کبھی لفظی ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ سریانیوں کے پاس واضح اور درست زبان میں ترجمہ موجود نہیں تھا، سریانی مترجمین یونانی سے سریانی میں یا سریانی سے عربی میں یا یونانی سے براہِ راست عربی میں ترجمہ کرتے میں مختلف درجات پر فائز تھے کیوں کہ ترجمہ کی زبان یا جس زبان سے وہ ترجمہ کرتے تھے ان میں ان کی مہارت مختلف تھی، مترجمین بہت مشکلات سے دوچار ہوتے تھے۔ کیوں کہ دونوں زبانوں میں موافقت کا مسئلہ مشکل تھا۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس وقت ان مترجمین کے پاس ڈکشنریاں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ اس کے باوجود انہوں نے جو ترجمہ اور تحقیق کا کام کیا وہ بہت قابلِ قدر ہے اور اس پر تعجب بھی ہوتا ہے۔

اس دارالترجمہ میں مختلف زبانوں کو وسیلہ بنایا گیا تھا، ان میں یونانی، سریانی، فارسی، سنسکرت، نبطی اور لاطینی قابلِ ذکر ہیں، جیساکہ پہلے ذکر کیا گیا، سب سے زیادہ تراجم سریانی اور یونانی زبانوں سے کیے گئے۔ اس کے بعد فارسی اور سنسکرت کا درجہ آتا ہے۔ نبطی اور لاطینی کے بہت کم تراجم ملتے ہیں، سریانیوں نے سب سے زیادہ ترجمہ کا کام کیا۔ یہ لوگ یونانی زبان سے بخوبی واقف ہوتے تھے۔ کیوں کہ یہی زبان حکومت کی زبان تھی، سریانی اصل میں وہ خاص آرامی لہجہ ہے۔ جو الرّھا شہر میں بولی جاتی تھی، یہی زبان شام کے گرجاگھروں کی زبان تھی اور یہی جزیرہ فراتیہ میں علم و ادب کی زبان تھی، اس زمانے میں شام کے اندر رومی حکومت کے

بقیہ ص ۱۴۰

۳۰ـہ شبلیؒ، مقالات، ج ۶، ص ۶۸، طبع علی گڑھ ۱۸۹۸ء

ماتحت گرجا اپنی دعاؤں اور تعلیمات میں یونانی زبان کو استعمال کرتے تھے، لیکن سریانی لوگ اس زبان کو مٹانے کی بہت کوشش کرتے تھے۔ کیوں کہ یہ نو آبادکاروں کی زبان تھی لیکن اس کے باوجود چوں کہ یونانی زبان حکمران طبقہ کی زبان تھی اس لیے لوگ اس کے سیکھنے کی طرف مائل ہوتے تھے

لیکن چوں کہ وہ اپنی زبان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اس لیے وہ سریانی زبان میں ہی مسیح کے احکامات کو یاد کرتے تھے تاکہ وہ دینی اعتبار سے ممتاز ہو جائیں اور ان کا فلسفہ بھی ممتاز رہے اس طرح سریانی زبان سے ترجمہ کے ذریعہ یونانی علوم و فنون کو عالم عربی کی طرف منتقل کیا۔ فارسی زبان بھی ترجمہ کا ایک اہم وسیلہ تھی اور بہت بڑی تعداد میں فارسی سے عربی میں تراجم ہوئے۔ جرجی زیدان نے کم و بیش سترہ کتابوں کی نشاندہی کی ہے۔[۳۱]

سنسکرت زبان سے بھی بہت بڑا کام ہوا۔ اس میں زیادہ تر طب اور نجوم کی کتابیں ہیں۔ نبطی زبان سے تقریباً چودہ کتابوں کے تراجم کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ جرجی زیدان نے اپنی کتاب کے اندر لکھا ہے۔[۳۲]

لاطینی زبان سے بھی تراجم کا پتہ چلتا ہے۔

کیوں کہ سریانی مترجمین اس زبان سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔

ابن البطریق کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ لاطینی زبان میں مہارت رکھتا تھا اور دوسری زبانیں معمولی طور پر جانتا تھا اس نے بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا بظاہر یہی ہے کہ اس نے لاطینی سے عربی میں ترجمہ کیا۔[۳۳] دارالترجمہ کے ساتھ دیگر مندرجہ ذیل شعبہ جات مصروفِ عمل تھے۔

(۱) شعبہ تصحیح (۲) شعبہ تصنیف و تالیف (۳) شعبہ تسوید اور شعبہ تجلید۔

---

[۳۱] جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج ۳، ص ۱۸۷، طبع مصر ۱۹۰۲ء

[۳۲] ایضاً ص ۱۹۲ 〃 〃 〃 〃

[۳۳] ایضاً ص ۱۹۳ 〃 〃 〃 〃

۱، **شعبۂ تصحیح** :- پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ مترجمین فنی مہارت میں مختلف درجات پر فائز تھے اور اس حیثیت سے ترجمہ کا کام بھی مختلف انداز میں کیا جاتا تھا بعض مترجمین چوں کہ تمام شرائط ترجمہ پر پورے نہیں اترتے تھے اس لیے ان کے کام تصحیح کے طالب تھے ای مقصد کے لیے ایک ذیلی شعبہ شعبۂ تصحیح قائم کیا گیا۔ اور اس کا نگراں ابو زکریا یحییٰ یوحنا بن ماسویہ کو مقرر کیا گیا۔ ان کے بعد حنین بن اسحاق العبادی اس اہم کام کی نگرانی پر متعین ہوا۔ یہ بہت بڑا ماہر فن تسلیم کیا جاتا تھا اور اس کی تصحیح آخری تصحیح سمجھی جاتی تھی۔ اس نے زبان و اسلوب کو نیا رنگ دیا اور ترجمہ کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے روشناس کرایا جن کتابوں کی اس نے تصحیح کی ہے اُن میں مزید اصلاح کی ضرورت نہیں پائی گئی۔

تیسرا شخص جو اس سلسلے میں مشہور ہے وہ قسطا بن لوقا بعلبکی (متوفی ۳۰۰ھ مطابق ۹۱۲ء) تھا یہ شخص یونانی اور سریانی زبان کا زبردست فاضل تھا اس کی اصلاح شدہ کتابیں بھی حنین بن اسحاق کی کتابوں کی طرح قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں اس سلسلے کا چوتھا شخص ثابت بن قرہ الحرانی (متوفی ۲۸۸ھ مطابق ۹۰۵ء) تھا یہ شخص حکمت و فلسفہ کا بہت بڑا فاضل تھا اور حکمت و فلسفہ کی کتابوں کی تصحیح کا کام زیادہ تر کرتا تھا۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ ترجمہ میں ضبط و احتیاط اور مطالعہ و مشاہدہ کی انتہائی ضرورت پڑتی ہے۔ عہد اموی میں ان شرائط کے ساتھ ترجمہ کا کام منظر عام پر نہیں آیا لیکن عہد عباسی میں ترجمہ کے کام نے ایک مربوط اور منظم شکل اختیار کی۔

حنین بن اسحاق العبادی نے جب اس کام کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھالی تو تمام تنظیمی عناصر شعبۂ ترجمہ میں اکمل ترین طریقے پر پائے گئے۔ حنین بن اسحاق سے قبل اگرچہ مترجمین و مصلحین غیر ملکی زبانوں سے بخوبی واقف تھے لیکن عربی میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اس کے ..... برخلاف حنین بن اسحاق عربی میں مہارت رکھتا تھا۔ اس لیے ترجمہ اور اصلاح کا کام اطمینان بخش طریقے سے انجام پاتا تھا... ابتدائی دور کے مترجمین کی بابت بہاء الدین آملی لکھتے ہیں:

"" یوحنا بن البطریق اور ابن الناعمۃ الحمصی نے یونانی کتابوں کا لفظی ترجمہ

کیا جو کر ترجمہ کے لیے اچھا طریقہ نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ ہر یونانی لفظ کا بدل عربی زبان میں نہیں مل سکتا، اس لیے تراجم میں یونانی زبان کے الفاظ بعینہ برقرار رہے اس کے علاوہ جملوں کی ساخت میں بھی اختلاف ہے اور محاورات سے عدم واقفیت بھی ترجمہ کو غیر معقول بنانے میں بہت بڑا سبب تھی۔[۳۴]

لیکن حنین بن اسحاق العبادی نے بیت الحکمت کے دارالترجمہ میں جو کام کیا اور دوسرے مترجمین سے جو کام کرایا وہ انتہائی قابل قدر اور مقبول عام عمل تھا۔ حنین نے نامور مترجمین کو اس شعبہ میں بھرتی کیا اور اپنی نگرانی میں ان سے ترجمہ کا کام لیا حنین ان مترجمین کو اسلوب نگارش کی بھی تربیت دیتا تھا۔ اس وجہ سے ترجمہ میں اسلوب حنین کی عام جھلک ملتی ہے۔ مترجمین نے حنین کے اسلوب کو اس قدر برتا کہ بعض مؤرخین عیسیٰ بن یحییٰ اور اسحاق بن حنین اور حبیش الاعسم کے تراجم کو حنین کا ترجمہ سمجھ لیا۔[۳۵]

شعبۂ تصنیف و تالیف :۔ دارالترجمہ میں ترجمہ کا کام بڑے پیمانے پر ہوا۔ اس کی مثال اسلامی تاریخ میں آج تک کبھی نہ ملی ترجمہ کے عمل کو مسلمانوں نے غیر ملکی علوم و فنون کو عالم اسلام کی طرف منتقل کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ قرار دیا لیکن یہ کام ایک دوسرے عمل کا پیش خیمہ تھا اور وہ تھا تصانیف و تالیف کا کام۔ ترجمہ کے ذریعہ ایک معیاری ذخیرۂ علوم و فنون مہیا ہو گیا۔ یہ ترجمہ علمی پیش قدمی اور مستقل تالیفات و تصنیفات کے سلسلے میں ایک عظیم کارنامہ تھا۔ مسلم دانشوروں نے تراجم کی روشنی میں مستقل تصنیفات کی طرف توجہ دی مثلاً یوحنا بن ماسویہ نے مستقل تالیفات کیں اس کی ایک ..... تصنیف کتاب المشجر کے نام سے مشہور ہے اسی طرح حنین بن اسحاق العبادی نے طبع زاد کتابیں تالیف کیں ان کی ایک کتاب "کتاب المسائل" کے نام سے مشہور ہے۔ تراجم کی بنیاد پر عربوں نے علمی میدان میں بہت پیش قدمی کی انہوں نے اکتشافات اور اصلاحات بھی کیں۔ اور اضافے بھی

---

[۳۴] بہاؤ الدین آملی، کشکول، ص ۱۹۱، طبع مصر ۱۹۵۱ء

[۳۵] القفطی، تاریخ الحکماء ص ۱۲۸، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

کیے۔ اس طرح وہ ایسے دور میں داخل ہو گئے جس کو ہم عروج کا نام دے سکتے ہیں جس میں علمی مباحث اور تالیفات کا میدان بہت وسیع ہو گیا تھا۔ مثلاً ریاضی میں مشہور عالم محمد بن موسیٰ الخوارزمی (متوفی ۲۳۶ھ مطابق ۸۵۰ء) نے کتاب الجبر والمقابلہ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ فلکیات میں ابن جابر البتانی (متوفی ۳۱۸ھ مطابق ۹۳۰ء) نے کتاب الزیج کے نام سے ایک کتاب لکھی اسی طرح بے شمار علمی تالیفات وجود میں آئیں۔

الغرض دارالترجمہ ایک بہت بڑا وسیلہ ثابت ہوا۔ دارالتصنیف والتالیف کو وجود میں لانے کا۔ اسی دارالترجمہ سے منسلک دیگر دو شعبے بھی تھے جن میں تکمیلی کام سرانجام پاتے تھے۔ بظاہر مترجمین ترجمہ کا عمل تیزی سے انجام دیتے تھے۔ اس لیے خوش نویسی اور خطاطی کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگ روز کم و بیش سو ورق تک لکھ لیتے تھے۔ جیسا کہ ابن الندیم نے ایک واقعہ کے ضمن میں لکھا ہے۔[۳۶]

شعبۂ تسوید:۔ اس وجہ سے ایک ذیلی شعبہ "شعبۂ تسوید" کے نام سے وجود میں آیا۔ اس شعبہ میں خطاطی کا کام ہوتا تھا بہت ماہر کُتّاب ترجمہ شدہ مواد کو خوش نویسی کے ساتھ نقل کرنے پر مامور تھے۔ ان میں علان شعوبی اور ازرق مشہور ہیں۔

"یہ حنین بن اسحاق کے تراجم کی تسوید خصوصی طور پر کیا کرتے تھے۔ ان خوش نویسوں کا بیٹھنے کا ایک خاص مقام تھا۔[۳۷]

بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے تھے جو کتابوں کو حاصل کرنے کی رغبت رکھتے تھے اور یہ ذاتی شوق و رغبت ان کو اس مقام پر کھینچ لاتا تھا۔ اس لیے یہ لوگ تراجم کی تسوید شوق و رغبت سے کیا کرتے تھے اور بطور فن و پیشہ اس کام کو نہیں کرتے تھے۔

شعبۂ جلد سازی سب سے آخر میں وہ ذیلی شعبہ تھا جس میں تجلید کا کام

---

[۳۶] ابن الندیم، الفہرست، ص ۶۱۳، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

[۳۷] جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، جلد ۳، ص ۲۰۶، طبع الہلال ۱۹۰۲ء

ہوتا تھا۔ علمی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کے لیے اس شعبے کا قیام ضروری تھا۔ اس میں قدیم بوسیدہ اور کرم خوردہ کتابوں کی مرمت بھی ہوتی تھی اور نئی کتابوں کی جلد سازی بھی کی جاتی تھی مسلمانوں نے ہر دور میں علمی سرمایہ کو ایک گراں سرمایہ قرار دیا اور اس کو محفوظ رکھنے کے لیے زر کثیر صرف کیا اس بیت الحکمت کے شعبہ تجلید میں بے شمار کارندے مصروف عمل رہتے تھے۔ تذکروں میں ابن ابی الحریش نامی جلد ساز کا پتہ چلتا ہے۔ [۳۹]

المرصد:۔ یہ شعبہ بیت الحکمت کا بہت اہم شعبہ تھا یہ پہلی رصدگاہ تھی جس کو عہد اسلامی میں قائم کیا گیا۔ اس سے قبل بطلیموس نے بھی ستاروں کے حالات معلوم کیے تھے اور جب مجسطی کا ترجمہ عربی زبان ہوا تو علمائے اسلام نے رصد کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس سلسلے میں مؤلف حکمائے اسلام رقمطراز ہیں:۔

"جب مامون خلیفہ ہوا اور اس نے فلسفہ اور حکمت سے واقفیت حاصل کرنا چاہی اور اس کے زمانے کے علماء نے کتاب المجسطی سے واقفیت حاصل کی اور اس میں جن آلات رصد کا بیان تھا ان کی صورت سمجھی تو اس نے سلطنت کے اطراف وجوانب سے اپنے زمانے کے علماء کو جمع کیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ بھی اسی قسم کے اصول وقواعد وضع کریں اور بطلیموس سے پہلے لوگوں نے جس طرح ستاروں کے حالات معلوم کیے اسی طرح وہ بھی معلوم کریں ان علماء نے ایسا ہی کیا اور دمشق کے شہر شماسیہ میں ۲۱۴ھ مطابق ۸۲۹ء میں ایک رصدگاہ قائم کی اس کے ذریعہ سے سورج اور بہت سے ثوابت وسیارات کے حالات معلوم کیے لیکن ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء میں مامون کی وفات کی وجہ سے یہ علماء اپنے مقاصد کو پورا نہ کر سکے اور تحقیقات کے جس درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ اس کو لکھ لیا اور اس کا نام رصد مامونی رکھا اس کام کو زمانے کے رئیس المنجمین یحییٰ ابن ابو منصور خالد بن عبدالملک

---

[۳۹] علامہ شبلی، مقالات، ص ۱۵۷ طبع علی گڑھ ۱۹۸ء

المزوری سند بن علی عباس بن سعید جوہری نے انجام دیا ان کی یہ رصد سلطنت اسلام میں پہلی رصد تھی"۔ ۳۹

درحقیقت شماسیہ بغداد کا ایک محلہ تھا اور پہلی رصدگاہ اسی محلہ میں قائم کی گئی۔ اور دوسری رصدگاہ دمشق میں قائم کی گئی وہ بمقام قاسیون تھا اس حقیقت کو خود مؤلف حکمائے اسلام نے دوسری جگہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"یحییٰ بن ابی منصور کی سند سے بغداد میں بمقام شماسیہ ایک رصدخانہ قائم کیا اور اسلام میں یہ پہلا رصدخانہ تھا۔۔۔ جو مامونی دور میں قائم ہوا"۔ ۴۰

دراصل یہ اختلاف دو قدیم مؤلفین میں اختلاف کی بناء پر رونما ہوا پہلے مؤلف نے ابن صاعد اندلسی کی طبقات الامم کی بناء پر لکھا ہے کہ یہ رصدگاہ ۲۱۴ھ مطابق ۸۲۹ء میں دمشق کے شہر شماسیہ میں قائم کی گئی۔ اور دوسری بات انہوں نے ابن الندیم کی مشہور کتاب "الفہرست" کی بناء پر لکھی ہے جس میں شماسیہ کو بغداد ہی کا ایک محلہ تسلیم کیا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ یہ بغداد کا ہی محلہ تھا جس کا اقرار خود مولانا نے کیا ہے۔

اس سلسلے میں تحقیقی بات وہی ہے جس کو مزمل حسن صدیقی صاحب نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے۔

"مسلم تاریخ میں پہلی رصدگاہ مامون رشید کے عہد خلافت میں قائم ہوئی یہ رصدگاہ بغداد میں دریائے دجلہ کے کنارے محلہ شماسیہ میں یا اس کے قریب قائم کی گئی تھی مامون ہی کے عہد میں ایک اور رصدگاہ دمشق سے تقریباً ۲½ میل کے فاصلہ پر قائم کی گئی تھی جس کا نام قاسیون تھا، اسے قاسیون کی رصد کا نام دیا گیا"۔ ۴۱

---

۳۹ مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام حصہ اول، ص ۹۵، طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

۴۰ ایضاً

۴۱ مزمل حسین صدیقی، مقالہ فلکیات میں مسلمانوں کی تحقیقی کاوشیں اور ان کے اثرات المعارف شمارہ نمبر ۲ اپریل ص ۵۱ طبع لاہور

یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ عہد مامونی میں دو رصد گاہیں قائم کی گئیں ایک بغداد میں بمقام شماسیہ اور دوسری دمشق میں بمقام قاسیون یہ بات بھی مسلم ہے کہ رصدگاہ کے قیام میں چار اشخاص نے خاص طور پر کارہائے نمایاں انجام دیئے دمشق اور بغداد کی دونوں رصدگاہوں کی نگرانی دو مشہور ہیئت دانوں کے سپرد کی گئی۔ مشہور یہی ہے کہ بغداد میں رصدگاہ کا نگراں یحییٰ بن ابی منصور تھا جیسا کہ مؤلف حکمائے اسلام نے لکھا ہے اور یہ بات انہوں نے تتمہ صوان الحکمۃ کی بنا پر لکھی ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں اُن کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔

"هُوَ صاحبُ الرصدِ فِی ایّامِ المامون وکانَ متبحراً فی عُلومِ الهندسة۔"[۴۲]

یعنی مامون کے زمانے میں وہ رصدگاہ کے مہتمم تھے اور علم ہندسہ میں ان کو بڑی مہارت حاصل تھی۔

بعض محققین نے بغداد کی رصدگاہ کا مہتمم عباس بن سعید جوہری کو قرار دیا ہے اور یحییٰ بن ابی منصور کو قاسیون کی رصدگاہ کا مہتمم تسلیم کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں یحییٰ بغداد کی رصدگاہ کا مہتمم رہا ہو پھر قاسیون کی رصدگاہ کے قیام کے بعد وہاں کا مہتمم مقرر ہوا ہو اس صورت میں اس سلسلے کا اختلاف دفع ہو جاتا ہے۔

الغرض دولتِ اسلامیہ کی یہ ایک عظیم الشان رصدگاہ تھی جو بیت الحکمت سے منسلک تھی۔ اس رصدگاہ کے لیے بیش بہا آلات رصد یہ تیار کیے گئے جن کی بنا پر سیارات و ثوابت کے بہت سے حالات معلوم کیے گئے اور زمین کے بارے میں جدید معلومات فراہم کی گئیں۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی رقمطراز ہیں۔

"دولت اسلامیہ میں اول جس نے رصدخانے کی بنیاد ڈالی اور بیش بہا آلات رصد مہیا کیے وہ یہی نامور خلیفہ مامون ہے اس کام کے لیے اس نے علاوہ ان لوگوں کے جو دربار میں تھے۔ تمام ممالک محروسہ سے ہیئت و ہندسہ کے ماہرین فن تیار کیے اور ۲۱۳ھ مطابق ۸۲۹ء میں بمقام شماسیہ عظیم الشان رصدخانہ قائم کیا

---

[۴۲] مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام حصہ اول ص ۹۲ طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

اس کے لیے نہایت بیش بہا آلات تیار ہوئے اور آفتاب کے میل کی مقدار اس کے مرکزوں کا خروج اوج کے مواضع اور چند سیارات و ثوابت کے حالات دریافت کیے گئے۔" [۴۳]

عام طور پر رصد گاہیں تربیتی مراکز کے طور پر بھی کام کرتی تھیں اُن سے منسلک ادارے ہوتے تھے جہاں علم ہیئت کی تعلیم دی جاتی تھی اور قرینِ قیاس یہی ہے کہ رصد مامونی بھی اسی سلسلے میں بطور تربیت گاہ اپنے عمل کو انجام دینے میں پیش پیش رہی ہوگی۔ اسی سلسلے میں فلپ حتی لکھتے ہیں کہ۔

"مامون نے (۲۱۵ھ مطابق ۸۳۰ء) میں بغداد میں بیت الحکمت کی بنیاد رکھی۔ یہ ترجمہ کے عمل کو انجام دینے کے علاوہ ایک علمی اکیڈمی کے طور پر بھی کام کرتا تھا جس میں ایک عمومی لائبریری اور رصد گاہ بھی تھی۔ یہ خیال رہے کہ رصد گاہیں بطور مدارس بھی کام کرتی تھیں۔ جہاں پر علم ہیئت . . . . . کی تعلیم دی جاتی تھی۔" [۴۴]

بیتُ الحکمت کے اثرات : بیت الحکمت کا قیام ایک ایسا اہم کارنامہ تھا جس کے اثرات دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ بعد کے خلفاء نے علمی اور فکری میدان میں جو کارنامے انجام دیے اسی طرح سلاطین و اُمراء نے علمی ترقی میں جو حصہ لیا اس کام میں بیت الحکمت کا بہت بڑا ہاتھ تھا بعد کے ادوار میں سلاطین و اُمراء نے سابقہ نمونے پر رصد گاہیں تعمیر کیں آلات رصدیہ کی صنعت کی طرف توجہ دی۔ شفاخانوں کا قیام ہوا۔ اس طرح بیت الحکمت نے عظیم الشان ذہن سازی کا کام انجام دیا۔ اسی بنیاد پر عرب آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور اپنی ذہانت کی بدولت ہر علم میں انہوں نے ایجادات و اکتشافات کیے انہوں نے قدماء کے علوم کو ازبر کیا اور ضرورت کے مطابق ان میں اصلاحات کیں اور ان میں اضافے بھی کیے اس طرح علمی اور عقلی میدان بہت وسیع ہو گیا۔ بیت الحکمت کے اثرات اور اس کی

---

[۴۳] علامہ شبلیؒ، المامون، ص ۱۶۸، طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۷ء

[۴۴] فلپ حتی، تاریخ عرب (انگریزی) ص ۴۱۰، طبع نیویارک ۱۹۶۸ء

عظمت کے نقوش مختلف اقوام میں عموماً اور عربوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں خصوصاً ملتے ہیں۔ چاہے فلسفہ ہو یا حکمت ہو یا طبی یا اجتماعی یا اقتصادی اور سیاسی شعبہ ہو ہر میدان میں بیت الحکمت کی اثر پذیری نمایاں طور پر دیکھنے کو ملتی ہے۔

عربوں نے مختلف شعبوں میں حیرت انگیز طور پر ترقی کی اور ہر قسم کے علوم میں اپنی ذہانت کی بدولت اصلاحات وایجادات واکتشافات کے عمل کو سرانجام دیا۔

ریاضیات میں انہوں نے ہندوستانیوں کے نظام کو حاصل کیا اور ان میں اصلاحات کیں۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی (متوفی ۲۳۶ھ مطابق ۸۵۰ء) الجبرا کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے۔ فلکیات میں بھی عربوں نے بہت بڑے کارنامے انجام دیئے چنانچہ سندھ ہند کا مترجم محمد الفزاری (متوفی ۱۵۸ھ مطابق ۷۷۴ء) فلکیات کا بہت بڑا عالم تھا۔ دوسرا شخص ابراہیم بن سلیمان (متوفی ۱۶۰ھ مطابق ۷۷۶ء) اس میدان کا بہت بڑا ہیرو تھا انہوں نے بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ اصطرلاب کو تیار کر دیا اسی طرح بنی موسیٰ بن شاکر نے اس سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ انہوں نے سامرا شہر میں فلکیات پر ریسرچ کے لیے ایک رصدگاہ بنائی تھی، اسی طرح ابن جابر البتانی (متوفی ۳۱۸ھ مطابق ۹۳۰ء) کا نام قابلِ ذکر ہے۔ اسی طرح ہیئت دانوں میں علی بن یحییٰ المنجم (متوفی ۲۷۵ھ مطابق ۸۸۸ء) نصیر الدین طوسی (متوفی ۶۶۳ھ مطابق ۱۲۶۴ء) اور ابوریحان البیرونی مؤلف القانون المسعودی (متوفی ۴۴۰ھ مطابق ۱۰۶۴ء) ابورجال القیروانی (متوفی ۴۳۶ھ مطابق ۱۰۴۳ء) مؤلف کتاب البارع فی احکام النجوم اور ابن التجار التلمسانی (متوفی ۷۲۱ھ مطابق ۱۳۲۱ء) قابلِ ذکر ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا بیت الحکمت سے منسلک تین اہم شعبہ جات تھے ترجمہ وتالیف کا شعبہ کتب خانہ کا شعبہ اور رصدگاہ، پورے عباسی دور میں ترجمہ وتالیف کا کام چلتا رہا لیکن جو تنظیم دورِ مامونی تک رہی بعد کے ادوار میں وہ تنظیم نہیں ملتی ہے۔ بعد کے ادوار میں جو مترجمین ترجمہ کے عمل میں مصروف ہوئے ان میں ابراہیم بن بکس۔ اسحاق بن علی، عیسیٰ بن زرعہ اور یحییٰ بن یونان قابلِ ذکر ہیں۔

بیت الحکمت نے اپنے خزینۃ الکتب کے اثرات کو بھی دور دور تک پھیلایا

تھا۔ بعد کے ادوار میں سلاطین و امراء نے بے شمار کتب خانوں کے قیام کی طرف توجہ دی۔ مختلف علاقوں امراء و سلاطین بیت الحکمت کے طرز پر کتب خانوں کو قائم کرتے رہے۔ اندلس میں بڑے بڑے کتب خانے قائم کیے گئے مثلاً (۱) کتب خانہ عبدالرحمٰن بن الحکم (المتوفی ۲۳۸ھ مطابق ۸۵۲ء یہ اندلس میں بنو امیہ کا چوتھا خلیفہ تھا اس نے مدارس قائم کیے اور مدارس کے ساتھ کتب خانے بھی معرض وجود میں آئے۔[۴۵]

(۲) کتب خانہ محمد بن عبدالرحمٰن (متوفی ۲۷۳ھ مطابق ۸۸۶ء)۔ یہ علمائے حدیث سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ یہ بہت بڑے کتب خانے کے مالک تھے اور ہر طرح کی کتابوں کا ذخیرہ قائم کرنے کا بہت شوقین تھے۔

(۳) کتب خانہ محمد بن حزم (المتوفی ۲۸۲ھ مطابق ۸۹۵ء)۔ یہ ایک قابلِ رشک کتب خانے کا مالک تھا اس نے اس قدر کتابیں جمع کیں کہ اس سے قبل کسی نے نہ کی تھیں۔[۴۶]

یہ سب کچھ مغرب میں ہوا۔ مشرق میں بھی اسی طرح کے عظیم الشان کارنامے اس سلسلے میں انجام دیے گئے۔ مستنصر باللہ ۶۴۰ھ مطابق ۱۲۴۳ء کا کتب خانہ اور مدرسہ عباسی دور کا ایک زبردست کارنامہ ہے جس کی نظیر اس وقت روئے زمین پر موجود نہیں تھی اس کتب خانے کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا .... ہے کہ اس کے لیے جو منتخب کتابیں آئی تھیں وہ ایک سو ساٹھ ۱۶۰ اونٹوں پر لاد کر لائی گئی تھیں۔

ان کتب خانوں کا سرتاج فاطمین مصر کا کتب خانہ تھا۔ یہ کتب خانہ شاہی محل کا ایک حصہ تھا اور چالیس جدا جدا کتب خانوں پر مشتمل تھا جن میں سے ایک کتب خانہ میں صرف علوم قدیمہ یعنی فلسفہ وغیرہ کی صرف اٹھارہ ہزار کتابیں تھیں کتب خانوں

---

[۴۵] سید منیر علی، اندلس کی اسلامی تاریخ، ص ۱۰۴، طبع کراچی ۱۹۶۸ء

[۴۶] محمد فاضل خان، عہد اُمیہ کے کتب خانے، بحوالہ مجلۃ المعارف، ص ۱۰۷، خصوصی شمارہ ۲۵۵، اپریل مئی ۱۹۸۵ء طبع ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۲۴۔

کو قائم کرنے کا شوق سلاطین اور والیانِ ملک تک محدود نہ تھا بلکہ اس زمانے کے اکثر علماء اور عہدے داران علمی کتب خانہ کو لازمۂ عزت سمجھتے تھے۔ [۱۴۹]

ان کے علاوہ بھی نہ جانے کتنے کتب خانے ہوں گے جن کے نام تاریخ سے اوجھل ہیں۔ مندرجہ بالا کتب خانے تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں ان کتب خانوں نے علم کی بقا کے لیے جو کار ہائے نمایاں انجام دیئے وہ رہتی دنیا تک تاریخ کے صفحات میں زندہ وجاوید رہیں گے۔ الغرض بیت الحکمت وہ زندہ وجاوید کارنامہ تھا جس کی بناء پر عالم اسلام میں بے مثل علمی ترقی ہوئی اور نامور حکماء و فضلاء اطباء اور موحد پیدا ہوئے۔ جن کے نام صفحات تاریخ میں بہت ہی نمایاں ہیں۔

دولتِ اسلامیہ میں جو علمی ترقی ہوئی یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بہت حد تک بیت الحکمت کی رہینِ منت ہے۔ اب ہم مختصراً ان علمی ترقیوں کا تذکرہ کرتے ہیں جن کو ہم بیت الحکمت کے اثرات میں شمار کر سکتے ہیں۔

یونانی تہذیب وہ سرچشمہ تھی جس سے عربوں نے دوسروں کی بہ نسبت خوب سیرابی حاصل کی۔ انہوں نے ارسطو کو اچھی طرح پہچانا اور ترجمہ و اصلاح کے ذریعہ مختلف علوم و فنون کو آگے بڑھایا جس کے نتیجے میں عالم اسلام میں فلسفہ، حکمت، ریاضی، ہیئت، طب، ادب اور اخلاق کے میدان میں سینکڑوں مشہور علماء عالم وجود میں آئے۔ ان میں سے حسن بن ہیثم علم بصریات کے موجد، شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا (متوفی ۴۲۸ھ مطابق ۱۰۳۷ء) ابوبکر محمد بن زکریا الرازی (متوفی ۳۱۱ھ مطابق ۹۲۳ء) جابر بن حیان، ابوالولید ابن رشد (متوفی ۵۹۵ھ مطابق ۱۲۰۲ء) شریف الادریسی متوفی ۴۵۸ھ مطابق ۱۰۶۶ء اور امام غزالی (متوفی ۵۰۲ھ مطابق ۱۱۹۸ء قابل ذکر ہیں۔

بیت الحکمت میں مترجمین دن رات ترجمہ کے کام میں مصروف رہتے تھے اور ان کا نصب العین ہی قدیم کتب کا ترجمہ تھا یا ترجمہ شدہ کتابوں کی اصلاح تھا اور جن کی بدولت یونان کا بیشتر علمی سرمایہ عربی میں منتقل ہو گیا۔ اور ان ترجموں کی بدولت عربوں نے تحقیق کا ایک نیا میدان پایا اور ایک جدید تہذیب سے ہمکنار ہوئے

---

[۱۴۹] علامہ شبلی، رسائل، ص ۲۹-۲۸، طبع علی گڑھ ۱۸۹۸ء

لیکن علمائے عرب نے ان تراجم کو عقل و نظر کی کسوٹی پر پرکھا اور باریک بینی سے اُن کا مطالعہ کیا اور ایک بے لاگ تنقید نگار کی صفت سے متصف ہوئے۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اللہ نے علماء کو خطاؤں سے محفوظ نہیں کیا۔ بلکہ طالبِ حق وہی ہے جو ان کے بارے میں کچھ بدگمانی بھی رکھے۔ اور جو کچھ ان کے بارے میں سمجھتا ہے۔ اس میں ٹھہر کر غور کرے اور دلیل و بُرہان کی اتباع کرے۔ یہ مترجمین زیادہ تر سُریانی ہیں۔[48]

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بیت الحکمت میں بے انتہا تراجم کیے گئے۔ لیکن بقول صاحب کشف الظنون عیسائی مترجمین ذاتی شوق و علمی دلچسپی سے ترجمہ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان سے کسی خلیفہ یا وزیر یا کسی بڑے شخص کی حکم کی تعمیل مقصود ہوتی تھی[49]

مامون کے زمانے میں اگرچہ کتابوں کے انتخاب اور ترجموں کی اصلاح کی طرف خاص توجہ کی گئی لیکن پھر بھی حنین وغیرہ نے جو ترجمے کیے وہ کچھ مُبہم اور ایک دوسرے سے مختلف تھے۔[50]

لیکن مسلمانوں نے یونانی کتابوں کے تراجم کے ذریعہ سے جو یونانی علوم حاصل کیے ان میں۔۔۔ ان عیسائیوں کے تراجم سے زیادہ صحت، وضاحت اور دقّت نظری پائی جاتی تھی اور اس کے ساتھ انہوں نے خود بہت کچھ ایجادات و اختراعات کی تھیں[51]

---

[48] فلپ حتی، تاریخ عرب، ص ۳۱۰ طبع نیویارک ۱۹۶۸ء

[49] حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ج ۱ ص ۴۴۹۔

[50] ایضاً ص ۴۲۹

[51] مولانا عبد السلام ندوی، حکمائے اسلام ج ۱ ص ۸۲ طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

آٹھواں باب

عہدِ مامون کے مترجمین

اور

اُن کے علمی کارنامے

عہدِ عباسی میں اگرچہ بہت سے مترجمین پیدا ہوئے لیکن یہ امتیاز صرف مامونی دور کو حاصل ہے کہ مترجمین میں جو لوگ بہترین فنکار تسلیم کیے گئے وہ سب کے سب اسی دورِ مامونی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مؤرخین نے بالاتفاق سب سے زیادہ ماہر مترجمین میں چار اشخاص کو شمار کیا ہے۔ صاحبِ عیون الانباء لکھتے ہیں۔

"حُذاق الترجمة فی الاسلام اربعةٌ۔ حنین بن اسحاق و یعقوب بن اسحاق الکندی۔ و ثابت بن قرہ الحرانی و عمر بن الفرخان الطبری"[1]

ترجمہ:- دورِ اسلام میں چار ماہر مترجمین ہوئے، یعنی حنین بن اسحاق، یعقوب بن اسحاق

---

[1] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، حکمائے اسلام، ص ۴۳۔

کندی، ثابت بن قرہ اور عمر بن خاقان طبری۔

اس باب میں مفصل طور پر ان مترجمین کا تذکرہ کیا جائے گا جنہوں نے عہد مامونی میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ایسے مترجمین کی تعداد جو ترجمہ اور اصلاح دونوں کام انجام دینے پر مامور تھے ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔ لیکن صرف ترجمہ کرنے والوں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ حنین بن اسحاق دونوں کاموں پر مامور تھا اس لیے اس باب کی ابتدا اسی کی شخصیت سے کی جاتی ہے۔

”حنین بن اسحاق“ (شیخ المترجمین العرب)

حنین بن اسحاق کی کنیت ابوزید ہے یہ حیرہ کے عرب قبیلہ عباد کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے عبادی کے لقب سے مشہور ہوا۔

پیدائش:۔ اس کی پیدائش بمقام حیرہ ۱۹۴ھ مطابق ۸۰۹ء اور مؤرخین کے مطابق ۱۹۱ھ مطابق ۸۰۶ء میں ہوئی ان کے باپ اسحاق دواسازی کا پیشہ کرتے تھے۔

تعلیم:۔ حنین کی ابتدائی تعلیم حیرہ ہی میں ہوئی اس کے بعد وہ بصرہ چلا گیا اور زبانِ عربی کی تکمیل خلیل بن احمد بصری سے کی۔ جو لغاتِ عرب کا پہلا مدوّن اور فنِ عروض کا موجد ہے، یونانی زبان بلادِ روم میں جا کر سیکھی، رفتہ رفتہ دربارِ خلافت میں پہونچا اور جبرئیل بن بختیشوع کے توسط سے . . . . . . دربار کا مقرب بن گیا۔[۲]

عربی لسانیات کی تکمیل کے بعد طب کی طرف متوجہ ہوا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ حنین کو شاعری کا بھی اچھا ملکہ تھا۔ بغداد میں ان دنوں یوحنا ابن ماسویہ (متوفی ۲۴۳ھ مطابق ۸۵۷ء) کی طبی مجلسوں کا بڑا چرچا تھا وہاں جا کر یوحنا کی سرپرستی میں اس کے شفاخانے میں دواساز کی حیثیت سے ملازم ہو گیا اسی دوران وہ یوحنا

---

[۲] علامہ شبلیؒ، المامون، ص ۱۶۵، طبع دوم، اعظم گڑھ ۱۹۵۷ء۔

کے طبی دروس میں بھی شرکت کرتا تھا اور دوران درس کچھ پیچیدہ سوالات یوحنا سے کرنے کا عادی تھا لیکن طبعی طور پر یوحنا اس سے متنفر تھا کیوں کہ حنین کو تاجر کی اولاد سے سمجھتا تھا، اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ مؤلف عیون الانباء فی طبقات الاطباء کی زبانی درج ذیل ہے۔

"یوسف بن ابراہیم کا بیان ہے کہ میں یوحنا بن ماسویہ کے درس میں حنین کے ساتھ شریک تھا اور طب کی کتاب فرق الطب کا درس لے رہا تھا حنین کچھ پیچیدہ سوالات کرنے لگا۔ یوحنا سے اس کا جواب نہ بن پڑا چوں کہ یوحنا حنین سے طبعی طور پر بھی متنفر تھا۔ کیوں کہ حنین کا تعلق حیرہ کے تاجروں سے تھا۔ اس لیے یوحنا کو اس کے سوالات گراں گذرے۔ یوحنا نے حنین کو ڈانٹ پلائی اور کہا جاؤ تمہیں طب سے کیا واسطہ صرافی کی دکان جماؤ اور یہ کہہ کر درس سے نکلوا دیا۔ حنین روتا ہوا مجلس سے باہر چلا گیا۔" ۳

حنین کو اس واقعہ سے سخت ذہنی صدمہ پہنچا لیکن ردّ عمل کے طور پر اس کے دل میں طب کے حصول کا شوق اور زیادہ پیدا ہو گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ حنین کی جودتِ طبع کو دیکھ کر اولاً یوحنا بہت ہی خوش ہوا لیکن حنین کے کثرتِ سوال کو وہ ناپسند کرتا تھا اس لیے دوران درس مذکورہ بالا واقعہ پیش آیا۔ بہرحال اس واقعہ نے طلبِ علم کے راستہ کو اس کے لیے ہموار کر دیا اور اسی واقعہ کے بعد اس نے بلادِ روم کا سفر کیا اور یونانی زبان میں مہارت حاصل کی کیوں کہ اس کو احساس تھا کہ یونانی زبان اور علومِ قدیمہ میں مہارت کے بغیر طب میں مہارت ممکن نہیں۔ کچھ دنوں تک اس نے اسکندریہ میں بھی اقامت کی اور یونانی علوم وادب کے حصول کے لیے کوشاں رہا۔ اس نے اس طرح مختلف سرزمینوں کی خاک چھان کر بیک وقت چار زبانوں میں مہارت حاصل کر لی یعنی فارسی، یونانی، عربی، اور سریانی میں۔ جب حنین دوبارہ بغداد واپس آیا تو اس کا ہمدرس یوسف بن ابراہیم اس وقت وہاں موجود تھا اس نے فوراً اس کو پہچان لیا۔ رفتہ رفتہ اس نے جبرئیل بن بختیشوع سے ربط وضبط پیدا

---

۳ ـ ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص ۲۷۵، مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

کیا۔ یوحنا ابن ماسویہ نے دوبارہ اس کو اپنے پاس بلوا لیا اور اپنے سابقہ رویہ پر نادم ہوا۔

علمی سرگرمیاں:۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مامون علوم عقلیہ پر مشتمل جو کتابیں بلادِ روم میں حاصل ہوئی تھیں ان کے ترجمہ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا اسی طرح درباری اطباء کو بھی تراجم کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ یہ حالات حنین کے لیے بہت سازگار ثابت ہوئے اور وہ جد و جہد سے دربار میں داخل ہو گیا۔ اسی عہد میں موسیٰ بن شاکر کے بیٹے علمی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ انہوں نے حنین کی صلاحیت کو پہچانا اور ان لوگوں نے حنین کو مامون کے دربار سے منسلک کر دیا اس طرح بیت الحکمت میں ترجمہ اور اصلاح کے کام پر مقرر کیا گیا۔

احمد امین لکھتے ہیں۔

"اتصلَ في اول أمرہ بالمامون، وعُيّنَ في بيتِ الحكمة الذي كانَ يزخرُ بالكُتُبِ اليونانيةِ التي نُقلتْ من آسيا الصُغرى وَمِن القسطنطنيةِ فأُخذ حنين يترجمُ منها الى السريانيةِ اولاً ثم الى العربيةِ ثم ترجمَ للمعتصم والواثق والمتوكل ولم يكتفِ بما جُمِعَ في بيت الحكمة بل رحلَ في نواحي العراق وسافرَ الى الشام والاسكندرية وبلاد الروم يجمعُ الكُتُبَ النادرةَ وماتَ سنة ٢٦٤ھ بعد أن عُمّرَ نحو سبعين عاماً بذل فيها من الجُهد العلمي ما لا يستطيعُ غيرُہ ان ينهض في مئات السنين"[سه]

ترجمہ:۔ علمی دُنیا میں قدم رکھنے سے پہلے اس کی رسائی مامون تک ہوئی اس نے اس کو بیت الحکمت میں مقرر کر دیا جہاں یونانی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا جو ایشیائے کوچک اور قسطنطنیہ سے لائی گئی تھیں حنین ان کا پہلے سریانی میں ترجمہ کرتا تھا پھر عربی میں۔ اسی طرح اس نے معتصم، واثق اور متوکل کے لیے بھی ترجمہ کا کام کیا۔ اس نے صرف بیت الحکمت میں موجود ذخیرہ کتب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نادر کتابوں کی خاطر عراق، شام، اسکندریہ اور بلادِ روم کا سفر کیا۔

[سه] احمد امین، ضحی الاسلام، ص ۲۹۹، الجزء الاول، الطبعة الثالثة القاهرہ ۱۹۳۸ء

وفات :- اس نے ۲۶۴ھ مطابق ۸۷۷ء) میں ستّر سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس قلیل مدت میں اس نے جو علمی کارنامے انجام دیے وہ سینکڑوں سالوں میں بھی دوسرے لوگ نہیں کر سکتے تھے۔

مامون نے حنین کو ترجمہ کے کام پر مامور کیا اور زر و دولت سے مالامال کر دیا مشاہرہ کے علاوہ صلہ اور انعامات کی کوئی حد نہیں تھی مشہور یہ ہے کہ مامون ہر کتاب کے ترجمہ کے عوض کتاب کے برابر سونا تول کر دیتا تھا۔ لیکن حنین نے خود ایک رسالہ میں دینار کے بجائے درہم کی تصریح کی ہے۔ مؤلف عیون الانباء فی طبقات الاطباء نے لکھا ہے کہ میں نے خود حنین کے بہت سے تراجم دیکھے جو اس کے کاتب ازرق کے ہاتھ کے تھے جس پر مامون کا شاہی طغرہ بنا ہوا تھا۔ مؤلف مذکور کا بیان ہے کہ یہ ترجمہ شدہ کتابیں نہایت جلی خط میں تھیں کاغذ نہایت گندہ تھا ہر صفحہ پر صرف چند سطریں تھیں۔ غالباً حنین قصداً کتاب کی ضخامت کو بڑھانا چاہتا تھا۔ کیوں کہ کتاب کے برابر تول کر اس کو چاندی ملتی تھی۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے جالینوس کے ذکر میں اس کی ۱۲۱ کتابوں کے نام اور ان کے مضامین لکھے ہیں پھر لکھا ہے کہ تقریباً یہ سب کتابیں حنین نے عربی میں ترجمہ کیں، حنین نے ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ کتاب البرہان کی تلاش میں فلسطین، مصر، اسکندریہ اور تمام ممالک شام میں پھرا لیکن صرف نصف مقالہ دمشق میں دستیاب ہوا، جالینوس کی کتابوں کے تراجم دیگر مترجمین نے بھی کیے۔ لیکن حنین کے تراجم سے ان کو کچھ نسبت نہیں ہے۔ [ـہ]

ترجمہ کے میدان میں حنین کے ساتھ دیگر معاونین بھی اس کام کو انجام دیتے رہے اس کے شاگردوں میں اس کا بیٹا اسحٰق اور اس کا بھانجا حبیش ہر قدم پر ترجمہ کے کام میں اس کی مدد کرتے تھے اس طرح یہ تینوں مل کر ترجمہ کی تحریک کو سرگرمی سے آگے بڑھاتے رہے عموماً حنین یونانی سے سریانی میں ترجمہ کرتا تھا اور پھر حبیش اس کو سریانی سے عربی میں منتقل کرتا تھا اور حنین اس پر نظر ثانی کرتا۔ حنین کے ساتھ دیگر معاونین میں موسیٰ بن خالد، یحییٰ بن ہارون اور اصطفان بن باسیل کے نام قابل ذکر ہیں۔

[ـہ] علامہ شبلیؒ، "المامون"، ص ۱۶۵، طبع دوم، اعظم گڑھ ۱۹۵۷ء

حنین نے ترجمہ کے کام کے لیے کچھ قواعد منضبط کیے تھے اس سلسلہ میں احمد امین لکھتے ہیں۔

"كَانَ يُترجم بنفسه، وكَانَ يُشرِفُ على جَماعةٍ تعملُ بإرشاده فقد جَعَلَ لَهُ المتوكل كُتّابا نحارير عالمين بالترجمة كانوا يترجمون و يتصفّح ما ترجموا كاصطفن بن باسيل وموسى بن خالد الترجماني و يحيى بن هارون كانَ يُترجِمُ كثيراً و يؤلفُ كثيراً وكانَ يضعُ احيانا الشّرحَ بمَا تُرجِمَ و يُلخّص المطولات، و يُصَحّحُ تراجمَ السابقين وعلى الجملة فقد كانَ حركةً علميةً دائمةً"[6]

ترجمہ:۔ "حنین بن اسحٰق خود ترجمہ کرتا تھا اور ایک جماعت کی نگرانی بھی کرتا تھا جو اس کی سرپرستی میں کام کرتی تھی۔ متوکل نے اپنے دور میں ماہر مترجمین کو اس کے ساتھ مقرر کیا۔ جو سب کے سب ترجمہ کے کام کرتے تھے اور حنین اس پر نظر ثانی کرتا تھا اس میں اصطفن بن باسیل موسیٰ بن خالد اور یحییٰ بن ہارون شامل تھے۔ حنین بہت زیادہ ترجمہ کرتا تھا اور تالیف کا کام بھی کثرت سے کرتا تھا، ترجمہ شدہ کتابوں کی تشریح و تبسیط اور مطولات کی تلخیص دونوں مشغولیات تھیں۔ مجموعی طور پر اس کی ذات ایک زبردست علمی تحریک کی حیثیت رکھتی تھی۔"

معاصرین:۔ اس دور میں حنین کے ساتھ دیگر مترجمین بھی منظر عام پر آئے۔ اگرچہ عہدِ مامونی میں ان میں سے کچھ کی سرگرمی نہ کے برابر رہی تھی لیکن عہدِ عباسی کے دورِ ثانی (۱۹۸ھ مطابق ۸۱۳ء سے ۳۰۰ھ مطابق ۹۱۳ء تک) میں جو ترجمہ کا سنہرا دور تھا اُس میں ان کو شہرت حاصل تھی اور وہ حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) ثابت بن قرہ حرانی:۔ (المتوفی ۲۸۸ھ مطابق ۹۰۱ء) یہ فرقہ صابیہ کا مشہور شخص تھا اور بہت بڑا عالم و مترجم تھا۔

(۲) قسطا بن لوقا:۔ (المتوفی ۲۹۹ھ مطابق ۹۱۱ء) بعلبک کا مشہور فلسفی تھا

---

[6] احمد امین، ضحی الاسلام ص ۲۶۶، الجزء الاول، الطبعۃ الثالثۃ، القاہرہ ۱۹۳۸ء

جس کو ھئیت، ہندسہ اور موسیقی میں مہارت حاصل تھی۔

(۳) یوحنا بن بطریق :۔ (متوفی ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء) یہ مامون رشید کا غلام تھا، یونانی، سریانی، اور لاطینی زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا۔

(۴) یحییٰ بن عدی التکریتی :۔ (متوفی ۳۶۴ھ مطابق ۹۷۴ء) یہ حنین کا شاگرد تھا۔ اور بغداد میں اس کی وفات ہوئی۔

(۵) یوحنا بن ماسویہ :۔ (متوفی ۲۴۳ھ مطابق ۸۵۷ء) یہ حنین کا استاد تھا اور جبرئیل بن بختیشوع کا شاگرد تھا۔

حنین کی ثقافت ایک ہمہ گیر ثقافت تھی، جس میں مختلف ثقافتوں کی جھلک نظر آتی تھی اور ان تمام ثقافتوں کا اس کی شخصیت کو نکھارنے میں ایک خاص رول رہا بیک وقت یہ چار زبانوں کا ماہر تھا، عربی، سریانی اور یونانی ثقافت سے اس کا گہرا تعلق تھا۔

ان ثقافتوں نے مل کر اس کی فکر کو دو پہلوؤں میں تقسیم کر دیا۔ ایک طرف ترجمے کے کام کو بخوبی انجام دیا۔ کیوں کہ علوم میں مہارت کی وجہ سے اس کام کا وہ اہل بھی تھا اور دو سو سے زائد یونانی کتابوں کے تراجم پر قادر ہو گیا، ان کتابوں میں جالینوس کی پچانوے ۹۵ کتابیں شامل ہیں۔ یہ طب کے علاوہ دیگر علوم سے بھی شغف رکھتا تھا مثلاً طبیعات، ریاضیات، نجوم، فلسفہ، تاریخ اور لغت وغیرہ۔ اور ان تمام علوم پر اس کی تالیفات اور تراجم موجود ہیں۔

حنین بحیثیت مترجم :۔ حنین مترجم اور مصنف دونوں حیثیتوں سے نمایاں مقام کا مالک تھا لیکن مترجم کی حیثیت سے اسے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ فارسی، عربی، یونانی اور سریانی چاروں زبانوں میں بیک وقت مہارت رکھتا تھا۔ عام طور پر ترجمہ نگار باضابطہ فنی مہارت کے حامل نہیں ہوتے تھے، لیکن حنین کے لسانیاتی اور فنی دونوں پہلو مستحکم تھے اس لیے وہ شہرت کے آسمان پر پہنچ گیا۔ اور بیک وقت کئی مختلف فنون کے تراجم پر قادر ہو گیا۔ حنین کا ترجمہ بہت دقیق ہوتا تھا اور سابق مترجمین کے برخلاف رکاکت لفظی اور اغلاط سے پاک وصاف ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یوحنا بن ماسویہ نے حنین کا ترجمہ پڑھ کر

تعجب کا اظہار کیا اور کہا تھا۔

"اَتُریٰ المسیح اوحیٰ فی دھرنا ھذا الیٰ احدٍ؟ فقلتُ لهٗ ما اَوحیٰ فی ھذا الدھر ولا فی غیرہٖ الیٰ احدٍ فقالَ لی لیس ھذا الاخراجُ الا اخراجُ مؤیدٍ بروحِ القدس۔[7]"

ترجمہ:- اس نے بطور تعجب کہا کہ کیا مسیح نے اس دور میں کسی پر وحی بھیجی؟ میں نے کہا نہ اس دور میں اور نہ کسی اور دور میں مسیح نے کسی پر وحی بھیجی تو اس نے کہا یہ ترجمہ کا کام اسی کا ہو سکتا ہے جس کی تائید روح القدس نے کی ہو۔

ترجمہ کے وقت ان کو بہت سی مشکلات کا بھی سامنا ہوا۔ کیوں کہ ایسے بہت سے یونانی کلمات تھے جن کے مماثل الفاظ سریانی اور عربی میں موجود نہیں تھے۔ حنین حتی الامکان ان یونانی الفاظ کا بدل تلاش کرتا تھا اور بدل نہ ملنے پر یونانی الفاظ کی تعریب بڑی خوب صورتی اور مہارت سے کرتا تھا اگرچہ بعض نقادوں نے حنین کے ترجمہ میں بعض خامیوں کی بھی نشاندھی کی ہے لیکن اکثر نقادوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حنین کا ترجمہ تمام تراجم میں افضل ہے۔

احمد امین لکھتے ہیں:

"ترجمةُ حنین افضل، ودقّتُها اعظم، ویخیلُ الی الانسان انها لیستْ نتیجةَ مجهودٍ صادقٍ فقط ولکنّها نتیجةُ تمکنٍ وثیقٍ من اللغة وحُسنِ تصرّفٍ فی مذاهبها ویتجلی هذا فی سلامةِ التوفیق بین الیونانیة والعربیة، والدقةِ المتناهیةِ فی التعبیر مَعَ الایجازِ تلک ممیزاتُ فصاحةِ حنین التی اشتهرَ بها"۔[8]

ترجمہ:- حنین کا ترجمہ سب سے عمدہ ہے اور بہت ہی دقیق ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ صرف سچی کوشش کا نتیجہ ہے بلکہ زبان پر پوری قدرت اور اچھے استعمال کے تمام طریقوں کو بخوبی جاننے کا نتیجہ ہے۔ یہ بات یونانی اور

---

[7] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص ۲۵۹ طبع بیروت ۱۹۶۵ء

[8] احمد امین، ضحی الاسلام، الجزو الاول، ص ۲۰۱ طبع القاھرہ، الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۳۹ء

عربی میں کامل موافقت کی عمدگی سے ظاہر ہوتی ہے اور اختصار کے ساتھ انتہائی دقیق پیرائے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ حنین کی فصاحت و بلاغت اور اس کی صحیح زبان دانی کی وہ خصوصیات ہیں جنہوں نے اسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔

ترجمہ کرتے وقت حنین سلیس ترجمہ کو ترجیح دیتا تھا اور ترجمہ میں ابہام اور غموض کو ناپسند کرتا تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے کہ حنین یونانی، سریانی اور عربی تینوں زبانوں میں فصاحت و بلاغت کا مالک تھا حنین ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے ترجمہ کے سلسلہ میں علمی اور تنقیدی طریقہ کو اختیار کیا وہ کسی ایک متن پر بھروسہ نہیں کرتا تھا بلکہ ترجمہ کرتے وقت متعدد نسخوں کو سامنے رکھتا تھا۔ مزید برآں متعدد علماء کی آراء کو اکٹھا کر کے ان سب میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ حنین ترجمہ میں کمال کا اس حد تک متلاشی تھا کہ نوعمری میں جو تراجم اس نے کیے تھے ان سب پر اس نے نظر ثانی کی اس سلسلہ میں اس کا بیان ہے۔

"کتاب الفرق کا ترجمہ نوجوانی میں یونانی نسخہ سے کیا تھا۔ یہ یونانی نسخہ بہت خراب حالت میں تھا۔ جب میری عمر چالیس سال کی ہوئی تو میرے شاگرد حبیش نے اس کی اصلاح کی مجھ سے درخواست کی میں نے کئی یونانی مخطوطات کو جمع کیا اور ایک صحیح نسخہ کی ترتیب دی اس نسخہ کا مقابلہ سریانی متن سے کیا۔ اس طرح اس نسخہ کی تصحیح کی اور یہی طریقہ میں نے تمام تراجم میں اختیار کیا"۔ [۹]

ترجمہ کے سلسلے میں حنین انفرادی ترجمہ پر یقین نہیں رکھتا تھا بلکہ اس نے اس غرض کے لیے ایک بورڈ قائم کیا تھا جس کو ترجمہ کا کام سپرد کیا تھا۔ اس بورڈ کے تراجم کی اصلاح اور مراجعت کا کام خود حنین کرتا تھا۔ اس بورڈ کے ترجمہ کی صحت اور خطا کا فیصلہ اسی کے اختیار میں تھا۔ اس کے ترجمہ کے سلسلے میں مؤلف عیون الانباء فی طبقات الاطباء لکھتے ہیں:

"فلمّا طالعتُها وتأملتُ ألفاظَها تبين لي بين نقلها وبين ستة عشرة التي هي نقلُ حنين، تُباين كثيرٌ وتفاوت بيّن وأين الممكّنُ من البليغ

---

[۹] والاستاد محمد علی الدحنا کان 'حنین بن اسحاق' ص ۶۰، طبع دمشق ۱۹۸۳ء (بحوالہ مجلہ ابحاث)

والثرٰی مِن الثُّریا"۔ [1]

ترجمہ :۔ میں نے جالینوس کی کتابوں کے تراجم کا مطالعہ کیا اور الفاظ میں غور کیا تو سولہ ترجمہ شدہ کتابوں میں جن کا ترجمہ حنین نے کیا تھا اور دوسروں نے بھی مجھ کو بہت فرق نظر آیا۔ اختلاف بالکل واضح تھا جیسے فصیح اور ہکلے میں فرق ہوتا ہے۔ اور ثریا و تحت الثریٰ میں فرق ہے۔

طریقۂ ترجمہ :۔ بہرحال حنین کا ترجمہ تنقیدی ہوتا تھا اور عصر جدید کے ترجمے اس میں مماثلت پائی جاتی تھی کیوں کہ حنین حتی الامکان تمام موجودہ نسخوں کو اکٹھا کر کے ان میں مقابلے کے بعد ترجمہ کرتا تھا۔ اگر کسی کتاب کا ترجمہ ایک ہی نسخہ سے کرتا اور بعد میں اس کا کوئی دوسرا نسخہ مل جاتا تو اپنے ترجمہ کا مقابلہ دوسرے نسخے سے بھی کرتا تاکہ غلطیوں کی اصلاح حتی الامکان کی جا سکے۔ حنین یونانی نسخوں کی تلاش میں ہر وقت سرگرداں رہتا تھا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی دور دراز علاقہ میں کسی نسخہ کا پتہ دیتا تو اس کے لیے فوراً سفر پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ حنین نے انتہائی فصاحت کے ساتھ ایسے لغات سے تراجم کو مہیا کیا جن کو عام طور پر اس زمانہ کے اطباء نہیں جانتے تھے۔ اگر ترجمہ کرتے وقت کسی یونانی لفظ کا بدل نہیں ملتا تھا تو یونانی لفظ کو عربی رسم الخط میں لکھ کر اس کی پوری تشریح کرتا تھا۔

حنین شہرت و عزت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا تھا۔ یہاں تک کہ خلیفہ متوکل (۲۳۲ھ مطابق ۸۴۷ء سے ۲۴۷ھ مطابق ۸۶۱ء) کے زمانے میں رئیس الاطباءٗ بن گیا۔ کہتے ہیں کہ اس تقرری سے قبل خلیفہ نے بطور امتحان اس سے ایک ایسی دوا تیار کرنے کو کہا جس سے خاموشی کے ساتھ دشمن کو ٹھکانے لگایا جا سکے۔ لیکن حنین نے انکار کیا تو خلیفہ نے اس کو قید و بند کی سزا دی۔ عام طور پر مورخین قید و بند کی سزا کو دوسرے واقعات سے جوڑتے ہیں اور وہ یہ کہ خلیفہ کو اس پر شک ہو گیا تھا اور رومیوں سے اس کے تعلقات کی بناء پر رومیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کا شبہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن حنین امتحان میں کامیاب ہو گیا اور قید و بند سے آزاد کر دیا

---

[1] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص ۲۶۲، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

گیا۔ حنین خود اقرار کرتا ہے کہ اس کے بہت سے حاسد پیدا ہو گئے خاص طور پر اس کے رشتہ دار اور اس کے ہم نشین اس پر رشک و حسد کی بنا پر اس پر تہمت لگانے میں پیش پیش تھے۔[11]

وفات:۔ حنین ستر سال تک شہرت و عزت کے آسمان پر چمکتا رہا۔ پھر اپنے پیچھے بیش بہا علمی ذخیرے کو چھوڑ کر ۲۶۴ھ مطابق ۸۷۷ء میں اس دار فانی سے رحلت کر گیا۔

تراجم و تصانیف:۔ حنین ترجمہ اور تالیف دونوں میدانوں میں کل ۱۳۵ اہم کتابوں کا تخلیق کار سمجھا جاتا ہے جن میں ۶۰ تراجم ہیں اور بعض کے نزدیک تراجم کی مجموعی تعداد ۱۲۶ ہے۔ جن میں ۱۱۲ طبی تراجم ہیں اور بقیہ ۱۴ علوم متفرقہ سے متعلق ہیں۔ ان کے دستیاب مخطوطات کی تعداد ۶۵ بتائی جاتی ہے جن میں ۵۰ طبی مخطوطات ہیں[12] اور مطبوعات کی تعداد ۹ ہے اور بعض کے نزدیک ۲۵ ہے حنین کی چند مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) کتاب فی المنطق۔
(۲) کتاب فی افعال الشمس والقمر۔
(۳) مقالہ فی خلق الانسان۔
(۴) کتاب نوادر الفلاسفۃ
(۵) کتاب فی الآثار العلویۃ
(۶) کتاب فی کیفیۃ ادراک الدیانۃ
(۷) شرح کتاب الفراسۃ لارسطاطالیس
(۸) مقالہ فی المد والجزر
(۹) کتاب فی النحو۔
(۱۰) کتاب الی علی ابن یحیٰی۔

---

[11] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص ۲۶۴، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

[12] حکیم سید محمد حسان نگرامی، مجلہ برہان، جلد ۱۰۲، اگست ۱۹۸۹ء دہلی۔

طبی تصانیف

(۱) کتاب خواص الاحجار

(۲) کتاب المسائل (المدخل فی الطب)

(۳) کتاب عشر مقالات فی العین ۔

(۴) کتاب التریاق

(۵) شرح کتاب الغذاء لابقراط

(۶) کتاب قوی الأغذیہ

(۷) اختصار کتاب جالینوس فی الادویۃ المفردۃ ۔

(۸) کتاب فی النبض ۔

(۹) کتاب فی الحمیات ۔

(۱۰) کتاب فی معرفۃ اوجاع المعدۃ وعلاجہا ۔

(۱۱) کتاب فی حالات الاعضاء ۔

(۱۲) رسالۃ فی قرص العود

(۱۳) مقالۃ فی الدلائل

(۱۴) کتاب فی البول مستخرج من کلام ابقراط وجالینوس ۔

(۱۵) مقالۃ فی ماء البقول ۔

(۱۶) کتاب فی اللبس ۔

(۱۷) کتاب فی امتحان الاطباء

(۱۸) کتاب الفوائد

(۱۹) مقالۃ فی ضیق النفس

(۲۰) کتاب فی تشریح آلات الغذاء ۔

تراجم :- ذیل میں حنین کے کچھ تراجم کے نام دیئے جا رہے ہیں اس وضاحت کے ساتھ کہ انھیں کل نہ سمجھا جائے حنین کے تراجم جس قدر ہیں ان تمام کی فہرست کسی ایک کتاب میں بھی مشکل ہے ۔ مؤلف عیون الانباء نے اس کی تصانیف اور تراجم خلط ملط کر دیئے ہیں یہی حال الفہرست کا ہے ۔ یہاں پر اس کے چند تراجم کا نام بطور نمونہ

درج کیا جاتا ہے ۔ طب میں اس کے مشہور تراجم حسبِ ذیل ہیں ۔

کتب أبقراط

(۱) کتاب الفصول

(۲) تقدمة المعرفة

(۳) کتاب الأخلاط

(۴) کتاب الغذاء

(۵) کتاب الکسر

(۶) کتاب اوجاع النساء

(۷) کتاب طبیعة الانسان

(۸) کتاب قاطیطریون

(۹) عہد أبقراط الی صناعة الطب

(۱۰) کتاب المولودین لثمانیة أشہر

فولس الاجانیطی

(۱) کتاب علل النساء

(۲) کتاب الکناش المعروف بہ کناش ثریا ۔

دیسقوریدوس

(۱) کتاب الحشائش ۔

کتب جالینوس

(۱) کتاب فی الفرق ۔

(۲) کتاب فی الصناعة الطبیة

(۳) کتاب فی النبض ۔

(۴) کتاب فی العظام ۔

(۵) کتاب فی المزاج ۔

(۶) کتاب فی القوی الطبیعیة

۷ کتاب تشریح الحیوان المیت ۔

(۸) کتاب فی علم ارسطو فی التشریح ۔

(۹) کتاب فی تشریح آلات الصوت ۔

(۱۰) کتاب فی تشریح العین ۔

(۱۱) کتاب حیلۃ البرء

(۱۲) کتاب فی العلل والاعراض ۔

(۱۳) کتاب تشریح الرحم ۔

(۱۴) کتاب فی الحاجۃ الی النبض

(۱۵) کتابٌ فی العادات

کتب افلاطون

(۱) کتاب السیاست ۔

(۲) کتاب نوامیس ۔

(۳) کتاب طیماؤس

کتب ارسطاطالیس

(۱) کتاب قاطیغوریاس ۔

(۲) کتاب باری ارمیناس ۔

(۳) انولوطیقا ۔

(۴) الکون والفساد ۔

(۵) کتاب النفس

(۶) کتاب الاخلاق

(۷) کتاب الالٰہیات

مخطوطات :۔ حنین بن اسحاق کے دستیاب مخطوطات دنیا کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں جن میں سے کچھ کتب خانوں کے نام دیئے جارہے ہیں (۱) رضا لائبریری رام پور (۲) برٹش میوزیم لندن (۳) دار الکتب مصر (۴) اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ (۵) خدا بخش لائبریری پٹنہ (۶) آصفیہ حیدر آباد (۷) استنبول کی لائبریری (۸) ایا صوفیہ (۹) مکتبہ ملی حیدر آباد (۱۰) حکیم حلب (۱۱) قرولباغ

طبیہ کالج (۱۲) جامع ازہر مصر (۱۳) حکیم سید ظل الرحمن علی گڑھ۔

دستیاب مخطوطات

(۱) کتاب مسائل حنین۔
(۲) کتاب الاغذیہ۔
(۳) کتاب فی مسائل العین
(۴) کتاب ترکیب الادویہ
(۵) جوامع جالینوس فی اسرار النساء۔
(۶) مقالۃ فی الحمام۔
(۷) کتاب اسطقسات
(۸) کتاب المزاج
(۹) کتاب الفرق الطبیعیۃ
(۱۰) کتاب العلل والاعراض۔

مطبوعات

(۱) کتاب اسباب الامراض لجالینوس۔
(۲) کتاب التشریح لجالینوس۔
(۳) کتاب فرق الطب لجالینوس۔
(۴) کلام جمعہ حنین بن اسحاق۔
(۵) کتاب ترکیب العین وعلاجہا۔
(۶) اسباب الامراض لجالینوس۔

یعقوب بن اسحاق الکندی

ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی عرب کے قبیلہ کندہ سے تعلق رکھتا تھا یہ امرائے عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تھا۔ اس کے باپ اسحاق بن صباح نے تین خلفائے عباسی مہدی، ہادی اور رشید کے زمانے میں سرکاری عہدوں پر کام کیا وہ کوفہ کی گورنری پر بھی مقرر ہوا تھا۔

پیدائش :- اس کی تاریخ پیدائش کی تعیین مورخین نے نہیں کی ہے تاہم یہ بات مسلم ہے کہ وہ مامون کے عہد میں موجود تھا۔ اور متوکل کی وفات کے زمانے تک زندہ رہا۔ اس کا باپ کوفہ کا گورنر تھا اور کندی کی پیدائش اسی شہر میں ہوئی تھی لیکن ابن جلجل نے اس کو بصرہ کا باشندہ قرار دیا ہے اور اس کی تعلیم و تربیت بھی اسی شہر میں بتائی ہے [۱۳]

مذہب :- ابتداء میں وہ یہودیت اور بعض کے نزدیک عیسائیت کا پیروکار تھا، پھر بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ لیکن یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ حقیقت یوں ہے کہ کندی مسلمان خاندان میں ہی پیدا ہوا تھا، اس کے آباء و اجداد بھی مسلمان تھے۔ جیسا کہ مؤلف حکمائے اسلام "چہار مقالہ" کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

"حالانکہ خود او و آباء و اجداد او از اشہر مشاہیر مسلمین بودہ اند این حکایت کہ بنائے آں بر چنیں امری باطل و اساسی واہی است خود از اصل باطل و اکاذیب روایت و خرافات قصاص است [۱۴]

ترجمہ :- "خود کندی اور اس کے آباء و اجداد مشہور مسلمانوں میں سے تھے اس

---

[۱۳] محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص ۴۲ طبع اول کراچی ۱۹۶۳ء

[۱۴] مولانا عبد السلام ندوی، حکمائے اسلام حصہ اول ص ۴۰ طبع اول، اعظم گڈھ ۱۹۵۳ء

طرح یہ حکایت جسکی بنیاد غلط اور کمزور ہے خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔ اور یہ راویوں اور قصہ گویوں کے خرافات میں سے ہے۔"

تعلیم و تربیت :- اگرچہ اس کی ابتدائی تعلیم بصرہ میں ہوئی لیکن اصل تعلیم اس نے بغداد آ کر حاصل کی اس نے طب و فلسفہ، حساب و ہندسہ اور منطق و علوم نجوم تمام علوم کو حاصل کیا۔ وہ یونانی، فارسی اور ہندی فلسفہ کی تمام شاخوں سے واقفیت رکھتا تھا۔

ابن جلجل کے بقول مسلمانوں کا سب سے پہلا فلسفی یہی کندی ہے[۱۵]، اس نے کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اس بارے میں مؤرخین خاموش نظر آتے ہیں، لیکن چونکہ یہ بہت بڑا مترجم تھا اس لیے اتنا ضرور گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ ماہر اساتذہ سے فیضیاب ہوا ہوگا۔ اور اس زمانے میں رائج زبانوں میں سے عربی کے علاوہ یونانی یا سریانی ضرور جانتا ہوگا۔ علوم میں مہارت کی وجہ سے ہی اس کو مامون کے دربار میں بے تحاشا اعزازات حاصل ہوئے اور اُس دَور کے مشہور ترجمہ نگاروں میں اس کا شمار ہونے لگا۔ مامون کے بعد معتصم نے بھی اس کی قدر دانی کی اور اس کو اپنے بیٹے احمد کا استاد مقرر کیا۔[۱۶]

یعقوب کندی وہ پہلا شخص تھا جس کو علمائے اسلام نے فیلسوف کا لقب دیا۔

یعقوب کندی ہی کی بدولت عربیوں کی نسل سے غیر زبانوں کے ماہر اور فلسفی کا وجود تسلیم کیا گیا۔ مامون کے زمانہ سے چوتھی صدی کے آغاز تک تمام مسلمانوں میں اس کی تصنیفات رائج تھیں اور ارسطو کی تصنیفات کے ہم پلہ خیال کی جاتی تھیں۔ اس نے ترجمہ کے سلسلے میں سب سے بڑا کام یہ کیا کہ اصل کتاب میں جو مشکلات اور پیچیدگیاں تھیں ان کو دور کر دیا۔ مامون نے اس کو خاص طور پر ارسطو.. کی کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا تھا۔[۱۷]

---

[۱۵] محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص ۴۳، طبع اول، کراچی ۱۹۶۳ء

[۱۶] عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، ص ۸۵، طبع اول، اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

[۱۷] علامہ شبلی نعمانی، رسائل، ص ۱۴۶، طبع علی گڑھ ۱۸۹۸ء

یعقوب کندی کے بارے میں ابن جلجل کے حوالے سے مؤلف عیون الانباء لکھتے ہیں۔

''إنَّ یعقوبَ بن اسحاقَ الکندی شریفُ الاصلِ بصری کانَ جدُّہٗ وُلّی الولایات لبنی ہاشم۔ ونزلَ البصرۃ وضیعتُہٗ ہُنالك۔ وانتقلَ الی بغداد وہُنالك تأدب وکانَ عالماً بالطب والفلسفۃ وعلم الحساب والمنطق وتالیف اللُّحون والہندسۃ وطبائع الاعداد وعلم النجوم ولم یکُنْ فی الاسلامِ فیلسوف غیرہ۔ احتذی فی توالیفہ حذو ارسطاطالیس ولہٗ توالیفُ کثیرۃٌ فی فنونٍ من العلم، وخدم الملوك فباشرہُم بالادب وترجمَ من کُتبِ الفلسفۃ الکثیرۃ واوضحَ منہا المشکل ولخّص المستصعبَ وبسطَ العویص''۔[۱۸]

ترجمہ:۔ یعقوب بن اسحاق کندی بصرہ کا ایک شریف النسب باشندہ تھا، اس کے دادا بنو ہاشم کے عہدیداروں میں سے تھے، اس کی جائداد بصرہ میں تھی، اس نے بغداد جاکر علوم کی تکمیل کی تھی، طب، فلسفہ، حساب، منطق، موسیقی ہندسہ خواص عدد اور علم نجوم سے پوری پوری واقفیت رکھتا تھا، اسلام کا یہ پہلا فیلسوف تھا، اس نے اپنی تصنیفات میں ارسطو کی پیروی کی، مختلف فنون میں اس کی بہت سی تالیفات ہیں، یہ بادشاہوں کی خدمت میں رہا اور بہت ہی ادب و وقار سے ان کی خدمت کی، فلسفہ کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا، مشکل مقامات کی توضیح کی اور پیچیدہ عبارتوں کی تلخیص کی اور غامض عبارتوں کی تشریح کی''۔

ابن الندیم نے اپنی کتاب میں کندی کے طویل سلسلۂ نسب کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ تمام علوم قدیمہ میں مہارت و معرفت کے اعتبار سے فاضلِ دوراں اور یگانۂ روزگار تھا، اسے فیلسوف عرب کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، ویسے یہ ایک بخیل آدمی تھا۔ ہم نے فلاسفہ طبعیین کے گروہ میں اس لیے اس کا ذکر کیا ہے کہ مرتبہ علم میں اسے تفوق حاصل ہے اور اس میدان میں اس کا بھی ایک اہم

---

[۱۸] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص ۲۸۶، بیروت ۱۹۶۵ء

مقام ہے۔ [19]

کندی نے مامون اور معتصم کے زمانے میں حکومت کے سایۂ عاطفت میں ایک مدت دراز تک بہت خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کی، اس نے اپنی زندگی فلسفہ ارسطو کے مطالعہ اور تحقیق کے لیے وقف کر دی تھی، اور بعد میں اُس نے فلسفہ ارسطو پر شرحیں لکھیں اور تعلیقات کا اضافہ کیا۔ یونانی فلسفہ سے اُس کے خیالات میں پختگی اور دائرہ فکر میں وسعت پیدا ہوئی۔

تیسری صدی ہجری میں فضلائے معتزلہ، اکابر علماء اور مجتہدین اور آزاد خیال مفکرین کا جمگھٹا تھا جن پر بعض متشددین نے الحاد کا الزام لگایا تھا، اس قسم کے علماء میں نظام، حافظ اور واصل بن عطاء ہیں۔ کندی نے ان علماء کی تقلید کی، اور ان کے خیالات سے استفادہ کیا، اُس نے اپنی کتابوں میں بہت سی باتیں بیان کی تھیں۔ جو روشن بصیرت کے مطابق تھیں۔ لیکن جہلاء کی گرفت سے وہ بچ نہ سکا۔ اور متوکل سے اس کی شکایت کی گئی، متوکل نے جلد بازی میں آکر اس کو سزا دی اور اس کی ساری کتابیں چھین لی۔ [20]

متوکل کے دربار میں کندی کے خلاف شکایت کرنے والوں میں موسیٰ بن شاکر کے بیٹے محمد اور احمد پیش پیش تھے اور کندی کی ضبط شدہ کتابوں کو اس نے ایک مستقل کتب خانہ کی شکل دی تھی، جس کا نام کتب خانہ کندیہ رکھا لیکن بعد میں سند بن علی کی سفارش سے یہ تمام کتابیں واپس کر دیں۔ اور یعقوب بن کندی کو اپنا تمام علمی سرمایہ واپس مل گیا۔ [21]

فلسفہ:۔ کندی اپنے عہد میں طبیب سے زیادہ فلسفی یا منجم کی حیثیت سے شہرت رکھتا تھا۔ تذکروں میں اس کو عملی اطباء کی فہرست میں بہت کم لوگوں نے شامل کیا ہے لیکن اس کے برخلاف منجم کی حیثیت سے بالاتفاق تمام تذکرہ نگاروں کے یہاں یہ معروف و مشہور ہے اس نے علوم نجوم کے سلسلے میں بہت سے مسائل کا

---

[19] ابن الندیم، الفہرست، ص ۶۰۰، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

[20] محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص ۳۲، طبع اول کراچی ۱۹۶۴ء۔

[21] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء ۲۸۷، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

استخراج کیا اور فلکیات کی پیمائش بھی کی اس کو علم ہندسہ سے بہت زیادہ شغف تھا اور ریاضی کے اصولوں کو علم طب پر چسپاں کرتا تھا۔

کندی ہمہ گیر طبیعت کا مالک تھا، ممکن ہے اس نے علوم میں نئی تحقیقات کی ہوں اس کے مذہبی خیالات معتزلی طرزِ فکر کے ہیں۔ وہ نبوت پر ایمان رکھتا تھا اور اس نظریہ کا قائل نہیں تھا کہ علم کا تنہا ذریعہ عقل ہے اور اس کے سوا کسی ذریعہ کی ضرورت نہیں وہ نبوت پر ایمان کے عقیدے کو عقل سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ دنیا ایک قدیم واحد علت سے وجود میں آئی۔ اس علت کا ادراک تفصیل کے ساتھ ہمارا علم نہیں کر سکتا لیکن اہلِ نظر اسے ربانی مانتے ہیں کندی کے نزدیک خلق کے سلسلے میں خدا اور عالم کے درمیان بہت سے واسطے ہیں۔ اور دنیا کے کل حوادث میں علت و معلول کا علاقہ موجود ہے۔ کندی عقل کی چار قسمیں قرار دیتا ہے اولاً وہ عقل جو دائمی حقیقت رکھتی ہے اور کائنات میں تمام معقولات کی علت ہے یعنی خدا یا عقلِ اول دوسری عقل بحیثیت نفس انسانی، تیسری عقل بحیثیت نفس کی حقیقی جبلت کے چوتھی عقل بحیثیت فعل کے۔ کندی معتزلی عالم اور نوفلاطونی فلسفی تھا۔ اس کے علاوہ نوفیثاغورثی خیالات بھی رکھتا تھا، نوفلاطونی انداز سے وہ ارسطو اور افلاطون کے خیالات میں تطابق کی کوشش کرتا تھا۔ ارسطو کی طبعیات اور اسکندر افرودیسی کی شرح کا اس پر گہرا اثر پڑا۔ اس کے اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا اصل میں بالفعل نہیں، بالقوۃ قدیم ہے۔ اور حرکت دائمی ہے کندی اپنے عہد کے عجائب پرست فلسفہ سے پرہیز کرتا تھا وہ کیمیا کو ابلہ فریبی سمجھتا تھا۔ وہ ان چیزوں کے کرنے کو انسان کے لیے ناممکن سمجھتا تھا۔ جنھیں صرف فطرت کر سکتی ہے۔ [۲۲]

بحیثیتِ مُتَرجِم :- کندی کا شمار عباسی دور کے مشہور مترجمین میں کیا گیا ہے۔ تمام تذکروں میں لکھا ہے کہ اس نے فلسفہ کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا اور فلسفہ کی مشکل کتابوں کی توضیح و تلخیص اور تفصیل کی۔ اس کی تصنیفات کی ایک

---

[۲۲] دی بوئر ج تاریخ فلسفۂ اسلام، ص ۸۰ طبع دہلی ۱۹۸۳ء

طویل فہرست ہے جیسے عیون الانباء فی طبقات الاطباء چار پانچ صفحوں میں نقل کیا گیا ہے ابن ابی اصیبعہ نے ابو معشر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عہد اسلامی میں چار مترجمین شہرت کے مالک تھے یعنی حنین بن اسحاق، ثابت بن قرہ، عمر بن فرخان اور یعقوب بن اسحاق الکندی۔ فرق صرف یہ تھا کہ اول الذکر تینوں مترجمین پیشہ وارانہ ترجمہ کرتے تھے۔ مگر کندی پیشہ ور مترجم نہیں تھا۔

وفات:۔ کندی کی سنہ وفات کی تعیین میں بھی مورخین میں اختلاف ہے۔ مؤلف حکمائے اسلام نے اس کی تعیین نہیں کی ہے اور لکھا ہے کہ کندی ۲۵۶ھ مطابق ۸۷۰ء میں زندہ تھا لیکن اس کے بعد کس سنہ میں وفات پائی اس کا صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن مؤلف تاریخ فلاسفۃ الاسلام نے مختلف محققین کے حوالہ سے اس کا سنہ وفات ۲۴۸ھ مطابق ۸۶۱ء اور ۲۶۰ھ مطابق ۸۷۳ء درج کیا ہے۔ بہر حال یہ امر ثابت شدہ ہے کہ وہ ۱۹۸ھ مطابق ۸۱۳ء میں سن شعور کو پہنچ چکا تھا۔ کیوں کہ مامون کی تخت نشینی کا یہی سال ہے اس لحاظ سے وفات کے وقت اس کی عمر تقریباً ستر برس رہی ہوگی۔

تلامذہ:۔ یعقوب کندی کا مشغلہ درس و تدریس اور تصنیف تالیف تھا اس کے تلامذہ اور کاتبین متعدد تھے، ان میں حسنویہ، نفطویہ، سلمویہ، رحمسیہ اور احمد بن الطیب کے نام قابل ذکر ہیں۔ سلمویہ اور احمد بن الطیب کے حالات کتب تذکرہ میں بھی ملتے ہیں۔

سلمویہ، معتصم کا طبیب تھا اور اس کا کاتب بھی تھا۔ معتصم اس کی بہت قدر دانی کرتا تھا اور اس کا درجہ قاضی القضاۃ سے بھی بڑا مانتا تھا۔ سلمویہ کے انتقال پر معتصم کو بڑا غم ہوا اور عیسائیوں کے دستور کے مطابق شمع و بخور کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔

احمد بن الطیب سرخس کا رہنے والا تھا۔ خلیفہ معتضد کا استاذ بھی تھا اور امور سلطنت میں اس کا مشیر بھی اور یہی سبب اس کے قتل کا بھی ہوا۔ یہ یعقوب کندی کے مخصوص تلامذہ میں سے تھا۔[۲۳]

---

[۲۳] عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام ص ۸۸ حصہ اول۔ طبع اول اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

اولاد :- مؤلف طبقات الاطباء نے اس کے ایک لڑکے ابو العباس کا تذکرہ کیا ہے۔ جس کو کندی نے ایک بڑی اچھی نصیحت کی تھی ... اس نے کہا تھا۔

"یا بنیّ الاب ربٌّ والاخ فخٌّ، والعم غمٌّ، والخال وبالٌ والولد کمدٌ والاقارب عقارب وقول لا یصرف البلاء وقول نعم یزیل النعم[۲۴]"

ترجمہ :- یعنی اے میرے پیارے بیٹے! باپ رب کے مانند ہے اور بھائی جال کے مانند، چچا غم و اندوہ ہے۔ ماموں وبالِ جان ہے، اولاد باعثِ پریشانی ہیں اور رشتہ دار بچھو کے مانند ہیں، نہیں کہنے سے بلا ٹلتی ہے اور ہاں کہنا نعمت کے زوال کا سبب ہے۔

تالیفات :- کندی کی اکثر و بیشتر تالیفات فلسفہ کے موضوع پر ہیں یہ ارسطو کا بہت بڑا شارح تھا۔ کندی کی تالیفات مختلف علوم مثلاً فلسفہ، سیاست، اخلاق، حساب، ہیئت، موسیقی، جغرافیہ، طب، نجوم، علم النفس وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

کندی کی کتابوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی تالیفات میں دینی مسائل سے بہت کم تعرض کیا ہے البتہ واجب الوجود سے متعلق خاص عقیدے کی بنا پر اسے ہمعصروں کی مخالفت سے دوچار ہونا پڑا۔[۲۵]

کندی کی تالیفات کی تعیین میں اختلاف ہے، ابن الندیم نے ۲۲۶ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ مؤلف طبقات الامم نے اس کی تعداد ۵۰ سے اوپر بتائی ہے۔ ظاہر ہے یہ اُن کی اہم کتابوں کی تعداد ہو گی۔ مؤلف عیون الانباء نے ۲۴۲ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ مؤلف تاریخ فلاسفۃ الاسلام نے اس کی تصانیف کی مجموعی تعداد ۲۴۱ لکھی ہے۔ ذیل میں کچھ تصانیف کی فہرست دی جا رہی ہے۔

---

[۲۴] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص ۲۸۸، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

[۲۵] محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص ۲۰، طبع اول کراچی ۱۹۶۳ء

(۱)	فلسفہ —	بائیس	(۲۲)
(۲)	نجوم	انیس	(۱۹)
(۳)	فلکیات	سولہ	(۱۶)
(۴)	مناظرہ	سترہ	(۱۷)
(۵)	علم الحوادث	چودہ	(۱۴)
(۶)	ہیئت	آٹھ	(۸)
(۷)	حساب	نو	(۹)
(۸)	ہندسہ	بائیس	(۲۲)
(۹)	طب	"	(")
(۱۰)	علم السیاست	بارہ	(۱۲)
(۱۱)	طبعیات	تینتیس	(۳۳)
(۱۲)	منطق	نو	(۹)
(۱۳)	موسیقی	سات	(۷)
(۱۴)	علم النفس	پانچ	(۵)
(۱۵)	تصوف	"	"
۱۶	تقویم	دس	(۱۰)
(۱۷)	اصطرلاب	آٹھ	(۸)

اس مؤلف کے بیان کے مطابق اب تک اُن کی آٹھ دستیاب کتابوں کا پتہ لگا ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے ۱۵ دستیاب مخطوطات کا پتہ دیا ہے۔[۲۶]

اہم تصانیف و تراجم

فلسفہ:

(۱) کتاب فلسفۃ الاولیٰ مشتمل علی الطبعیات والتوحید۔

(۲) کتاب الحث علی تعلم الفلسفہ۔

---

[۲۶] محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص ۲۶، طبع اول کراچی ۱۹۶۴ء

(٣) كتاب في قصد ارسطاطاليس في المنطق۔
(٤) كتاب في المقياس العلمي۔
(٥) كتاب في اقسام العلم۔
(٦) كتاب الفاعلة والمنفعلة من الطبيعيات۔
(٧) كتاب في اعتبار الجوامع الفكرية۔
(٨) كتاب في قسمة القانون۔
(٩) رسالة في ماهية العقل
(١٠) كتاب في الرفق في الصناعات۔

علم المنطق

(١) كتاب المدخل المنطق المستوفى۔
(٢) كتاب المدخل المختصر۔
(٣) كتاب المقولات العشر۔
(٤) كتاب في البرهان المنطقي۔
(٥) رسالة في الأصول الخمسة۔
(٦) رسالة في سمع الكيان

علم الحساب

(١) رسالة في المدخل ال الارثماطيقي
(٢) رسالة في الحساب الهندي۔
(٣) كتاب في تاليف الاعداد۔
(٤) رسالة في الكمية المضافة۔
(٥) رسالة في النسب الى زمانية۔
(٦) رسالة في الحيل العددية وعلم اضمارها۔

علم الهیئت

(۱) رسالہ فی ان العالم وکل ما فیہ کرۃٌ

(۲) رسالہ فی الکریات

(۳) رسالہ فی ان سطح الماء کرویٌ

(۴) رسالہ فی تسطیح الکرۃ

(۵) رسالہ فی عمل الحلق الست واستعمالها۔

علم الموسیقی

(۱) الرسالہ الکبریٰ فی التالیف۔

(۲) کتاب ترتیب النغم

(۳) کتاب المدخل الی الموسیقی

(۴) رسالہ معنی الایقاع۔

(۵) رسالہ فی جزء صناعۃ الشعراء

علم النجوم

(۱) رسالہ فی کیفیات نجومیۃ

(۲) رسالہ فی سطح الشعاع

(۳) کتاب فی الفصلین۔

(۴) رسالہ فی تصحیح عمل تمودرات الموالید۔

(۵) رسالۃ فیما ینسب الیہ کل بلدٍ من البلدان۔

علم الهندسة

(۱) کتاب اغراض کتب اقلیدس۔

(۲) کتاب اصلاح اقلیدس ۔

(۳) کتاب اختلاف المناظر ۔

(۴) کتاب تقسیم المثلث والمربع ۔

(۵) کتاب البراهین المساحیة

علم الفلک

(۱) کتاب فی العالم الاقصیٰ ۔

(۲) کتاب فی ظاهریات الفلک ۔

(۳) کتاب فی الصور ۔

(۴) کتاب فی المناظر الفلکیة ۔

(۵) کتاب فی تناهی جرم العالم ۔

علم التنویم (احکامیات)

(۱) کتاب تقدم المعرفة بالاشخاص العالیة ۔

(۲) کتاب فی منفعة الاختیارات ۔

(۳) کتاب حدود المو الید ۔

(۴) کتاب تحویل سمت العالم ۔

(۵) کتاب مدخل الاحکام علی المسائل

علم المناظرة - جدلیات

(۱) کتاب الرد علی الوثنیة

(۲) کتاب الاحتراس عن خداع السوفسطائیة

(۳) کتاب فی الاستطاعة وزمان کونها ۔

(۴) کتاب فی جواهر الاجسام ۔

(۵) کتاب البرهان

(۶) کتاب فی جزء الذی لایتجزیٰ ۔

(۷) کتاب القول فی اوائل الاجسام ۔

علم النفس

(١) كتاب في ان النفس جوهر بسيط غير دائر .

(٢) كتاب في ماهية الانسان .

(٣) كتاب اجتماع الفلاسفة على الرموز .

(٤) كتاب في علة النوم .

(٥) كتاب في علة النوم والرؤيا وما تومر به النفس .

علم السياسة

(١) رسالة في السياسة

(٢) رسالة في الأخلاق

(٣) رسالة في السياسة العامة

(٤) كتاب في الفاظ سقراط

(٥) رسالة في التنبيه على الفضائل .

علم الحوادث - احداثيات

(١) كتاب العلة الفاعلة القريبة للكون والفساد .

(٢) كتاب ماهية الزمان والحين والدهر .

(٣) كتاب في علة الضباب .

(٤) كتاب في الاثر الذي يظهر في الجو ويسمى الذوابة .

(٥) كتاب في علة برد أيام العجوز .

علم الاصطراب - (ابعاديات)

(١) كتاب في المساكن .

(٢) كتاب في ابعاد الأجرام .

(٣) كتاب في استخراج بعد مركز القمر عن الارض .

(۴) کتاب معرفة ابعاد قلل الجبال ۔
(۵) کتاب فی الکون فی الربع المسکون

علم الطبیعیات ۔(انواعیات)

(۱) کتاب انواع الجواهر الثمینة ۔
(۲) کتاب فی انواع الحجارة
(۳) کتاب فی النحل و کرائمه
(۴) کتاب فی المد والجزر
(۵) کتاب فی الاجرام الهابطة ۔
(۶) کتاب فی الخیل والبیطرة ۔
(۷) کتاب فی عمل المرایا المحرقة ۔
(۸) مسائل طبیعیات سألها بعض اخوانها ۔
(۹) کتاب فی الحشرات
(۱۰) کتاب کیمیاء العطر ۔

علم الطب

(۱) کتاب الطب الروحانی ؛
(۲) کتاب فی وجع المعدة والنقرس ۔
(۳) کتاب کیفیة الدماغ ۔
(۴) کتاب تدبیر الاصحاء
(۵) کتاب فی الغذاء والدواء ۔
(۶) کتاب فی علة نفث الدم
(۷) کتاب کیفیة اسهال الادویة ۔
(۸) کتاب فی القرابادین ۔

کندی کی مطبوعات

(۱) رسالة فی العقل ۔ یہ قاہرہ سے طبع ہوا ہے ۔

(۲) رسالة فی الملک العرب و کمیتة ۔ یہ رسالہ کتاب الابحاث الشریفہ میں ۱۸۵۵ء میں شائع ہوا ۔

(۳) رسائل الکندی الفلسفیة ۔

کندی کے دستیاب مخطوطات

کندی کے دستیاب مخطوطات دنیا کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں جن میں سے کچھ کے نام مندرجہ ذیل ہیں ۔

(۱) کتب خانہ میونخ ۔

(۲) کتب خانہ ایاصوفیا ۔

(۳) کتب خانہ طہران ۔

(۴) کتب خانہ اسکندریہ ۔

(۵) دارالکتب مصر ۔

(۶) کتب خانہ حلب ۔

مخطوطات

(۱) کتاب التفرق فی کیمیاء العطر والتصعیدات من قبل الطب ۔

(۲) رسالة الی بعض اخوانہ فی الامراض البلغمیة العظام ۔

(۳) کتاب تقویم الصحة ۔

(۴) کتاب الباہ ۔

(۵) رسالۃ فی معرفۃ قوی الادویۃ المرکبۃ ۔

(۶) رسالۃ فی الأطعمۃ

(۷) رسالۃ فی عظمۃ الطب ۔

(۸) رسالۃ فی علۃ الجذام ۔

(۹) رسالۃ فی الحمام ۔

(۱۰) اختیارات الی یوسف الکندی لادویۃ المجربۃ وھی الاقریاء دین ۔

(۱۱) رسالۃ فی تبیان الاعضاء الرئیسۃ فی جسم الانسان ۔

(۱۲) رسالۃ فی الحیل لدفع الاحزان ۔

(۱۳) تقدمۃ المعرفۃ ۔

(۱۴) ماھیۃ النوم والرؤیاء ۔

(۱۵) کتاب تقویم الصحۃ ۔

یوحنا بن ماسویہ

ابوزکریا یحییٰ بن ماسویہ یا یوحنا بن ماسویہ عہدِ عباسی کا ایک فاضل طبیب تھا خلفاء کے یہاں اس کو خاص مقام حاصل تھا۔ بہت بڑا عالم اور مصنف بھی تھا۔ یہ عباسی خلفاء مامون، معتصم، واثق اور متوکل کے عہد میں معزز و محترم رہا۔ تذکرہ نگاروں نے اس کی سنہ ولادت کی تعیین نہیں کی ہے۔ بہر حال یہ دورِ مامونی کا بہت بڑا فاضل طبیب اور مترجم تھا۔ اس کا باپ جندیساپور کے بیمارستان کا ملازم تھا اور دواسازی کا پیشہ کرتا تھا۔ جبرئیل بن بختیشوع نے اس کو بغداد کے بیمارستان کی خدمت کے لیے بلا لیا اور اسی ماحول میں یوحنا کی پیدائش ہوئی فطری طور پر اپنے دواساز باپ کے سایۂ عاطفت میں بیٹے نے بھی اس فن سے روشناسی حاصل کی اور اس فن سے اس کو قلبی لگاؤ پیدا ہو گیا۔ چوں کہ اس بیمارستان کا تعلق بغداد سے بہت قریبی تھا اس لیے بغداد کے خاص طبیب جبرئیل بن بختیشوع کا تعلق بھی جندیساپور کے شفاخانہ سے تھا اور وہاں کے ملازمین کی بغداد میں قدردانی تھی۔ اس طرح یوحنا نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ جندیساپور کا ہی ماحول تھا۔ اور اپنے باپ کے فن میں ناموری حاصل کی۔

یوحنا بن ماسویہ مسیحی المذہب تھا۔ اور بہت بڑا مترجم تھا۔ بہت خوش طبع اور ظریف تھا۔ بغداد میں اس کے یہاں بزم آرائیاں ہوتی تھیں لیکن یہ زود رنج بھی تھا۔

لیکن اس خاندان کی نفسیاتی کیفیت کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یوحنا کی نفسیاتی کیفیت موروثی تھی، یوحنا ایک ذہین شخص تھا، لیکن درشت کلامی میں بھی پیش پیش تھا۔

متوکل کے دربار میں ابن حمدون نے یوحنا پر حقارت آمیز انداز سے نکتہ

جلینی کی، تو یوحنا نے تمسخرانہ انداز میں کہا، " اگر اس جہالت کے بجائے جس کے تم حامل ہو تم میں عقل ہوتی اور پھر اس کو سو گبریلوں پر تقسیم کیا جاتا تو ہر گبریلا ارسطو سے زیادہ عقل مند ہوتا۔ [27]

یوحنا بن ماسویہ بہت فصیح و بلیغ اور فطین شخص تھا۔ اور فن طب میں اس کو پوری مہارت حاصل تھی۔ زبانوں میں اس کو یونانی سریانی اور عربی پر کمال دسترس حاصل تھی، دور رشید میں اس خلیفہ کو رومی علاقوں میں فتوحات کے وقت بے شمار علمی کتابیں ہاتھ لگی تھیں۔ ان میں طب کی کتابوں کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی، ان مفتوحہ علاقوں میں مؤرخین نے انقرہ اور عموریہ کا نام خصوصیت سے لیا ہے۔ خلیفہ نے ان علمی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کرانے کا عزم کیا۔ ظاہر ہے یہ کتابیں لاطینی یا یونانی زبانوں میں ہوں گی۔ بیت الحکمت میں ان کتابوں کے تراجم کے وقت یوحنا بن ماسویہ شعبۂ ترجمہ کا نگراں اور منتظم اعلی مقرر کیا گیا۔ [28]

یوحنا ان وفود میں بھی شامل تھا جن کو خلیفہ نے کتابوں کی تلاش کے لیے بلادِ روم میں بھیجا تھا۔ چوں کہ یوحنا فن طب میں مہارت تامہ رکھتا تھا اس لیے تصنیف و تالیف اور ترجمہ کا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتا تھا اس کے علاوہ وہ بغداد کے شفاخانہ کا بھی نگراں بھی تھا۔ اور بطور طبیب خاص وہ خلفا کی خدمت بھی کرتا تھا۔ تاریخی بیانات سے یہ ثابت ہے کہ یوحنا عہد رشید سے متوکل کے عہدِ خلافت تک طبی مشیر کے طور پر خدمت انجام دیتا رہا۔ لیکن عملی طبیب کی حیثیت سے اس کو زیادہ شہرت حاصل نہیں تھی، !

اس سلسلہ میں مؤلف عیون الانباء نے معتصم کے طبیب خاص سلمویہ کی سفارش کا تذکرہ کیا ہے۔ جس میں اس نے یوحنا کا نام اپنے مرض الموت میں بطور طبیب خاص تجویز کیا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ خلیفہ سے یہ بھی کہا تھا کہ یوحنا کی تجاویز کو بھی غور و فکر کے بعد استعمال کریں۔ آخر کار اس کی نصیحت کے

---

[27] ابن الندیم، الفہرست، ص ۶۸۲، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

[28] تاریخ الحکماء، ص ۵۱۳، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

مطابق ہی واقعہ پیش آیا اور یوحنا کی تجاویز پر بھی عمل کرنے کے بعد اس کے امراض اور پیچیدہ ہو گئے۔ [۲۹]

یوحنا ابن ماسویہ نے بغداد میں ایک علمی مجلس قائم کی تھی، جس میں مختلف مضامین پر بحث و مباحثہ ہوتا تھا اور علمی مضامین بھی پڑھے جاتے تھے اس کے پاس شاگردوں کی ایک اچھی تعداد ہمیشہ جمع رہتی تھی۔ [۳۰]

یوحنا کا تعلق بختیشوع سے بہت گہرا تھا۔ اور آپس میں دوستانہ تعلقات قائم تھے اکثر بختیشوع یوحنا سے ظریفانہ انداز میں پیش آتا تھا اور اس سے مذاق بھی کیا کرتا تھا۔ [۳۱]

بعض مؤرخین نے جانوروں پر علم تشریح کے استعمال کا واقعہ اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ خصوصاً ایک بندر کا واقعہ دورِ معتصم میں پیش آیا۔ یہ بندر معتصم کو بطور تحفہ کسی نے پیش کیا تھا۔ اور یوحنا نے علم تشریح کا استعمال اسی بندر پر کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ علم التشریح پر وہ ایک معرکۃ الآراء تالیف پیش کرے گا جو اپنی مثال آپ ہوگی۔

بحیثیت مصنف:- یوحنا کا مقام بحیثیت مصنف بہت بلند ہے اس نے عربی اور سریانی زبانوں میں تصانیف چھوڑیں۔ اس کی تصنیفی قابلیت مسلم تھی یہ بہت بڑا ظریف بھی تھا۔ اور ظرافت کے بہت سے واقعات اس سے منسوب ہیں۔

مؤلف عیون الانباء لکھتے ہیں۔

"دخل ابن ماسویۃ المتطبب الی المتوکل، فقال المتوکل لخادمٍ لہٗ خُذ بولَ فلانٍ فی قارورۃ واتِ بہ الی ابن ماسویۃ فاتیٰ بہ۔ فلما نظر الیہ قالَ ھذا بولُ بغلٍ لامحالۃ۔ فقالَ لہٗ المتوکل کیف علمتَ

---

[۲۹] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص ۲۳۵، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

[۳۰] القفطی، تاریخ الحکماء ص ۳۹۰، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

[۳۱] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص ۲۴۸، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

انّہٗ بولُ بغلٍ، قَالَ ابن ماسویہ احضرنی صاحبہٗ حتی اَراہُ ویتبیّن لکَ انّی
مِن صِدقِی۔ فقَال المتوکل: ھاتوا الغلامَ فلمّا مثلَ بَینَ یَدَیہِ قَالَ لَہٗ
ابن ماسویہ۔ اَیشٍ اکلتَ البارحۃَ! قال خُبزُ شعیرٍ وماءُ قرحٍ فقال
ابن ماسویہ۔ ھذا واللہ طعام حِمَاری الیوم" ۳۲ھ۔

ترجمہ:۔ ایک مرتبہ یوحنا ابن ماسویہ متوکل کے یہاں گیا تو خلیفہ نے اپنے ایک خادم سے کہا کہ فلاں شخص کا پیشاب قارورہ میں لے آؤ چنانچہ اُسے لایا گیا۔ ابن ماسویہ نے اسے دیکھ کر کہا یہ خچر کا پیشاب ہے۔ متوکل نے کہا کہ تمہیں اس کا علم کیسے ہوا۔ تو ابن ماسویہ نے اس شخص کو بلانے کو کہا جس کا پیشاب تھا متوکل نے اس لڑکے کو بلا بھیجا۔ ابن ماسویہ نے آنے کے بعد اس سے پوچھا تم نے کل کیا کھایا تھا۔ اس نے کہا کہ جو کی روٹی اور تازہ پانی۔ ابن ماسویہ نے کہا بخدا میرے گدھے نے بھی آج یہی کھایا ہے۔

اسی مؤلف نے ایک قصہ عربی ادیب جاحظ کے سلسلہ میں نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جاحظ اور ابن ماسویہ ایک مرتبہ اسماعیل بن بلبل کے یہاں دعوت میں شریک ہوئے اس دعوت میں مچھلی پیش کی گئی تھی اور مچھلی کے بعد جب کھیر لائی گئی تو یوحنا نے اس طرف ہاتھ نہیں بڑھایا اور کہا کہ مچھلی کے بعد دودھ مضر ہے۔ جاحظ نے مناظرانہ انداز میں کہا کہ دودھ یا تو مچھلی کی طبیعت کے مخالف طبیعت رکھتا ہے یا موافق اگر مخالف ہے تو مچھلی کی طبیعت دودھ کی طبیعت کو توڑنے والی ہوگی، اگر موافق ہوگی تو کوئی حرج نہیں۔ یوحنا نے جواب دیا کہ مناظرہ تو میں نہیں جانتا آپ کھائیے میں نہیں کھاتا اور نتیجہ کل پر ملتوی کر دیا۔ جاحظ نے وہ کھیر کھالی، اور اسی رات وہ فالج زدہ ہوگیا۔ ابن ماسویہ نے کہا یہ صرف غلط قیاس کا نتیجہ ہے۔ ۳۳ھ
اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یوحنا اگرچہ مناظرہ بازی سے طبعی طور پر

۳۲ھ ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص ۲۵۳، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

۳۳ھ 〃 〃 〃 〃

متنفر تھا لیکن فن طب میں اپنی مہارت پر اس کو پورا اعتماد تھا۔ یوحنا بہت متدین شخص تھا اور بے دینوں کو وہ ناپسند کرتا تھا۔

اس کے اقوال ہیں۔

(۱) "من لیس له دینٌ یتمسّكُ به و یعتقدُ فیه فالواجبُ أن لا یُداینهُ عاقلٌ ولا یرکنَ الیه حازمٌ"

ترجمہ: جس کا کوئی دین نہیں اور جو دین کا پیروکار نہیں اور اس کا معتقد نہیں تو عقل مندوں کو چاہیئے کہ اس سے لین دین نہ کریں اور نہ ہی ہوشیار آدمی اس کی طرف مائل ہو۔

(۲) "سُئِلَ عن الخیر الذی لا شرَّ معهُ فقالَ، شُربُ القلیلِ مِنَ الشرابِ الصَّافی"

ترجمہ:- ایک مرتبہ اس سے اس چیز کے بارے میں پوچھا گیا جس کے ساتھ شر کا امکان نہیں ہو سکتا تو اس نے جواب دیا: صاف مشروب سے تھوڑا سا پینا۔

(۳) "سُئِلَ عَن الشرِّ الذی لا خیرَ فیه فقالَ نکاح العجوز"

ترجمہ:- ایک مرتبہ اس سے اس شر کے بارے میں پوچھا گیا جس میں ذرا بھی خیر کا پہلو نہیں ہو سکتا" تو اس نے کہا "بڑھیا سے شادی کرنا"

(۴) "وقالَ ابن ماسویه علیكَ مِن الطعام بما حدثَ، ومن الشراب بما عَتُقَ" [۳۴]

ترجمہ:- اُس نے کہا کھانا تازہ کھاؤ اور پانی باسی پیو"

مُترجِم:- یوحنا بحیثیت مصنف زیادہ مشہور ہے لیکن تذکرہ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ بطور مترجم بھی یہ بلند مقام پر فائز تھا۔ اس نے بہت سی کتابوں کا ترجمہ سریانی زبان میں کیا تھا۔[۳۵] تاہم تذکرہ نگاروں نے بالخصوص اس کے

---

[۳۴] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص ۲۵۵ طبع بیروت ۱۹۶۵ء

[۳۵] ڈاکٹر اقبال قاسمی، اختیارات قاسمی، ص ۱۵، طبع پٹنہ ۱۹۸۶ء

تراجم کی نشاندھی نہیں کی ہے۔

وفات

اس کی سنہ وفات کی تعیین میں اختلاف ہے بعض محققین نے بعہدِ واثق باللہ سنہ ۲۴۳ھ مطابق سنہ ۸۵۵ء میں اس کی وفات کو تسلیم کیا ہے۔ براؤن نے طب العرب میں یہی تاریخ لکھی ہے۔

مؤلف عیون الاساء نے عہد متوکل یعنی سنہ ۲۴۷ھ مطابق سنہ ۸۶۱ء تک اس کی حیات کا تذکرہ کیا ہے۔ یوحنا کی وفات پر مرثیہ کے کچھ اشعار لکھے گئے جن کو طب العرب کے حوالے سے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

”إنّ الطبيبَ لطبّهِ و دوائهِ — لا يستطيعُ دفاعَ امرٍ قد أتى
ما للطبيب يموتُ بالداءِ الذي — قد كانَ يبرى مِنهُ فيما قد مضى
ماتَ المداوي والمداوى والذي — جَلَبَ الدّواءَ وباعَهُ ومَنُ اشترى“[۳۶]

ترجمہ :- طبیب اپنی طب اور دواء کے باوجود اس امر پر قادر نہیں کہ وہ اپنے کو آنے والی موت سے بچا سکے، طبیب کو کیا ہوا کہ وہ خود اس مرض کا شکار ہو گیا جس سے وہ عہدِ ماضی میں دوسروں کو شفا دیتا تھا۔ علاج کرنے والا نہ رہا اور نہ دوا استعمال کرنے والا اور نہ لانے و بیچنے اور خریدنے والا۔

اولاد :- مؤلف عیون الانباء نے اس کے لڑکے ماسویہ کا تذکرہ کیا ہے اس کا نام دادا کے نام پر رکھا گیا۔ جو اس زمانے میں عام طور پر رائج تھا یہ لڑکا شکل وصورت میں اپنے باپ سے بہت مشابہ تھا اور آواز و حرکات میں بھی مشابہت پائی جاتی تھی۔ لیکن یہ کند ذہن تھا تاریخ الحکماء میں اس سلسلہ میں ایک طبی حکایت لکھی ہے اور ابن ابی اصیبعہ نے مختصراً لکھا ہے کہ۔

”كان ماسويه ابنُ يوحنا هذا اشبهَ خلقِ الله بابيه في خُلقِه والفاظِه و حركاتِه الا انّه كان بليدًا لا يكادُ يفهمُ شيئًا الا بعد مدةٍ طويلة[۳۷]

---

[۳۶] ای جی براؤن، طب العرب، ترجمہ نیر واسطی، ص ۱۱، طبع دوم لاہور سنہ ۱۹۶۹ء

[۳۷] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص ۲۵۱، طبع بیروت سنہ ۱۹۶۵ء

> ترجمہ " یوحنا کا بیٹا ماسویہ اپنے باپ کی شکل وصورت اور آواز وحرکات میں
> بہت مشابہت رکھتا تھا، مگر بہت ہی کند ذہن تھا کوئی بات سمجھنے
> کے لیے اُسے لمبی مدت درکار ہوتی تھی ۔

اس لڑکے کو اپنے باپ کے فضائل وخصوصیات میں سے کوئی حصّہ نہیں ملا تھا، یوحنا کہا کرتا تھا کہ اگر خلیفہ کی دخل اندازی کا خوف نہیں ہوتا تو میں اپنے بیٹے پر تشریح کا عمل کرتا جس طرح جالینوس تشریح کیا کرتا تھا ۔ تاکہ میں اُس کی حماقت کے اسباب معلوم کرسکوں، اور دُنیا کو اس کے وجود سے نجات دلاسکوں ۔[٣٩]

تلامذہ :- تذکرہ نگاروں نے اس کے بہت سے شاگردوں کا تذکرہ کیا ہے ۔ مؤلف تاریخ الحکماء نے لکھا ہے کہ یوحنا کے پاس شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ جمع رہتی تھی ۔ اس کا سب سے قابل اور نامور شاگرد حنین ابن اسحاق تھا جس کا تذکرہ سابقہ صفحات میں آچکا ہے ۔ حنین کی قابلیت کو سنوارنے اور بام عروج تک پہونچانے میں اگرچہ یوحنا کا ہاتھ نہیں تھا کیوں کہ طبیعی طور پر یوحنا کو اس سے تنفر تھا، اس کے شاگردوں میں یوسف بن ابراہیم بھی قابل ذکر ہے جو طب کے درس میں حنین کا شریک درس تھا ۔ اور جن کی روایت پر مؤلف عیون الانباء بے حد اعتماد کرتے تھے ۔

تصانیف وتراجم :- یوحنا ابن ماسویہ نے سریانی اور عربی زبانوں میں تصانیف چھوڑی ہیں ۔ اُس نے مختلف علوم حکمیہ اور فن طب پر گرانقدر کتابیں چھوڑی ہیں ۔ روزمرہ کی گفتگو میں اگرچہ یہ بسیار گو تھا جیسا کہ سلمویہ کی نصیحت سے پتہ چلتا ہے کیوں کہ اس نے یوحنا کو فضول کہا تھا ۔ مگر وہ تصنیفی زندگی میں کم گو تھا ۔ اور اختصار وایجاز اس کی تحریر کا خاصہ تھا، وہ الفاظ کے استعمال میں بہت محتاط تھا تذکرہ نگاروں نے اس کی کتابوں کی تعداد مختلف لکھی ہے ۔

---

[٣٩] القفطی، تاریخ الحکماء ص ٥٠٣، طبع دہلی ١٩٤٥ء

—— بعض نے انیس ۱۹ کسی نے گیارہ اور کسی نے اٹھائیس لکھی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تعداد اہم کتابوں کی ہوگی۔ سب سے زیادہ تفصیلی فہرست صاحب عیون الانبیاء کی ہے اس میں کل چوالیس ۴۴ کتابوں کا ذکر ہے۔ چند حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) کتاب الجواھر۔
(۲) کتاب السر الکامل۔
(۳) کتاب البصیرۃ۔
(۴) کتاب الاغذیۃ۔
(۵) کتاب الاشربۃ۔
(۶) کتاب الحمیات المشجر۔
(۷) کتاب البرھان۔
(۸) کتاب فی الفصد والحجامۃ۔
(۹) کتاب فی الجذام۔
(۱۰) کتاب فی ترکیب الادویۃ المسھلۃ واصلاحھا۔
(۱۱) کتاب السموم وعلاجھا۔
(۱۲) کتاب الصدر والادوار۔
(۱۳) کتاب محنۃ الطبیب۔
(۱۴) کتاب دغل العین۔
(۱۵) کتاب الصوت والبحۃ
(۱۶) کتاب حلیۃ البرء۔
(۱۷) کتاب بحلیۃ العروق۔
(۱۸) کتاب الابدال۔
(۱۹) کتاب التشریح۔
(۲۰) کتاب الجنین۔

مخطوطات

یوحنا کے دستیاب مخطوطات مندرجہ ذیل لائبریریوں میں موجود ہیں (۱) کتب خانہ قاہرہ (۲) کتب خانہ حلب (۳) کتب خانہ تیموریہ (۴) کتب خانہ نور عثمانیہ (۵) رضا لائبریری رام پور (۶) کتب خانہ لینن گراڈ (۷) خدا بخش لائبریری پٹنہ (۸) کتب خانہ الجزائر (۹) کتب خانہ اسکندریہ (۱۰) کتب خانہ اسعد (۱۱) کتب خانہ ایا صوفیا (۱۲) کتب خانہ حکیم حلب (۱۳) دارالکتب مصر (۱۴) مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ۔

یہ مخطوطات درج ذیل ہیں ۔

(۱) کتاب العین او کتاب معرفۃ العین وطبقاتہا
(۲) کتاب الحمیات ۔
(۳) کتاب معرفۃ محنۃ الکحالین
(۴) کتاب المشجر ۔
(۵) کتاب اصلاح الادویۃ المسہلۃ
(۶) کتاب ماء الشعیر ۔
(۷) کتاب الازمنۃ ۔
(۸) کتاب الجواہر وصفاتہا ۔
(۹) ذکر الخواص والمعتبرۃ علی ترتیب العلل ۔
(۱۰) کتاب فی البلغم ۔
(۱۱) کتاب التشریح ۔
(۱۲) محنۃ الکحالین
(۱۳) کتاب الصوت والبحۃ
(۱۴) کتاب السموم وعلاجہا ۔

(۱۵) کتاب فی الجذام ۔
(۱۶) کتاب فی الاغذیۃ
(۱۷) کتاب فی الاشربۃ ۔
(۱۸) کتاب المالیخولیا واسبابہا وعلاماتہا وعلاجہا ۔
(۱۹) کتاب ترکیب العین وعللہا وادویتہا ۔
(۲۰) کتاب فی الفصد والحجامۃ ۔

مطبوعات

(۱) نوادر الطب (الفصول الحکمیہ)
(۲) کتاب الجواہر وصفاتہا وفی ای بلد ھی ۔

قسطا بن لوقا

قسطا بن لوقا عہد اسلام کا مشہور فلسفی تھا اس نے بلاد روم کا سفر کیا اور وہاں کے علوم کو حاصل کیا یہ نصرانی المذاہب تھا اور یعقوب بن اسحاق کندی کے معاصرین میں سے تھا۔ اس کا وطن شام کا مشہور شہر بعلبک تھا جس کا دوسرا نام مدینۃ الشمس تھا وہ یونانی النسل تھا اور دینیات کا اچھا علم رکھتا تھا اور اس میدان میں دیگر علمائے نصاریٰ سے مناظرہ بھی کرتا تھا۔

پیدائش :- اس کی سنہ ولادت کی تعیین تذکرہ نگاروں نے نہیں کی ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق اس کی پیدائش ۲۰۵ھ مطابق ۸۲۰ء ہوئی ...... بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس کا مرتبہ حنین بن اسحاق عبادی سے بھی بلند تر تھا۔

بہر حال قسطا کی فنی صلاحیتوں کا سب کو اعتراف ہے۔ قسطا نے علمی صلاحیتوں کو حاصل کرنے کے لیے بلاد روم کا سفر بھی کیا۔ اور عباسی خلیفہ مامون نے یونانی سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے بیت الحکمت کی خدمت اس کو سپرد کی۔

یہ نہایت نامور فاضل اور مختلف زبانوں کا ماہر تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے کہ وہ طب، فلسفہ، ہندسہ، اعداد، اور موسیقی میں بیک وقت مہارت کامل رکھتا تھا، یونانی زبان نہایت فصاحت سے بولتا تھا اور عربی میں بھی اس کو اچھی سوجھ بوجھ تھی، ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ اس نے یونان کی بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔ اور پہلے ترجمہ کی اصلاح کی، اس کے علاوہ وہ خود بھی صاحب تصنیفات تھا۔[۳۹]

اس نے بیت الحکمت میں ترجمہ کا کام بہت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

---

[۳۹] ابن الندیم، الفہرست، ص ۶۸۱ و علامہ شبلی، المامون، ص ۱۶۶ ۔

حتیٰ کہ بعض ان تراجم کی اصلاح کی جو حنین بن اسحاق کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اس کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے قدیم یونانی علوم کو مشرق تک پہنچایا۔ اور ان سے لوگوں کو متعارف کرایا۔ یہ بہت خوش طبع اور ملنسار تھا۔ معاصرین کے ساتھ اس کے دوستانہ روابط تھے۔ مؤرخ جرجی زیدان نے بحیثیت مترجم و مؤلف اس کی بے حد تعریف کی ہے اور ابوالفرج المسلطی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"میں بلا خوف کہہ سکتا ہوں کہ قسطا کی تصانیف باوجودیکہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں لیکن اس زمانہ کی تالیفات میں بے مثل اور بہت ہی اچھی ہیں۔ ان میں اختصار ہے اور معنی میں ہمہ گیری و شمولیت ہے۔ گویا یہ علم کے ذخائر ہیں۔"[۴۰]

اس میں شک نہیں کہ قسطا بہت بڑا عالم اور مصنف تھا۔ یہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں آرمینیہ چلا گیا تھا اور وہاں کے ایک فاضل پادری کو مختلف علوم وفنون کی بہت سی کتابیں پیش کیں۔ یہ ایک لحاظ سے بہترین مصنف تھا کیونکہ طویل مضامین کو نہایت مختصر الفاظ میں ادا کرتا تھا۔[۴۱] بحیثیت مترجم بھی قسطا کا مقام بہت بلند ہے۔ مؤلف عیون الانباء قسطا کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

> "نقل قسطا كُتباً كثيرةً من كُتبِ اليونانيةِ الى اللغة العربيةِ وكان جيّد النقلِ. فصيحاً باللسانِ اليوناني والسرياني والعربي واَصلحَ نقولاً كثيرةً. واصلهُ يوناني ولهُ رسائلُ وكُتبٌ كثيرةٌ في صناعة الطب وغيرِها. وكانَ حسن العبارةِ جيّد القريحةِ وقال ابن النديم البغدادي الكاتب ان قسطاً كان بارعاً في علوم كثيرةٍ منها الطبُّ والفلسفة والهندسةُ والاعدادُ والموسيقى. لامطعن عليه فصيحاً في اللغة اليونانية جيّد العبارة بالعربية"[۴۲]

---

[۴۰] جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، جلد سوم، ص ۱۴۵، الهلال مصر ۱۹۰۲ء

[۴۱] القفطی، تاریخ الحکماء، ص ۳۵۸، طبع دہلی، ۱۹۴۵ء

[۴۲] ابن ابی اصیبعہ عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص ۳۰۵ طبع بیروت ۱۹۶۵ء

ترجمہ :- قسطا نے یونانی سے بہت ساری کتابوں کو عربی میں منتقل کیا وہ ترجمہ کا ماہر تھا، یونانی، سریانی اور عربی تینوں زبانوں میں فصاحت کا مالک اور بلاغت میں کامل تھا، اُس نے بہت سے تراجم کی اصلاح بھی کی، ان تراجم کی اصل یونانی زبان میں تھی فن طب میں اس کی چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں ہیں، اس کی تحریر بہت عمدہ تھی، اور وہ عمدہ طبیعت کا مالک بھی تھا۔ ابن الندیم کی روایت ہے کہ قسطا بہت سے علوم میں مہارت رکھتا تھا، مثلاً طب، فلسفہ، ہندسہ اعداد اور موسیقی، بہت ستھری طبیعت کا مالک تھا کسی نے اس پر طعن و تشنیع نہیں کی۔ یونانی زبان فصاحت سے بولتا تھا اور عربی کی تحریر بہت عمدہ تھی۔

علمی صلاحیت :- صاحب طبقات الامم نے بھی دیگر تذکرہ نگاروں کی طرح قسطا کی بہت تعریف کی ہے۔ اور علوم میں اُس کی مہارت کے سلسلہ میں دیگر مصنفین کی ہمنوائی کی ہے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"یہ بعلبک کا باشندہ، یعقوب بن اسحاق کندی کا ہمعصر تھا، وہ علم حساب ہندسہ، نجوم، منطق، اور طبیعات کا محقق عالم اور فن طب کا ماہر تھا، اس کی تصانیف مختصر اور عمدہ ہیں، ہندسہ پر اس کی ایک بے نظیر کتاب ہے۔ اُس نے نفس اور روح کے مابین فرق ظاہر کرنے کے لیے بھی ایک عمدہ کتاب لکھی ہے۔ اسی طرح ہیئت اور نجوم کے اصول کو واضح کرنے کے لیے بھی ایک کتاب لکھی ہے"[۴۳]

اسی طرح علامہ شبلیؒ نے بھی دیگر مصنفین کی طرح اور شاید تاریخ الحکماء اور عیون الانباء پر اعتماد کر کے قسطا کی بہت تعریف کی ہے۔ اور یونانی و عربی میں اُس کی مہارت کو تسلیم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"قسطا بن لوقا ایک عیسائی فاضل نے فلسفہ وغیرہ میں کمال حاصل کیا، وہ یونانی نسل سے تھا اور یونانی میں نہایت فصاحت سے تقریر کرتا تھا، اس نے

---

[۴۳] صاعد الاندلسی، طبقات الامم، ص ۴۴، طبع اعظم گڑھ ۱۹۳۸ء

چونکہ بچپن میں شام میں پرورش پائی تھی اس لیے عربی میں بھی اس کو کمال حاصل تھا وہ یونانی فلسفہ کا نہایت دلدادہ تھا۔ چنانچہ خاص اس غرض کے لیے اُس نے ایشیائے کوچک کا سفر کیا اور یونانی علوم کی بہت سی کتابیں بہم پہونچائیں، مامون نے اس کا حال سُن کر بلا بھیجا اور بیت الحکمت میں ترجمہ کے کام پر مامور کیا۔ اُس نے بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کی، اور پچھلے ترجموں کی اصلاح کی۔[۴۴]

وفات :۔ سنہ وفات کی تعیین میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے مؤلف عیون الانباء نے لکھا ہے کہ یہ مقتدر باللہ عباسی کے عہد (۲۹۶-۳۲۰ھ) تک زندہ تھا۔ اور جبکہ مامون نے اس کو ترجمہ کے کام پر مامور کیا تھا اور مامون کی تاریخ وفات ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء میں ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مامون کے عہد میں یہ بحیثیت عالم شہرت پا چکا تھا۔ اس لحاظ سے اس کی عمر سو سال سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اس کی پیدائش ۲۰۵ھ مطابق ۸۲۰ء لکھی ہے۔ جو قرین قیاس نہیں ہے۔ تاریخ الحکماء کے حاشیہ میں اس کی وفات ۲۲۰ھ مطابق ۸۳۵ء لکھی ہے یعنی مامون کی وفات کے دو سال بعد بہرحال صحیح تاریخ وفات کی تعیین نہیں کی جا سکی، ان تمام تاریخوں میں براؤن کی تاریخ ۳۰۰ھ مطابق ۹۱۳ء اقرب الی الصواب ہے، یہ اپنے آخری ایام میں آرمینیہ کے حاکم کی دعوت پر وہاں چلا گیا تھا اور وہیں اس کی وفات ہوئی، لوگوں نے احتراماً ایک عظیم قبہ قبر پر تعمیر کروایا۔

تصانیف وتراجم :۔ قسطا بن لوقا نے تصنیف اور ترجمہ کی بیش بہا خدمات انجام دیں چونکہ یہ تین زبانوں کا ماہر تھا اور فن طب میں اس کی مہارت مسلم تھی اس لیے اس کی تصانیف حقائق پر مبنی ہوتی تھیں اس نے ریاضی، ہندسہ، نجوم، تاریخ فلکیات، طبعیات اور زراعت وطب پر تقریباً ۴۲، اہم کتابیں لکھی ہیں سب سے مفصل فہرست عیون الانباء کی ہے۔ مؤلف مذکور نے ان کی ۶۲ کتابوں کی نشاندہی کی ہے۔

---

[۴۴] علامہ شبلیؒ، رسائل شبلیؒ، ص ۷۰، طبع علی گڑھ ۱۸۹۸ء

اس کی تصانیف میں مطبوعہ بہت کم ہیں ۔ اور اکثر تصانیف مخطوطہ کی شکل میں ہی اس وقت دستیاب ہیں ۔ ۵۲ دستیاب مخطوطات کی نشاندہی کی گئی ہے ۔ انھوں نے جالینوس ، روفس ، ارسطرخس ، افلاطون ، اسقلاوس ، قلوطرخس ، ثاؤزسیوس وغیرہ حکمائے یونان کی کتابوں کے ترجمہ کیے ۔

تصانیف وتراجم

(۱) کتاب فی الاعداد ۔
(۲) کتاب فی الاسطقسات ۔
(۳) کتاب آداب الفلسفہ ۔
(۴) کتاب فی الفرق بین الحیوان الناطق وغیر الناطق ۔
(۵) کتاب فی الحیوان الناطق ۔
(۶) کتاب فی الجزء الذی لا یتجزی ۔
(۷) کتاب فی النوم والرؤیا ۔
(۸) کتاب فی شکل الکرۃ والاسطوانۃ
(۹) کتاب السیاست ۔
(۱۰) کتاب المدخل المنطق
(۱۱) کتاب المدخل الی علم النجوم ۔
(۱۲) کتاب فی السہر ۔
(۱۳) رسالۃ فی احوال الباہ واسبابہ علی طریق الأسئلہ والجواب ۔
(۱۴) کتاب جامع فی الدخول الی علم الطب ۔
(۱۵) کتاب فی القوۃ والضعف ۔
(۱۶) کتاب فی علۃ الموت فجأۃ
(۱۷) کتاب الاغذیۃ علی طریق القوانین الکلیۃ
(۱۸) کتاب فی معرفۃ الحذر وانواعہ وعللہ واسبابہ وعلاجہ ۔
(۱۹) کتاب فی الأخلاط الاربعۃ وما تشترک فیہ ۔

(۲۰) کتاب فی النبض و معرفۃ الحمیات وضروب البحرانات۔

(۲۱) کتاب الحمام۔

(۲۲) کتاب المساکن۔

(۲۳) کتاب المطالع۔

(۲۴) کتاب فی الدم۔

(۲۵) رسالۃ فی النبیذ۔

(۲۶) کتاب الاجرام والابعاد۔

(۲۷) کتاب الآراء الطبعیۃ۔

(۲۸) کتاب تحریم الدقیق۔

(۲۹) کتاب اصول الھندسہ۔

مخطوطات

قسطا بن لوقا کی مخطوطات دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، جن میں سے کچھ کتب خانوں کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) کتب خانہ ایا صوفیا (۲) کتب خانہ مالک۔ طہران (۳) کتب خانہ حکیم حلب، (۴) کتب خانہ جامعہ استنبول (۵) خدا بخش لائبریری پٹنہ (۶) برٹش میوزیم (۷) کتب خانہ میونخ (۸) کتب خانہ برلن (۹) حکیم ظل الرحمٰن علی گڈھ۔ (۱۰) رضا لائبریری رام پور (۱۱) کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد (۱۲) کتب خانہ دارالعلوم دیوبند۔

اسمائے مخطوطات

(۱) کتاب فی الحمیات

(۲) کتاب فی النوم والرؤیا۔

(۳) کتاب فی الباہ۔

(۴) کتاب فی الاذی۔

(۵) کتاب الاخلاط الاربعة وما تشترک فیہ۔
(۶) رسالة فی حفظ الصحة وازالة المرض۔
(۷) رسالة فی الاسطسقات۔
(۸) کتاب فی الفصد۔
(۹) کتاب فی علامات الموت فجأةً۔
(۱۰) رسالة فی ترکیب العین۔
(۱۱) کتاب النبیذ وشربہ فی الولائم
(۱۲) کتاب الحمام۔
(۱۳) مقالة فی الدم۔
(۱۴) کتاب فی اوجاع النقرس۔
(۱۵) کتاب المساکن
(۱۶) کتاب المطاعم۔
(۱۷) رسالة فی النبیذ۔

اسحاق بن حنین

اس کی کنیت ابو یعقوب ہے۔ یہ مشہور مترجم حنین بن اسحاق عبادی کا بیٹا تھا اور فن ترجمہ میں اپنے باپ کے مثل تھا۔

پیدائش :- اس کی سنہ ولادت کی تعیین بیشتر تذکرہ نگاروں نے نہیں کی ہے۔ صاحب معجم المؤلفین نے اس کی ولادت ۲۱۵ھ مطابق ۸۳۰ء لکھی ہے۔

لیکن یہ تاریخ زیادہ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ کیوں کہ اسحاق اپنے باپ کے ساتھ دور مامونی میں ترجمہ کے کام میں مصروف نظر آتا ہے اس لحاظ سے ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء سے قبل یہ علمی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اور یہی تاریخ مامون کی وفات کی ہے۔ اس لیے اس کی تاریخ ولادت تقریباً ۲۰۰ھ مطابق ۸۱۵ء ہوگی۔

تعلیم و تربیت

اس کی تعلیم و تربیت اس کے باپ کی نگرانی میں ہوئی۔ اس کا بڑا بھائی داؤد اس کا ہم درس تھا۔ اور دونوں بھائی ایک ساتھ علوم و فنون کی تحصیل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اس نے اس وقت کی تینوں رائج زبانوں یعنی یونانی، سریانی، اور عربی میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ فصاحت و بلاغت میں اپنے باپ کی طرح شہرت کا مالک تھا۔ اور ترجمہ کے کام میں بھی یگانہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حنین نے اپنے بھانجہ حبیش کے ساتھ ساتھ اس کو بھی بیت الحکمت میں ترجمہ کے کام پر متعین کیا تھا۔ اس سلسلے میں ابن ابی اصیبعہ مؤلف عیون الانباء کا بیان ہے۔

"كانَ يَلحَقُ بأبيهِ في النقلِ، وفي معرفتهِ باللغاتِ وفصاحتهِ فيها الا انّ نقلهُ للكتبِ الطبيةِ قليلٌ جدًّا بالنسبةِ الى ما يوجدُ من كثرةِ نقلهِ من كتبِ ارسطاطاليس في الحكمةِ وشرحها الى لغةِ العربِ وكانَ اسحاقُ قد خدمَ من خدمَ ابوهُ من الخلفاءِ والرؤساءِ وكانَ منقطعًا الى قاسمِ بن عبيد الله وخصيصًا بهِ ومتقدمًا عندهُ يُفضي عليهِ باسرارهِ" ٭

ترجمہ :- "اسحاق ترجمہ میں اپنے باپ کا ہم پلہ تھا، اسی طرح زبان دانی اور فصاحت میں بھی اپنے باپ کے مثل تھا۔ مگر طبی کتابوں کے تراجم اس کی طرف بہ نسبت فلسفہ اور حکمت کی کتابوں کے کم منسوب ہیں۔ یہ ارسطو کی کتابوں کو عربی زبان میں زیادہ تر ترجمہ کرتا تھا اور اس کی شرحیں بھی لکھا کرتا تھا اس نے ان خلفاء اور امراء کی خدمت کی جن کی خدمت اس کے باپ حنین نے کی تھی بعد میں یہ معتضد باللہ کے وزیر قاسم بن عبید اللہ کا ہم راز بن گیا اور اپنی خدمات اس کے لیے مخصوص کر دیں"۔

اسحاق ظریفانہ طبیعت رکھتا تھا۔ اور شعر و شاعری کا اچھا ملکہ بھی اس کو حاصل تھا۔ عیون الانباء میں اس کے بہت سے اشعار منقول ہیں ان میں سے دو اشعار حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) انا ابن الذي استودع الطب فيهم۔
وسموا به طفل وكهل ويافع
(۲) يبصرني ارسطاطاليس بارعًا
(۳) يقوم مني منطق لا يدافع [۵۵]

(۱) میں ان لوگوں کی اولاد میں سے ہوں جن کے اندر فن طب ودیعت کیا گیا ہے۔ اور بچپن جوانی اور بڑھاپے میں اسی فن سے ان کو نسبت رہی ہے۔

(۲) ارسطو بھی مجھ کو ایک ماہر فن تسلیم کرے گا۔ اور میرے ذریعہ
بلاشبہ علم منطق کی اصلاح کرے گا۔

ان اشعار سے اسحاق کی ادبی قابلیت کا پتہ چلتا ہے اور اُس کے ساتھ ساتھ فن طب میں اُس کی مہارت اور اس فن پر اُس کی خود اعتمادی کی بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ارسطو کے تراجم میں اس کی اصلاح کا بھی پتہ چلتا ہے۔

اس سلسلہ میں ابن ابی اصیبعہ نے وزیر مذکور کے ساتھ ایک مراسلہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ جو اشعار کی شکل میں تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے وزیر کے ہمراہ بہت دوستانہ مراسم تھے کیوں کہ اشعار ظریفانہ انداز کے ہیں۔

صاحب عیون الانباء کا بیان جو سابق سطور میں اسحاق کے بارے میں نقل کیا گیا اس کی تائید ابن الندیم کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عیون الانباء کا ماخذ ابن الندیم کی الفہرست ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اسحاق بن حنین علم وفضل اور یونانی و سریانی کو صحت و درستی کے ساتھ عربی میں منتقل کرنے کے سلسلہ میں اپنے باپ کا ہم پایہ تھا۔ اور عربی میں باپ سے زیادہ فصاحت کا حامل تھا۔ قاسم بن عبید اللہ کے یہاں اس کو تقدم و برتری حاصل تھی۔ [26]

اس کے بارے میں مؤلف وفیات الاعیان لکھتے ہیں۔

"کان اوحدَ فی عصرہ فی علم الطب۔ وکان یلحقُ بأبیہ فی النقلِ وفی معرفتہ باللغات وفصاحتہٗ فیھا۔ وکان یُعرّبُ کتبَ الحکمۃ التی بلُغۃ الیونانیین الی اللغۃ العربیۃ کما کان یفعلُ ابوہٗ وکانَ قد خَدَمَ من الخلفاء والرؤساء من خدمَ ابوہٗ۔" [27]

باقی ص ۲۰۲ * ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص ۲۷۲، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

[25] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص ۲۷۵، طبع 〃 〃

[26] ابن الندیم، الفہرست، ص ۶۸۷، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

ترجمہ:- "علم طب میں یہ اپنے زمانے کا بہت بڑا عالم تھا۔ ترجمہ، زبان دانی اور فصاحت میں اپنے باپ کے ہم پلہ تھا، اپنے باپ کی طرح یونانی زبان سے عربی میں کتابوں کا ترجمہ کرتا تھا اُس نے ان خلفاء اور امراء کی خدمت کی جن کی خدمت اُس کے باپ نے کی تھی۔"

اسحاق کو جس طرح ترجمہ میں مہارت حاصل تھی اسی طرح تالیف کا بھی ملکہ رکھتا تھا۔ ادب میں اس کی ایک کتاب بہت مقبول و مشہور ہے یہ فلاسفہ کے تذکروں پر مشتمل ہے اور ان کے ادب و حکایات پر بہترین تالیف ہے اس کا نام "کتاب آداب الفلاسفۃ و نوادرھم" ہے۔

وفات:- اسحاق کے تلامذہ اور اولاد کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں بہرحال یہ بے مثل، مترجم مصنّف اور حکیم تھا۔ اس کو آخری عمر میں فالج کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا اور اسی مرض میں مبتلا ہوکر ۲۹۸ھ مطابق ۹۱۰ء میں فوت ہوگیا۔

ابن الندیم اور صاحب عیون الانبیاء نے یہی تاریخ لکھی ہے۔ اس اعتبار سے اس کی عمر ستّر سال ہوئی۔

تصانیف و تراجم

اسحاق نے بڑی تعداد میں کتابوں کا ترجمہ بھی کیا اور تالیف بھی کی۔ اس نے فلسفہ اور طب کی کتابوں کا ترجمہ بڑی سلاست اور روانی سے کیا ہے اسی وجہ سے حنین اس کے ترجمہ کو بہت پسند کرتا تھا یہ ترجمہ میں کئی بار نظر ثانی کرتا تھا اور اطمینان نہ ہونے پر دوبارہ ترجمہ کرنے کا عادی تھا، اس کی تصانیف اور تراجم کی مجموعی تعداد تقریباً ۲۸ بیان کی جاتی ہے لیکن یہ فہرست مکمل نہیں کہی

یاقوت ص ۲۰۳

ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج ۱، ص ۲۰۵ طبع بیروت ۱۹۶۸ء (تحقیق احسان عباس)

جا سکتی۔ اس میں ۲۲ کتابیں تراجم میں شمار کی جاتی ہیں، باقی کتابیں اس کی تالیف کہی جاتی ہیں۔ اس کے دستیاب مخطوطات کی تعداد ۶ بیان کی جاتی ہے۔

(۱) تاریخ الاطباء والفلاسفۃ۔
(۲) کتاب الادویۃ الموجودۃ بکل مکان۔
(۳) کتاب اصلاح الادویۃ المسہلۃ۔
(۴) کتاب فی الادویۃ المفردۃ۔
(۵) کتاب فی معرفۃ البول۔
(۶) کتاب المنقولات۔
(۷) کتاب اختصار اقلیدس۔
(۸) کتاب ایساغوجی۔
(۹) کتاب المختصر فی الطب۔
(۱۰) کتاب آداب الفلاسفۃ ونوادرھم
(۱۱) مقالۃ فی التوحید۔

(تراجم)

(۱) کتاب باری ارمنیاس۔
(۲) کتاب انولوطیقا۔
(۳) کتاب الجدل۔
(۴) کتاب الخطابت۔
(۵) کتاب الکون والفساد۔
(۶) کتاب النفس۔
(۷) کتاب الالہیات
(۸) کتاب الاخلاق۔
(۹) کتاب الاصول۔
(۱۰) کتاب المجسطی۔
(۱۱) کتاب الکرۃ الاسطوانۃ۔

(۱۲) کتاب الاشکال الکرویۃ ۔
(۱۳) عدد المقاییس ۔
(۱۴) کتاب ذکرۃ افلاطون فی طیماؤس ۔
(۱۵) کتاب فی مراتب قراءۃ کتب جالینوس ۔
(۱۶) کتاب انکار ارستراس فی مداواۃ الامراض ۔
(۱۷) محنۃ الطبیب ۔

مخطوطات

دنیا کی مختلف لائبریریوں میں اسحاق کے مخطوطات دستیاب ہیں جن میں سے کچھ کے نام یہاں دیئے جا رہے ہیں ۔

(۱) کتب خانہ ایاصوفیا (۲) کتب خانہ جامعہ طہران (۳) کتب خانہ کیمبرج (۴) کتب خانہ احمد ثالث (۵) کتب خانہ اسماعیل پاشا ۔

اسمائے مخطوطات ۔

(۱) تاریخ الاطباء والفلاسفۃ ۔
(۲) کتاب الادویۃ المفردۃ
(۳) کتاب معرفۃ البول ۔
(۴) المختصر فی الطب ۔
(۵) کتاب الادویۃ الموجودہ فی کل مکان ۔
(۶) مقالۃ جالینوس فی سر شمار البلادر

جیش بن الحسن الاعسم

جیش الاعسم کے نام سے مشہور ہے (کیونکہ یہ ایک ہاتھ سے معذور تھا) یہ مشہور مترجم حنین بن اسحاق عبادی کا بھانجا تھا یہ دمشق میں پیدا ہوا۔ یہ نصرانی المذاہب تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت اُس کے ماموں حنین نے کی اور اپنے ماموں سے اُس نے فن طب کو حاصل کیا۔ حنین کی طرح لسانیات میں عبور حاصل کیا اور اس دور کی رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی اور عربی کو بخوبی حاصل کیا۔ ترجمہ کے عمل میں حنین کا تبیع تھا۔ حنین کو اس پر پورا اعتماد تھا۔ اور اسی لیے تصنیف و تالیف کے کام میں اس سے پورا پورا تعاون حاصل کرتا تھا۔ اور اس کے کام کو بہت اہمیت دیتا تھا حنین نے اُس کی ذہانت کی بہت تعریف کی ہے۔

اس سلسلہ میں ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہیں۔

"قال حنین بن اسحاق انّ جیشاً ذکیٌّ مطبوع الفهم غیر ان لیس له اجتهادٌ بحسب ذکائه، بل فیه تهاونٌ وان کانَ ذکاؤهٗ مفرطاً و ذهنه ثاقباً"۔[38]

ترجمہ:- جیش تیز فہم اور ہوشیار آدمی ہے مگر ذہانت کے مطابق اس میں محنت و کوشش کا فقدان ہے بلکہ سستی ہے اگرچہ اس کی ذہانت غیر معمولی اور ذہن دور رس ہے۔

اسی طرح قدیم تذکرہ نگاروں میں ابن الندیم نے بھی جیش کی بہت تعریف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ حنین اس کو سب پر فوقیت دیتا تھا، اور

---

[38] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص ۲۷۶، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

اس کی تعظیم و توصیف کرتا تھا اور اس کے ترجمہ پر پسندیدگی کا اظہار کرتا تھا۔ [49]

حنین نے ترجمہ کی ایک مجلس بنائی تھی جس کے ممبروں میں حبیش کا نام سرفہرست ہے۔ یہ اسحاق بن حنین کے ساتھ مصروف عمل رہتا تھا۔ اور حنین کو بھرپور تعاون دیتا تھا حنین پورے اعتماد کے ساتھ اس سے کام لیتا تھا حنین نے بعض کتابوں کو نامکمل چھوڑ دیا تھا۔ حبیش نے اس میں اضافہ کیا اور اس کو نئی ترتیب دی۔ اس سلسلہ میں کتاب المسائل کا نام لیا جا سکتا ہے۔

بحیثیت مترجم:- علمی دنیا میں بحیثیت مترجم اس کا مقام بہت بلند ہے کیونکہ اس کی تربیت میں شیخ المترجمین کا ہاتھ تھا۔ یہ اس دور کی تینوں مشہور علمی زبانوں عربی، یونانی اور سریانی سے واقفیت رکھتا تھا۔ اور ان زبانوں میں اس کو پوری مہارت حاصل تھی تصنیف و تالیف کی صلاحیت اس پر مستزاد تھی۔ اسلوب نگارش حنین کے اسلوب سے مشابہ تھا۔ اس لیے بہت سے مؤرخین کو اس سلسلہ میں دھوکہ ہوا ہے۔

مؤلف تاریخ الحکماء لکھتے ہیں۔

"حبیش و حنین کی دوستی حنین کے حق میں بہت مفید ثابت ہوئی۔ اس طرح کہ حبیش کے اکثر تراجم حنین کی طرف منسوب ہو گئے۔ اس غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ حبیش قدرے گم نام مصنف تھا اور نا اہل تاریخ نگاروں نے غلطی سے حبیش کو حنین پڑھ لیا۔ کیوں کہ حنین کو شہرت حاصل تھی اور حبیش کا نام کاٹ کر حنین کر دیا گیا۔ [50]"

تاہم یہ بات مسلم ہے کہ علمی دنیا میں حنین کی طرح اس کو مقبولیت حاصل

---

[49] ابن الندیم، الفہرست، ص ۶۸۱، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

[50] القفطی، تاریخ الحکماء، ص ۲۵۵، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

نہ ہو سکی۔ اسی وجہ سے اس کی تالیفات بھی مورخین کے غلط انتساب کا شکار ہو گئیں۔ یہ غلطی بھی اس عظیم مصنف و مترجم کی گمنامی کا سبب بن گئی۔ اس نے جالینوس کی کتابوں کے تراجم کو خاص اہمیت دی۔ اور یہ جالینوس کی کتابوں کا ممتاز مترجم تھا اُس نے ۳۵ سے زیادہ طبی کتابوں کا ترجمہ کیا ان میں تین جالینوس کی کتابیں شامل ہیں۔ ترجمہ کے سلسلہ میں غلط انتساب کے بہت سے اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔

ان میں چند حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) حبیش حنین کی علمی شخصیت سے متاثر تھا۔ اور اس قدر اُس سے مرعوب تھا کہ از خود اس نے بہت سی کتابوں کو حنین کی طرف منسوب کر کے لکھا۔

(۲) اسلوبِ نگارش میں دونوں مماثل تھے اس لیے قارئین نام کی غلطی میں پڑ گئے۔ اور حبیش کو حنین ہی پڑھتے رہے۔

(۳) چونکہ یہ بیت الحکمت کا ملازم تھا اور حنین کی ماتحتی میں کام کرتا تھا اس وجہ سے حنین کی خوشنودی کو مقدم رکھتا تھا اور کتابوں کے انتساب کو غلط انداز میں پیش کرتا تھا۔

(۴) مؤرخین نے حنین کی شہرت کو پیش نظر رکھ کر نام میں اصلاح کر دی اور حبیش کو حنین کر دیا۔

(۵) چونکہ حبیش کو اپنے احساس کمتری کا اعتراف تھا اور اپنے ماموں کو اپنے سے برتر سمجھتا تھا اس لیے کتابوں کا عنوان قائم کرتے وقت حنین کا خیال رکھتا تھا اور کتابوں کو عام طور پر حنین کی طرف منسوب کرتا تھا۔[۵۱]

وفات:۔ عموماً تذکرہ نگاروں نے اس کے سنہ وفات کی تعیین نہیں کی ہے لیکن مولف عصر المامون نے اس کا سنہ وفات ۳۰۰ھ

---

[۵۱] وسیم احمد اعظمی، بیت الحکمت کی طبی خدمات، ص ۱۰۲، طبع اول، دہلی ۱۹۸۸ء

مطابق ۹۱۲ء لکھا ہے۔ ۵۲؎

تصانیف وتراجم :۔ حبیش تصنیف وتالیف اور ترجمہ کی دُنیا میں مشہور ومعروف شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے بہت سے مسائل پر کتابیں تالیف کیں اور تراجم بھی کیے۔ ابن ابی اصیبعہ نے صرف پانچ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ظاہر ہے یہ بہت ہی ناقص فہرست ہے۔ کیوں کہ حبیش جیسی شخصیت کے لیے پانچ کتابوں کی فہرست بہت ہی ناقص کہی جاسکتی ہے بعض محققین نے اس کی کتابوں کی مجموعی تعداد ۵۳ لکھی ہے۔ ان میں تصانیف وتراجم دونوں شامل ہیں، بلکہ تصانیف سے تراجم کی تعداد زیادہ بتائی جاتی ہے اس کے بہت سے دستیاب مخطوطات کی نشاندھی کی گئی ہے۔

تصانیف :۔

(۱) کتاب المسائل۔

(۲) کتاب اصلاح الادویۃ المسہلۃ۔

(۳) کتاب الادویۃ المفردۃ۔

(۴) کتاب الاغذیۃ۔

(۵) کتاب فی الاستسقاء

(۶) مقالۃ فی النبض علی جہۃ التقاسیر

تراجم

اس نے بقراط جالینوس اور ارسطو کے علاوہ دوسرے حکمائے یونان کی کتابوں کے ترجمے کیے ان میں سے چند مشہور تراجم کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب عہد البقراط الی صناعۃ الطب۔

(۲) کتاب آراء البقراط والافلاطون

(۳) کتاب تقدمۃ المعرفۃ۔

(۴) کتاب الجنین۔

۵۲؎ الدکتور احمد فرید رفاعی، عصر المامون، ص ۳۷۹، المجلد الاول، الطبعۃ الثانیۃ القاہرہ ۱۹۲۷ء

(۵) کتاب العضل ۔
(۶) کتاب فی العروق
(۷) کتاب المحرک الاول لایتحرک ۔
(۸) کتاب فی العلل والاعراض ۔
(۹) کتاب تعرف علل الاعضاء الباطنة
(۱۰) کتاب فی النبض ۔
(۱۱) کتاب حیلة البرء
(۱۲) کتاب تشریح الحیوان المیت ۔
(۱۳) کتاب علم البقراط بالتشریح ۔
(۱۴) کتاب تشریح الرحم
(۱۵) کتاب فی حرکة الصدر والریۃ ۔
(۱۶) کتاب فی العادات ۔
(۱۷) کتاب فی منافع الاعضاء
(۱۸) کتاب فی خصب البدن ۔
(۱۹) کتاب فی ادویة المفردة ۔
(۲۰) کتاب التشریح الکبیر
(۲۱) کتاب المنی ۔
(۲۲) کتاب فی تدبیر الاصحاء
(۲۳) کتاب الاخلاق ۔
(۲۴) کتاب حرکة المجہولة ۔
(۲۵) کتاب التجربة الطبیة ۔

مخطوطات

جیش کے دستیاب مخطوطات جن کتب خانوں میں موجود ہیں ان میں سے چند مخصوص کتب خانوں کے نام یہ ہیں ۔

(۱) کتب خانہ جامعہ طہران (۲) ایران کی لائبریری اور حلب کی لائبریری،

اسمائے مخطوطات

(۱) اصلاح الادویۃ المفردۃ ۔
(۲) مقالۃ فی النبض علی جہۃ التقاسیم ۔
(۳) کتاب الاغذیۃ ۔
(۴) کتاب فی الاستسقاء ۔

عمر بن فرخان الطبری:۔

اس کی کنیت ابو حفص ہے یہ ایران کے مشہور شہر طبرستان کا رہنے والا تھا۔ اسی نسبت سے اس کو طبری کہتے ہیں یہ مشہور مترجم منجم اور بہت بڑا فلسفی تھا۔ یحیٰ بن خالد برمکی نے اس کو اپنے دربار میں بلایا اس کے بعد فضل بن سہیل نے اس کا تعارف مامون کے دربار میں کرایا۔ اور مامون نے ہی اس کو ترجمہ کے کام پر مامور کیا۔ مؤلف تاریخ الحکماء ابو معشر بلخی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

"عمر بن فرخان ایک بلند پایہ عالم اور حکیم تھا۔ پہلے یحییٰ بن خالد اور پھر فضل بن سہل کے دربار میں رہا۔ کہتے ہیں کہ جعفر بن یحییٰ کی ولادت پر اس نے ایک زائچہ بنایا تھا جو بالکل نئے طرز پر تھا۔ [۵۳]

اس کا شمار عباسی دور کے نامور مترجمین میں ہوتا ہے۔ صاحب عیون الانباء نے دورِ اسلام کے جن چار مشہور مترجمین کا تذکرہ کیا ہے ان میں عمر بن فرخان کا نام بھی شامل ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"حذاق الترجمۃ فی الاسلام اربعۃ حنین بن اسحاق و یعقوب بن اسحاق الکندی و ثابت بن القرۃ الحرانی و عمر بن فرخان الطبری۔"

ترجمہ:۔ دورِ اسلام میں چار مشہور مترجمین ہوئے حنین بن اسحاق یعقوب بن اسحاق کندی ثابت بن قرہ حرانی اور عمر بن فرخان طبری"

یہ فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں مہارت رکھتا تھا۔ اور ان مترجمین میں شمار ہوتا تھا جنہوں نے فارسی زبان کے توسط سے عربی میں تراجم کیے۔ ابن الندیم نے ان کو فارسی مترجمین کی فہرست شامل کیا ہے۔ اور مصنفین کی جماعت میں بھی شمار کیا ہے۔ [۵۴]

---

[۵۳] القفطی، تاریخ الحکماء ص ۳۳۲، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

عباسی دور میں فارسی کی بھی غیر معمولی اہمیت تھی، جس طرح یونانی اور سریانی کی تھی فارس علم و دانش کا اسی طرح مخزن رہا ہے جس طرح کہ روم اور یونان اپنے اپنے ادوار میں تھے۔

ایرانی علماء نے بھی اپنی ذہانت سے عباسی دور کی علمی تحریک کو سیراب کیا ان میں علماء و مترجمین میں عبداللہ بن المقفع، حسن بن سہل، محمد بن بہرام اور عمر بن فرخان سب سے زیادہ شہرت کے مالک ہیں۔ احمد امین نے عباسی دور کی علمی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے والے فارسی مترجمین میں عمر بن فرخان کو بھی شمار کیا ہے۔[۵۵]

اس نے مامون کے دربار میں رہ کر اور بیت الحکمت کے شعبہ سے منسلک ہو کر بیش بہا علمی خدمات انجام د اور بے شمار کتابوں کا ترجمہ کیا اور ایسے احکام نجوم تیار کیے جو آج تک شاہی خزانوں میں موجود ہیں، تراجم کے علاوہ بہت سی کتابیں نجوم و فلسفہ میں بھی تصنیف کیں[۵۶]

بحیثیت مترجم: — اس کا میلان فلسفہ کی طرف تھا۔ اور فلسفیانہ کتابوں کے نامور مترجمین میں اس کا شمار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ عباسی دور کے ایرانی اُمراء و وزراء جنہوں نے علوم و فنون کی ترقی میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ انھوں نے عمر بن فرخان کو بام عروج پر پہنچایا اور اس کی بڑی قدر دانی کی حتی کہ وہ یحییٰ بن خالد کی نظر میں سما گیا اور بیت الحکمت کو چار چاند لگانے کے لیے دیگر علماء و فضلاءِ عصر کے ساتھ ساتھ طبری کا بھی انتخاب کیا گیا۔

فضل بن سہل جو ذوالریاستین کے لقب سے مشہور تھا کیونکہ وہ سیف و قلم دونوں کا ماہر تھا جو پہلے یحییٰ بن خالد کا منتظم املاک تھا[۵۸] اور علم نجوم

بقیہ صفحہ ۲۱۳ [۵۴] ابن الندیم الفہرست۔ ص ۵۷۵ طبع لاہور ۱۹۶۹ء

[۵۵] احمد امین، ضحی الاسلام ص الجزء الاول، الطبعة الثالثة القاہرہ ۱۹۳۸ء

[۵۶] صاعد الاندلسی۔ طبقات الامم ص ۹۵۔ طبع اعظم گڈھ۔ سنہ ۱۹۲۸ء

[۵۷] محمد بن علی بن طباطبا، تاریخ الفخری، ص ۳۲۷ طبع اول دہلی ۱۹۶۵ء

کی رو سے مامون کی خوبیاں جانتا تھا اور جو بعد میں مامون کی وزارت کے عہدے پر فائز ہوا۔ اُس نے بھی عمر بن فرخان کی قدردانی کی اور مامون کے دربار میں اور خاص طور پر ترجمہ کے کام میں اس کو مقرر کرنے میں اسی کا ہاتھ تھا۔

مگر فضل بن سہل کی شہرت اور عزت ہی اس کے قتل کا باعث بنی۔ اگرچہ بعض مؤرخین نے اس کے قتل کا سبب ایک کنیز کی خریداری پر فضل کے اصرار کو قرار دیا ہے۔ ۵۸؎

وفات:۔ تذکرہ نگاروں اس کے سنہ وفات کی تعیین نہیں کی ہے۔

تصانیف و تراجم:۔ اس باکمال مترجم نے مامون کے لیے بے شمار کتابوں کا ترجمہ کیا اور خاص کر فلسفیانہ کتابوں کا ترجمہ نہایت خوش اسلوبی سے کیا۔ صرف ترجمہ ہی نہیں بلکہ تصنیف و تالیف کا بھی ان کو اچھا ملکہ تھا متعدد تصانیف کی طرف مؤلف تاریخ الحکماء نے اشارہ کیا ہے۔ اگرچہ کتابوں کے اسماء کی فہرست کو اُس نے نظر انداز کر دیا اور صرف تین کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ تذکرہ نگاروں نے اس کی مفصل فہرست کس لیے نظر انداز کی ہے۔ اس کا پتہ نہیں لگایا جا سکا شاید اس لیے کہ اس کے تراجم کے انداز پر دیگر مؤلفین کے تراجم و تصانیف کو کافی شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ صاحب تاریخ الحکماء نے مندرجہ ذیل کتب کا نام لکھا ہے۔

(۱) المقالات الاربعہ لبطلیموس:۔ یہ کتاب دراصل ابو یحییٰ البطریق کی ترجمہ شدہ ہے۔ اور عمر بن فرخان نے اس کی تشریح کی ہے۔

(۲) کتاب المحاسن

(۳) کتاب اتفاق الفلاسفۃ واختلافہم فی الخطوط۔

۵۸؎ رشید اختر ندوی، تہذیب و تمدن اسلامی حصہ سوم ص ۱۰۱ طبع لاہور۔

یوحنا بن البطریق

اس کی کنیت ابوزکریا ہے۔ یہ مامون رشید کا غلام تھا اور اس وفد میں شامل تھا جس کو مامون نے علمی کتابوں کی تلاش کے لیے بلادِ روم بھیجا تھا یہ حجاج بن مطر اور بیت الحکمت کے نگراں سلما کے وفد میں شریک تھا، اس سے اُس کی شخصیت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ اور علوم یونان میں اس کی اعلیٰ دسترس کی نشاندہی بھی کی جاسکتی ہے کیوں کہ بلادِ روم میں جو وفود بھیجے جاتے تھے وہ صرف خزائن کتب سے کتابوں کے اخراج ہی کا کام نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کتابوں کا بڑی خوبی سے انتخاب بھی کرتے تھے کیوں کہ منتخب شدہ کتابوں ہی کا ترجمہ کیا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں علامہ شبلی رقمطراز ہیں۔

"مامون نے خود بھی حجاج بن مطر، ابن البطریق اور سلما کو جو بیت الحکمت کے مہتمم اور افسر تھے اس غرض سے روم بھیجا کہ اپنی پسند سے کتابیں انتخاب کر کے لائیں۔ آرمینیہ، مصر، شام، قبرص اور دوسرے مقامات میں بھی قاصد بھیجے اور لاکھوں روپے عنایت کیے کہ جس قدر خرچ ہو اور جس طرح ممکن ہو فلسفیانہ تصنیفات بہم پہونچائیں۔ [۵۹]

یوحنا ابن بطریق دورِ مامونی کا ایک معتبر مترجم تسلیم کیا جاتا ہے لیکن تذکرہ نگاروں نے اس کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ عربی زبان میں اُس کو مہارت حاصل نہیں تھی ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں اُس کے تراجم میں اصلاح کی ضرورت پڑتی ہوگی۔ اور تراجم کے سلسلہ میں اصلاح کی بہت زیادہ ضرورت محسوس کی جاتی تھی اس سلسلہ میں مؤلف حکمائے اسلام لکھتے ہیں۔

"کتابوں کے ترجمہ کے علاوہ سب سے زیادہ ضرورت ترجموں کی اصلاح

---

[۵۹] علامہ شبلی، المامون، صفحہ ۱۶۱ طبع دوم اعظم گڈھ ۱۹۵۷ء۔

کی تھی کیوں کہ ترجمہ کی خوبی کا دار و مدار صرف اس پر ہے کہ مطالب کو صحت کے ساتھ شگفتہ اور عمدہ عبارت میں ادا کیا جائے اور اس اعتبار سے تمام مترجمین کی حالت یکساں نہیں تھی، مثلاً خود مامونی دور کا ایک مترجم یوحنا ابن بطریق تھا جو مطالب کو اگرچہ خوبی کے ساتھ ادا کرتا تھا، لیکن عربی زبان میں اس کو کوئی مہارت نہیں تھی، مامون نے اس غرض سے حنین بن اسحاق کا انتخاب کیا جو یونانی اور عربی دونوں زبانوں کا ماہر تھا اور ترجمہ کے ساتھ دوسرے مترجمین کی ترجمہ کردہ کتابوں کی اصلاح بھی کرتا تھا۔[60]"

عربی کے علاوہ یونانی، سریانی اور لاطینی زبانوں سے بھی پوری واقفیت رکھتا تھا۔ اس وقت لاطینی زبان کا علم رکھنے والے بہت کم ملتے تھے۔ یوحنا کو چونکہ فلسفہ سے زیادہ لگاؤ تھا اس لیے فلسفیانہ کتابوں کے تراجم کو خوش اسلوبی سے مہیا کرتا تھا یہ خود طبیب نہیں تھا لیکن اطباء یونان میں بقراط و جالینوس کی متعدد تصانیف کا ترجمہ کیا۔

بحیثیت مُترجم!

جیسا کہ اخبار الحکماء کے حوالہ سے مولانا عبدالسلام ندوی نے لکھا ہے یوحنا کو عربی زبان میں زیادہ مہارت حاصل نہیں تھی اس لیے اُس کے ترجمہ کو دیگر مصلحین اصلاح اور نظر ثانی کے بعد پیش کرتے تھے۔ اس لیے افلاطون ارسطو، بقراط، اسکندروس، اور جالینوس جیسے حکمائے یونان کے تراجم کو پیش کیا ہے۔ ترجمہ کے سلسلے میں لاطینی کا یہ مسلّم اور نامور مترجم تھا کیوں کہ لاطینی زبان میں اس کی مہارت میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ اغلب یہی ہے کہ ترجمہ کرتے وقت اسی زبان کو وہ زیادہ تر واسطہ بناتا ہوگا۔

وفات:۔ سنہ ولادت کی طرح اس کے سنہ وفات کی بھی تعیین

---

[60] مولانا عبدالسلام ندویؒ حکمائے اسلام، ص ۳۷، حصہ اول، طبع اول اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

تذکرہ نگاروں نے نہیں کی ہے۔ لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حجاج بن مطر اور سلما جیسے مترجمین اور مؤلفین کا معاصر تھا۔

تصانیف و تراجم!

تذکرہ کی کتابوں میں اس کی متعدد تصانیف و تراجم کا پتہ چلتا ہے لیکن تصانیف سے زیادہ اس کے تراجم کی شہرت تھی اسی لیے تذکرہ نگاروں نے اس کے تراجم کی فہرست درج کی ہے۔ اور تصانیف کی فہرست کو نظر انداز کر دیا ہے۔ عموماً اس کے گیارہ تراجم کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ جو طب اور فلسفہ پر مشتمل ہیں ان کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب تقدمۃ المعرفۃ۔
(۲) کتاب طیماؤس ۔
(۳) کتاب سماع عالم۔
(۴) کتاب النفس
(۵) کتاب طبائع الحیوان۔
(۶) کتاب البرسام۔
(۷) کتاب التریاق۔
(۸) کتاب علل العین وعلاجہا۔
(۹) کتاب الحیات والدیران التی تتولد فی البطن۔
(۱۰) کتاب أبقراط عن الموت۔
(۱۱) کتاب السموم

ان میں سے آخر الذکر پانچ کتابیں جالینوس کی ہیں اور تین کتابیں (۳، ۴، ۵) ارسطو کی ہیں اور ایک کتاب (۶) اسکندروس کی ہے۔ اور ایک (۲) افلاطون کی اور (۱) بقراط کی ہے۔

حجاج بن مطر

اس کا پورا نام حجاج بن یوسف بن مطر ہے۔ بعض لوگوں نے مطر کو مطران لکھا ہے۔ دادا کی طرف منسوب ہو کر حجاج بن مطر کہلایا اور مزید تخفیف کے لیے مطران کو مطر کیا گیا ہے۔ یہ کوفہ میں سرکاری ملازمت پر فائز تھا وہاں اُس نے دو منصوبوں پر کام کیا اولاً وہ حاسب تھا پھر بعد میں ورّاق کے عہدہ پر اس کی تقرری ہوئی یہ دونوں عہدے بہت اہم تھے خاص کر ورّاق کا پیشہ ایک علمی پیشہ تھا یہ صرف نقل و کتابت کا پیشہ نہیں تھا۔ عام طور پر ورّاق وہی لوگ ہوتے تھے جو مختلف علوم و فنون میں دسترس رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ خلیفہ مامون الرشید نے اپنے دور میں جہاں دیگر ماہرین کو بیت الحکمت میں علمی کاموں پر مقرر کیا وہیں حجاج بن مطر کو بھی بیت الحکمت میں افسر اعلیٰ کے عہدہ پر مقرر کیا۔ یہ شخص بلادِ روم کے اطراف و اکناف میں بھی گیا اور مختلف علوم و فنون کی کتابوں کی فراہمی میں اہم رول ادا کیا۔[٦١]

بحیثیت مُترجم

رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی، عربی اور لاطینی سے اس کو واقفیت تھی کیوں کہ ترجمہ کے کام میں اس کو بہت ہی شہرت حاصل تھی۔ یہ مشہور مترجم تھا، مجسطی اور اقلیدس کا ترجمہ اُسی نے کیا۔[٦٢]

اس سلسلہ میں صاحب عیون الانباء فی طبقات الاطباء لکھتے ہیں۔

"نَقَلَ لِلمامون، ومن نقلہ کتابُ اقلیدس، ثمّ اَصْلَحَ نقلہٗ

---

[٦١] علامہ شبلیؒ المامون، ص ١٦١، طبع دوم اعظم گڈھ ١٩٥٦ء

[٦٢] 〃 رسائل، ص ١٨٩ طبع علی گڈھ ١٨٩٨ء

فیما بعدہ ثابت بن قرۃ الحرانی وابن ناعمۃ واسمہ عبدالمسیح بن عبداللہ الحمصی الناعمی، کان متوسط النقل وهو الى الجود أميل[۶۳]"

ترجمہ:- حجاج بن مطر نے مامون کے لیے بہت سی کتب کے تراجم کیے۔ اسی نے اقلیدس کا ترجمہ کیا اس کی اصلاح بعد میں ثابت بن قرۃ حرانی اور عبدالمسیح حمصی ناعمی نے کی یہ اوسط درجہ کا مترجم تھا اور ترجمہ میں خوش اسلوبی کی طرف مائل تھا۔

جارج سارٹون لکھتے ہیں۔

"حجاج بن یوسف بن مطر بغداد میں ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۶ء اور ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء کے دوران علمی کاموں میں مصروف تھا اسی نے سب سے پہلے اقلیدس کی کتاب "العناصر" کا ترجمہ عربی میں کیا یہ ان مترجمین میں سے تھا جنہوں مجسطی کا ترجمہ عربی میں کیا یہ یونانی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "اعظم" چونکہ یہ علم ہیئت کی عظیم الشان کتاب ہے اس لیے اس کو المجسطی کہتے ہیں حجاج بن مطر نے المجسطی کا ترجمہ ۲۱۲ھ مطابق ۸۲۹ء سے ۲۱۵ھ مطابق ۸۳۰ء کے درمیان سریانی ترجمہ کی بنیاد پر کیا۔ اسی المجسطی کا نظرثانی شدہ نسخہ ابوالوفاء نے دسویں صدی عیسوی میں کیا اس نے کتاب العناصر کا دوبارہ ترجمہ کیا پہلے دور ہارون الرشید میں پھر دور مامون الرشید میں کتاب العناصر کے دوسرے ترجمہ کی اشاعت لاطینی ترجمہ کے ساتھ ہوئی ہے۔[۶۴]"

اس نے حکمائے یونان میں سے بطلیموس، اقلیدس، ارسطاطالیس کی کتابوں کے تراجم کیے۔ ان کے چند تراجم کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب المجسطی — یہ بطلیموس کی شہرۂ آفاق کتاب ہے۔ جو علم ہیئت پر مشتمل ہے۔

(۲) کتاب الاصول — یہ اقلیدس کی مشہور کتاب ہے اس کی اہمیت

---

[۶۳] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص ۲۸۰، بیروت ۱۹۶۵ء

[۶۴] جارج سارٹون، مقدمہ تاریخ علوم، انگریزی، ص ۵۶۲، طبع نیویارک ۱۹۵۳ء

کے پیش نظر اس کا ترجمہ دوبار کیا گیا۔

(۳) کتاب المرۃ۔

وفات:۔ تاریخ وفات کی تعیین تذکرہ نگاروں نے نہیں کی ہے۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ سنہ ۱۷۰ھ مطابق سنہ ۷۸۶ء اور سنہ ۲۱۸ھ مطابق سنہ ۸۳۳ء کی درمیانی مدت میں بقید حیات تھا۔

موسیٰ بن خالد

یہ بیت الحکمت میں ترجمہ کے کام پر مامور تھا اور حنین بن اسحاق کے زیر نگرانی اپنی خدمات انجام دیتا تھا، اس کو ترجمہ کے میدان میں مہارت حاصل تھی۔ اسی لیے ترجمان کے لقب سے بھی مشہور و معروف تھا یہ رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی، اور عربی زبانوں کا عالم تھا۔ یہ اوسط درجہ کے مترجمین میں شمار ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں صاحب عیون الانباء فی طبقات الاطباء لکھتے ہیں۔

> "وَجَدتُ من نقله كتباً كثيراً من الستة عشر لجالينوس وغيرها وكان لا يصل الى درجة حنين أوُ يقرُبُ منها"[۶۵]

ترجمہ:۔ میں نے اس کی ترجمہ شدہ کئی کتابوں کو دیکھا ہے ان میں ۱۶ کتابیں جالینوس کی ہیں یہ حنین سے کم درجہ کا مترجم تھا۔

بحیثیت مترجم

صاحب عیون الانباء نے "الترجمان" کے لقب سے اس کو ملقب

---

[۶۵] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص ۲۸۱ طبع بیروت سنہ ۱۹۶۵ء

کیا ہے ۔ اس کی کتابوں کی کوئی فہرست نہیں دی ہے یہ سریانی زبان کا بڑا عالم تھا کیوں کہ اُس نے مختلف سریانی تراجم کی تعریب کی ہے ۔ ان میں سے ایک کتاب سرجیوس راسیغیتی کی ہے ۔ جو جوامع الاسکندرانیین” کے نام سے مشہور ہے ۔ اس کی ایک کتاب سریانی زبان میں تھی ۔ موسیٰ بن خالد نے اس کو عربی میں منتقل کیا ۔

وفات :۔ تذکرہ نگاروں نے اس کی تاریخ وفات کی تعیین نہیں کی ہے ۔

عیسیٰ بن یحییٰ بن ابراھیم

عیسیٰ بن یحییٰ عہد مامون کا مشہور مترجم تھا اور ترجمہ میں حنین کے اسکول کی نمائندگی کرتا تھا۔ یہ حنین کے بہترین شاگردوں میں سے تھا۔ رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی، لاطینی، اور عربی سے واقف تھا۔ علم طب میں بھی شغف رکھتا تھا اس سلسلہ میں صاحب عیون الانباء لکھتے ہیں۔

"کانَ عیسیٰ بن یحییٰ بن ابراھیم ایضًا من تلامذة حنین بن اسحاق واشتغل علیه بصناعة الطب۔[66]"

ترجمہ:۔ عیسیٰ بن یحییٰ حنین کے تلامذہ میں شمار ہوتا ہے اور علم طب کی تحصیل بھی اسی کے ساتھ رہ کر کی۔

بحیثیت مُترجم

اسلوب نگارش میں اپنے اُستاد حنین کی پوری پیروی کرتا تھا کیونکہ حنین کے سلیس ترجمہ کے اسلوب سے بہت متاثر تھا اور ترجمہ میں اُس کے طریقہ کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا اُس نے طب کی کتابوں کے تراجم میں بیش بہا خدمات انجام دیں اور اطباءِ یونان میں سے بقراط اور جالینوس کی تقریباً بیس ۲۰ کتابوں کے ترجمہ کیے۔

ابن الندیم نے اس کو بہترین مترجموں میں شمار کیا ہے۔ لیکن اس کی کتابوں کی کوئی فہرست نہیں دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

---

[66] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص ۲۷۱، طبع بیروت ۱۹۶۵ء۔

" اس کا شمار حنین کے شاگردوں اور بہترین مترجموں میں ہوتا ہے۔ ترجمہ کے علاوہ اُس کی تصنیفات بھی ہیں [٦٧]

جارج سارٹون کے مطابق اس نے جالینوس کی پچیس ٢٥ طبی کتابوں کے تراجم کیے ان میں سے ایک سریانی زبان میں اور چوبیس عربی زبان میں ترجمہ کی گئی ہیں۔ اس نے اپنے عربی تراجم کی بنیاد حنین کے سریانی تراجم پر رکھی ہے اس کی طرف کچھ طبی تصانیف بھی منسوب ہیں۔ [٦٨]

عیسیٰ بن یحییٰ جالینوس کے ممتاز مترجمین میں شمار ہوتا ہے اُس نے اہم طبی کتابوں کے تراجم عربی زبان میں پیش کیے۔

وفات :۔ عموماً تذکرہ نگاروں نے اس کی تاریخ وفات کی تعیین نہیں کی ہے۔

تصانیف وتراجم

ابن الندیم کے مطابق اس کے تراجم اور تصنیفات بھی ہیں لیکن اس کی تصنیفات کی طرف تذکرہ نگاروں نے صرف اشارہ کرکے چھوڑ دیا ہے۔ اُس نے بقراط جالینوس کی کتابوں کے تراجم کیے۔

کچھ ترجمہ شدہ کتابوں کے اسماء حسبِ ذیل ہیں۔

(١) کتاب الامراض الوافدۃ۔
(٢) کتاب الاخلاط۔
(٣) کتاب الغذاء (یہ تینوں کتابیں بقراط کی ہیں)
(٤) کتاب قوی الادویۃ المسہلۃ۔
(٥) کتاب الذبول۔

---

[٦٧] ابن الندیم، الفہرست، ص ٢٨٦، طبع لاہور ١٩٦٩ء۔

[٦٨] جارج سارٹون، مقدمہ تاریخ علوم (انگریزی) ص ٦١٣، طبع نیویارک ١٩٥٣ء

(۶) کتاب تدبیر الملطف ۔

(۷) کتاب الادویۃ المقابلۃ للادواء ۔

(۸) کتاب التریاق ۔

(۹) تفسیر کتاب الفصول البقراط ۔

(۱۰) تفسیر کتاب الامراض الحادۃ لبقراط ۔

(۱۱) تفسیر کتاب الطبیعۃ للانسان ۔

(۱۲) تفسیر کتاب الاخلاط لبقراط ۔

(۱۳) کتاب فی ان الطبیب الفاضل الفیلسوف ۔

(۱۴) تفسیر تقدمۃ المعرفۃ ۔

(۱۵) کتاب اختلاف الاعضا المتشابہ للاجزاء ۔

(مؤخر الذکر ساری کتابیں جالینوس کی ہیں)

اصطفن بن بسیل :۔

اس کا شمار نامور مترجمین میں ہوتا ہے ۔ یہ نسباً رومی الاصل تھا۔ رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی اور عربی زبان کا ماہر تھا اس کے سنہ ولادت کی تعیین نہیں کی جا سکتی ۔ ترجمہ میں اس کو اس قدر مہارت تھی کہ محققین اس کے ترجمہ کو شیخ المترجمین حنین بن اسحاق کے ترجمہ کے مانند تسلیم کرتے تھے ۔ اس سلسلہ میں مولف عیون الانباء فی طبقات الاطباء لکھتے ہیں۔

"کانَ اصطفن بن بسیل یُقَارِبُ حنین بن اسحاق فی النقل الا اُن عبارۃ حنین افصح واحلی[٦٩] "

ترجمہ :۔ اصطفن ترجمہ میں حنین کے مثل تھا لیکن حنین کی عبارت میں زیادہ فصاحت اور حلاوت ہوتی تھی"۔

اس عبارت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ترجمہ کے کام میں اصطفن کی مہارت مسلم تھی ۔ اگرچہ عبارت آرائی و ترکیب و تالیف کلمات میں اُس کا درجہ کمتر تھا ۔ اس لیے اکثر اوقات حنین اس کے ترجمہ پر نظر ثانی کرتا تھا۔

اس کی زیادہ شہرت دورِ متوکل میں ہوئی جبکہ حنین کی جماعت میں رہ کر اُس نے ترجمہ کا کام کیا۔

اس سلسلہ میں مؤلف تاریخ الحکماء لکھتے ہیں۔

"حنین جب بغداد واپس آیا تو متوکل نے اُسے کتابوں کے ترجمہ کرنے کی خدمت پر مامور کیا اور اُس کے ساتھ چند مشہور علماء اصطفن بن بسیل، موسیٰ بن خالد الترجمان اور یحییٰ بن ہارون کو ترجمہ و کتابت کے لیے لگا دیا ۔ یہ علماء

---

[٦٩] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص ٢٨١، طبع بیروت ۔ ١٩٦٥ء

جب کام کر کے لاتے تو حنین ناقدانہ نظر سے تمام تفاصیل کو دیکھتا۔ [10]

یہ حنین بن اسحاق کے ارشد تلامذہ میں سے تھا اور حنین کے کام میں اُس کی پوری مدد کرتا تھا۔ حنین نے خاص طور پر جالینوس کی طبی کتابوں پر اس کو مامور کیا تھا۔ یہ عربی زبان میں بڑی خوبی سے ان کتابوں کے ترجمہ پر قادر ہوگیا اس نے دیسقوریدس کی کتاب کا سب سے پہلے عربی ترجمہ کیا۔ جس کی اصلاح حنین نے کی تھی، پھر دوبارہ اس کی اصلاح ابن جلجل نے کی [11]۔

اس کے سنہ وفات کی تعیین نہیں کی جاسکی۔

تصانیف و تراجم

اس نے جالینوس کی متعدد کتابوں کے تراجم کیے ان میں سے ۹ کتابوں کا تذکرہ عام طور پر مورخین نے کیا ہے اس کے علاوہ اُس نے دیسقوریدس کی ایک کتاب کا ترجمہ کتاب الحشائش کے نام سے کیا ہے۔۔۔ اس کے اہم تراجم یہ ہیں۔

(۱) حرکات الصدر والرئة۔
(۲) کتاب علل التنفس۔
(۳) کتاب المرة السوداء۔
(۴) کتاب الحاجة الی التنفس۔
(۵) کتاب الادویة۔
(۶) کتاب الفصد۔
(۷) کتاب الامتلاء
(۸) کتاب عدد المقاییس۔

---

[10] القفطی، تاریخ الحکماء ص ۲۴۶، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

[11] جورج سارٹون، مقدمہ تاریخ علوم (انگریزی)، ص ۶۱۳ طبع نیویارک ۱۹۵۳ء

(۹) کتاب حرکۃ العضل۔

(۱۰) کتاب الحشائش۔

اول الذکر ۹ کتابیں جالینوس کی ہیں اور آخری دیسقوریدس کی ہے۔

سلمویہ بن نبان

یہ یعقوب کندی کے تلامذہ میں سے تھا۔ علم طب میں اس کی بڑی شہرت تھی یہ مامون اور معتصم کے دربار خلافت سے وابستہ رہا۔ معتصم کے دربار میں اس کو خاص رسوخ حاصل تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ معتصم کے . . . . جاری کردہ تمام فرامین و احکامات اسی کے ہاتھ لکھے ہوتے تھے۔ معتصم کا کہنا تھا کہ میرا طبیب سلمویہ میرے نزدیک قاضی القضاۃ سے بھی بڑھ کر ہے۔ ؎۴۲

یہ نصرانی المذاہب تھا۔ اس کے سنہ ولادت کی تعیین نہیں ہو سکی معتصم نے اس کو بڑی عزت کے ساتھ اپنے دربار خلافت سے منسلک کیا اور بے انتہا احترام کے ساتھ اس کو طبیب خاص مقرر کیا اور خط و کتابت کے معاملات میں اس کو اپنا رازداں بنایا۔

اس سلسلہ میں مولف عیون الانباء لکھتے ہیں۔

"لما استُخلِفَ ابو اسحٰق محمد المعتصم باللّٰہ وذالک فی سنۃ ثمانٍ وعشرۃ ومأتین اختار لنفسہ سلمویہ الطبیب واکرمہ اکراماً کثیراً یفوق الوصف وکان یردُ الی الدواوین توقیعات المعتصم فی السجلّات وغیرھا بخط سلمویۃ" ؎۴۳

ترجمہ:- جب معتصم باللہ ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۲ء میں سریر خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے سلمویہ کو بڑی عزت کے ساتھ اپنا

؎۴۲ مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام حصہ اول، صفحہ ۸۹ طبع اول اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

؎۴۳ ابن ابی اصیبعہ عیون الانباء ص ۲۳۴، طبع بیروت ۱۹۶۴ء

طبیب مقرر کیا۔ اور جس قدر فرامین و احکامات جاری کرتا تھا وہ سب سلمویہ کے ہاتھ کے لکھے ہوتے تھے۔

بیت الحکمت سے وابستگی!

یہ بیت الحکمت سے بھی وابستہ تھا اور طبی کتابوں کے تراجم میں حنین کی مدد کرتا تھا، سلمویہ اور یوحنا بن ماسویہ میں علمی چشمک تھی، کیوں کہ یوحنا تصنیف و تالیف اور درس و تدریس سے زیادہ تعلق رکھتا تھا، لیکن سلمویہ کا زیادہ تر تعلق عملی طب سے تھا۔

ابن الندیم اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

"یہ ایک فاضل اور فائق تر شخص تھا۔ معتصم کی خدمت میں رہا اور اس سے اس درجہ وابستگی اختیار کر لی کہ اس کی وفات پر معتصم نے کہا میں جلد ہی اس سے جا ملوں گا۔ اس لیے کہ یہی میری زندگی کو قائم رکھے ہوئے تھا اور یہی میرے جسم و جان کی اصلاح کرتا تھا"[۴۴]

حنین سلمویہ کے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتا تھا۔ خاص طور پر اس کی طبی مہارت کو تسلیم کرتا تھا۔ مؤلف عیون الانباء نے حنین کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"ان سلمویہ کان اعلم اھل زمانہ بصناعۃ الطب وکان المعتصم یسمیہ ابی"[۴۵]

ترجمہ:۔ "سلمویہ اپنے زمانے کا ماہر فن طبیب تھا معتصم بطور احترام اس کو میرے باپ، کہہ کر پکارتا تھا۔

اس کی شہرت بحیثیت طبیب زیادہ تھی اور مترجم کی حیثیت سے اس کے

---

[۴۴] ابن الندیم، الفہرست، ص ۶۸۴ طبع لاہور سنہ ۱۹۶۹ء

[۴۵] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص ۴۳۴ طبع بیروت سنہ ۱۹۶۵ء

شہرت کم تھی لیکن یہ مسلّم ہے کہ طبی کتابوں کے تراجم میں یہ حنین کا ... دست راست تھا۔[۷۶]

وفات:۔ اس کی وفات ۲۲۹ھ مطابق ۹۴۰ء میں ہوئی چونکہ یہ معتصم کا بہت زیادہ مقرب تھا اس لیے جب یہ بیمار پڑا تو معتصم بہت زیادہ غمزدہ ہوا اور اس نے کہا۔

"انا اعلمُ وا تیقنُ أنی لا أعیشُ بعدہ لانہٗ کانَ یُراعی حیاتی و یدبّر جسمی ... . فلمّا ماتَ سلمویۃ امتنع المعتصم من اکل الطعام یوم موتہ، وأمر بان تُحضَرُ جنازتہ الدار ویصلی علیہ بالشمع والبخور علی زی النصاری الکامل. ففعل وھو بحیث یُبصِرھم ویُباھی فی کرامتہ و حزنَ علیہ حُزناً شدیداً۔[۷۷]

ترجمہ:۔ معتصم نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ میں اس کے بعد زندہ نہیں رہوں گا کیوں کہ وہ میری زندگی کا نگراں ہے اور میرے جسم کی اصلاح کرتا ہے جب سلمویہ مر گیا تو معتصم نے اس دن کھانا پینا بند کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اس کے جنازہ کو محل میں حاضر کیا جائے اور نصاریٰ کے طریقہ پر شمع اور بخور کے ساتھ جنازہ کی نماز پڑھی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور خلیفہ ان کو دیکھتا رہا اور اس کی عزت پر فخر کرتا رہا۔ اور وہ بہت ہی غمزدہ تھا۔

تصانیف وتراجم

اس کے تراجم اور تصانیف کے نام تذکرہ نگاروں نے متعین نہیں کیے ہیں ابن الندیم نے اس کی تصنیفات کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن ان کے نام کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اس کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے تصنیفات کا تذکرہ

---

[۷۶] جورج سارٹون، مقدمہ تاریخ علوم، ص ۵۷۳ طبع نیویارک ۱۹۵۳ء

[۷۷] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص ۲۳۴ طبع بیروت ۱۹۶۵ء

تو کیا لیکن وراقین نے ان کو یا تو لکھا نہیں یا لکھا مگر زمانہ کی دست و برد سے وہ ضائع ہو گئے۔

اُیوب الرھاوی ؛

عراق کے شہر الرھا کا باشندہ تھا یہ کئی زبانوں کا جید عالم تھا، علامہ شبلیؒ کے مطابق یہ بہترین مترجم تھا اور سُریانی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا[78] اور اسی میں اس کی شہرت تھی، اس کے علاوہ وہ یونانی اور لاطینی کا بھی عالم تھا۔ یہ ایوب ابرش کے علاوہ ایک دوسرا مترجم ہے۔ اس سلسلہ میں مؤلف عیون الانبأ لکھتے ہیں۔

”لیس ھو ایوب الابرش المذکور اولاً، ناقلٌ جیدٌ عالمٌ باللغات الا انہ بالسریانیۃ خیر منہ بالعربیۃ۔[79]“

ترجمہ :۔ یہ ایوب ابرش نہیں ہے۔ جس کا تذکرہ گذر چکا۔ یہ اچھا مترجم تھا۔ کئی زبانوں کا عالم تھا۔ مگر عربی سے اچھا سریانی میں ترجمہ کرتا تھا۔

بحیثیت مُترجم

اس نے بے شمار کتابوں کے تراجم کیے۔ ترجمہ کا معیار بھی بلند ہوتا تھا اسی وجہ سے لوگ اس کو حنین بن اسحاق کا ہم پلہ تصور کرتے تھے یہ حنین کے معاصرین میں

---

[78] علامہ شبلی، رسائل شبلی، ص ۱۸۸، طبع علی گڑھ ۱۹۹۸ء

[79] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص ۲۸۱ طبع بیروت ۱۹۶۵ء

سے تھا۔ اس کے سنہ ولادت کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ حنین بن اسحاق اس کے ترجمہ سے خوش نہیں تھا اسی لیے اس کے تراجم پر دوسرے مترجمین سے نظر ثانی کراتا تھا۔ اس سے معاصرانہ اور حریفانہ کشمکش کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ایوب الرہاوی جالینوس کی کتابوں کا بہت عمدہ مترجم تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی سنہ وفات کی بھی تعیین نہیں ہو سکی۔

تصانیف وتراجم

اس نے جالینوس کی تقریباً ۳۵ کتابوں کا ترجمہ کیا۔ یہ یونانی سے سریانی میں تراجم کیا کرتا تھا۔ حنین بن اسحاق نے اُسے طبی کتابوں کے تراجم پر مقرر کیا تھا لیکن جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حنین اس کے تراجم سے پورے طور پر مطمئن نہیں تھا۔ اسی لیے وہ اُن پر نظر ثانی کرتا تھا۔ بہرحال حنین اور سرجیس کے بعد جالینوس کی کتابوں کا یہ تیسرا معتبر سریانی مترجم ہے۔

اہم تصانیف وتراجم

(۱) کتاب الحیلۃ لحفظ الصحۃ۔
(۲) تفسیر کتاب جراحۃ الرأس لابقراط۔
(۳) کتاب اوقات المرض۔
(۴) کتاب الاورام۔
(۵) کتاب فی تشریح الرحم۔
(۶) کتاب الحیوان۔
(۷) کتاب الصناعۃ الطبیۃ
(۸) کتاب النبض
(۹) کتاب تشریح الحیوان المیت۔

(۱۰) کتاب تشریح العین ۔
(۱۱) کتاب علل النفس ۔
(۱۲) کتاب الادویۃ المفردۃ ۔
(۱۳) تفسیر کتاب الامراض الحادۃ لابقراط ۔
(۱۴) کتاب الاسباب المتصلہ بالمرض ۔
(۱۵) کتاب التریاق (یہ ساری کتابیں جالینوس کی ہیں)

ابراھیم بن الصلت

یہ حنین کے معاصرین میں سے تھا اور بیت الحکمت میں حنین کے ساتھ ترجمہ کے کام سے وابستہ تھا۔ رائج الوقت زبانوں میں سے، یونانی، سریانی، عربی اور لاطینی سے واقف تھا۔ عموماً یہ یونانی سے سریانی عربی اور لاطینی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں مؤلف عیون الانباء لکھتے ہیں۔

"کان متوسطاً فی النقل یلحق بسرجیس الرأسی" [80]

ترجمہ :- یہ اوسط درجہ کا مترجم تھا اور سرجس سے وابستہ تھا۔

علامہ شبلی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے ۔

"یہ متوسط درجہ کا ترجمہ کرتا تھا" [81]

اس نے جالینوس کی متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا اس کے سنہ وفات کی تعیین نہیں کی جا سکی۔

---

[80] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص ۲۸۲، طبع بیروت سنہ ۱۹۶۵ء

[81] علامہ شبلیؒ، رسائل شبلیؒ ص ۱۹۵، طبع علی گڈھ۔ سنہ ۱۹۵۸ء

تصانیف و تراجم

اس کے تراجم میں عموماً تین کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ یہ تینوں کتابیں جالینوس کی طرف منسوب ہیں۔

(۱) کتاب الاورام

(۲) صفات صبی یصرع

(۳) اختصار کتاب جالینوس فی حیلۃ البرء۔

عباس بن سعید جوھری

یہ عہد مامون کا مشہور ریاضی داں اور مترجم بھی تھا۔ یہ رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی، فارسی اور عربی زبانوں سے واقف تھا۔ یہ بیت الحکمت کے شعبۂ ترجمہ سے بھی وابستہ تھا۔ جن ریاضی دانوں نے مامون کی رصدگاہ کو قائم کیا تھا ان میں عباس بن سعید جوھری بھی تھا۔ یہ علم ہندسہ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اس نے مامون کی صحبت اختیار کی اور شماسیۂ بغداد میں جو لوگ رصدگاہ قائم کرنے کے لیے مقرر ہوئے ان میں مامون نے اس کو بھی مقرر کیا۔ [۸۲]

اس نے خالد بن عبدالملک، سند بن علی اور یحییٰ بن ابی منصور کے ہمراہ کچھ فلکی مشاہدات قلمبند کیے۔ [۸۳]

عباس بن سعید جوہری مامون کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا، لہٰذا اس زمانہ کی اصطلاح کے مطابق یہ مامون کا مولیٰ تھا۔ مؤلف طبقات الاطباء نے بھی یہی بات

---

[۸۲] عبد السلام ندوی، حکمائے اسلام، حصہ اول، ص ۹۸، طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

[۸۳] القفطی، تاریخ الحکماء، ص ۳۰۳، طبع دہلی، ۱۹۴۵ء

لکھی ہے۔ اسی نے کتاب السموم کا ترجمہ نظر ثانی کے بعد مامون کے لیے کیا تھا اس کی تصنیفات میں تین کتابیں بہت مشہور رہیں۔ اس کے سارے تراجم کی نشاندہی نہیں کی جاسکی۔ تصنیفات یہ ہیں۔

(۱) کتاب الزیج۔
(۲) کتاب تفسیر اقلیدس۔
(۳) کتاب الاشکال۔

اس کے تراجم میں سے ایک کتاب کتاب السموم کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ شاناق الہندی کی ہے۔

دیگر مترجمین

علمی دنیا میں ترجمہ کی بہت بڑی اہمیت ثابت ہو چکی ہے۔ خاص کر بیت الحکمت کا اہم کردار محققین علماء نے مختلف طریقوں سے ثابت کر دیا ہے، پچھلے اوراق میں ہم نے عہد مامون کے اہم مترجمین کا تذکرہ تفصیلی طور پر کیا ہے اس کے علاوہ ایسے بہت سے اوسط درجہ کے مترجمین تھے جنہوں نے ترجمہ کے میدان میں اہم کردار ادا کیا اور بیت الحکمت سے وابستہ رہ کر علمی ترقی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

ان سب کا مختصراً تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے اس فہرست میں ان مترجمین کے اسماء شامل ہیں جو نے بیت الحکمت میں رہ کر مختلف خلفاء کے دربار سے منسلک رہے ہیں ایک اہم مترجم ثابت بن قرۃ الحرانی (متوفی ۲۸۸ھ مطابق ۹۰۰ء ہے جو ترجمہ کے دور ثانی میں بقید حیات تھا لیکن اس کی پیدائش عہد مامون میں نہیں ہوئی تھی اس کا سنہ ولادت ۲۲۱ھ مطابق ۸۳۵ء ہے اسی لیے تفصیلی تذکرہ میں اس کا تذکرہ نہیں کیا جاسکا۔

(۱) سرجیوس بن الیاس الرومی

یہ عہد عباسی کا مترجم تھا اور ابتدائی مترجمین میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ یہ بیت الحکمت کے شعبہ ترجمہ سے وابستہ تھا۔ رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی اور عربی سے واقف تھا۔ اس کی چار کتابیں مشہور ہیں۔

(۱) رسالۃ فی الادویہ۔
(۲) کتاب الاسابیع۔
(۳) کتاب الغذاء۔
(۴) کتاب فی التریاق۔

(۲) ابو ابراھیم ایوب الابرش

یہ عہد متوکل تک بقید حیات تھا یہ ایوب الرھاوی کے علاوہ ایک دوسرا مترجم ہے۔ رائج الوقت زبانوں میں سے سریانی، یونانی، اور عربی سے واقف تھا عموماً یہ یونانی سے سریانی میں ترجمہ کرتا تھا اور پھر سریانی سے عربی میں حسن عبارت میں اس کا ترجمہ حنین کے ترجمہ کے ہم پلہ تصور کیا جاتا تھا۔

(۳) شهید الکرخی!

یہ آل کرخ کا پہلا مترجم تھا۔ جنہوں نے بیت الحکمت میں ترجمہ کا کام سرانجام دیا اور رائج الوقت زبانوں میں سے عربی یونانی، اور سریانی کا عالم تھا

عموماً یہ سریانی سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔ اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

(۴) ابن شہید الکرخی

یہ اول الذکر شہدی الکرخی کا بیٹا تھا یہ رائج الوقت زبانوں میں سے سریانی اور عربی میں مہارت رکھتا تھا یہ عموماً سریانی سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔

جیسا کہ مؤلف عیون الانباء نے اور بعض محققین نے لکھا ہے۔ یہ یونانی سے سریانی میں بھی ترجمہ کرتا تھا۔

اس کے تراجم میں اس کے باپ کے تراجم کی چھاپ ملتی ہے یہ اوسط درجہ کا مترجم تھا اس کی چار طبی کتابوں کی نشاندہی کی جاتی ہے جو بقراط اور جالینوس کی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کتاب الاجنۃ۔
(۲) کتاب الفرق۔
(۳) کتاب الصناعۃ۔
(۴) کتاب النبض۔

ان میں سے پہلی کتاب بقراط کی ہے اور مؤخر الذکر تینوں کتابیں جالینوس کی ہیں۔

(۵) عبد المسیح بن عبد اللہ بن ناعمۃ الحمصی:

یہ شہر حمص کے نسطوری نصاریٰ میں سے تھا، اس کی شہرت بحیثیت مترجم معتصم باللہ کے عہد میں ہوئی۔ اور یہ بیت الحکمت سے وابستہ ہو گیا۔ اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

(۶) تارویابن صاثوہ الناعمی الحمصی

یہ بھی حمص کا باشندہ تھا۔ قبیلہ کا نام بنو ناعم تھا۔ اس لیے ناعمی کہلایا۔ یہ یونانی، سریانی، عربی اور لاطینی سے واقف تھا۔ ترجمہ لفظی کرتا تھا، یہ معمولی درجہ کا مترجم تسلیم کیا جاتا ہے۔ بعض محققین نے اس کے ترجمہ کو جیّد بتلایا ہے۔ اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

(۷) ھلال بن ابی ھلال الحمصی

اس کا تعلق بھی شہر حمص کے نسطوریوں سے تھا۔ یہ عربی، سریانی، یونانی اور لاطینی سے واقف تھا۔ ترجمہ صحت کے ساتھ کرتا تھا، لیکن زیادہ فصیح عبارت نہیں ہوتی تھی، اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی۔

(۸) فیشون الترجمان

یہ معمولی درجہ کا مترجم تھا مؤلف عیون الانباء نے لکھا ہے کہ یہ عربی سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتا تھا۔ اور اس کے ترجمے اغلاط سے پُر ہوتے تھے یہ یونانی اور سریانی سے واقف تھا۔ عموماً یونانی سے سریانی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ لیکن اس کے ترجمہ میں صحت کا زیادہ خیال نہیں کیا جاتا تھا، اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی۔

(۹) بسیل المطران

یہ بہت اچھا مترجم تھا، اس نے متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا۔ یہ عربی

یونانی، سریانی اور لاطینی سے واقف تھا۔ یہ بیت الحکمت میں مامور تھا۔ ترجمہ عمدہ کرتا تھا اور لوگ اس کے ترجمہ پر اعتماد کرتے تھے۔ اس کی بھی کوئی کتاب مذکور شدہ نہیں ہے۔

(۱۰) اسطاث

یہ بھی بیت الحکمت میں مترجم تھا۔ ابتداء میں یہ اسکندریہ کا بطریق تھا یحیٰی برمکی نے اس کو دورِ رشید میں بغداد طلب کیا، یہ یونانی، سریانی اور لاطینی سے واقف تھا یہ اوسط درجہ مترجم تھا۔ اس کی بھی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

(۱۱) ابوعثمان سعید بن یعقوب الدمشقی

یہ مشہور طبیب تھا اور بحیثیت مترجم بھی اس کی شہرت تھی یہ بیت الحکمت سے وابستہ تھا۔ یونانی، سریانی، عربی اور لاطینی سے واقف تھا۔ اس نے مختلف علوم حکمیہ کی کتابوں کا ترجمہ کیا اس کی سات کتابوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۱) مقالہ فی النبض مشجرۃ۔
(۲) کتاب مسائل جالینوس فی الاخلاق۔
(۳) طوبیقا۔
(۴) کتاب الکون والفساد۔
(۵) کتاب السماع الطبیعی۔
(۶) کتاب المدخل الی القیاسات
(۷) کتاب الاصول۔

(۱۲) قیصا الرھاوی

یہ شہر الرھا کا باشندہ تھا۔ یہ یونانی، سریانی، لاطینی اور عربی سے واقف تھا یہ عموماً یونانی اور سریانی سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا اور کبھی کبھی لاطینی میں بھی ترجمہ کرتا تھا۔ یہ حنین بن اسحاق کا دست راست تھا اور ترجمہ کے کام میں اس کی مدد کیا کرتا تھا۔ جب ترجمہ کا کام بہت زیادہ ہوتا تھا تو حنین اس سے مدد لیتا تھا۔ لیکن وہ قیصا کے ترجمہ پر پورا اعتماد نہیں کرتا تھا بلکہ بعد میں اس پر نظر ثانی کیا کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں مؤلف عیون الانباء کا بیان ہے۔

> ”کانَ اذا کثُرتْ علی حنین الکتب وضاق علیہ الوقت استعانَ بہ فی نقلہا ثمَّ یصلحُہَا بعد ذالک[۸۲]۔“

ترجمہ:۔ جب حنین کے پاس ترجمہ کے لیے کتابیں بہت زیادہ ہوتی تھیں اور اس کے پاس وقت کی کمی ہوتی تھی تو ترجمہ کے کام میں حنین قیصا سے مدد لیتا تھا اور پھر بعد میں اس پر نظر ثانی کرتا تھا۔

اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ حنین چونکہ اعلیٰ درجہ کا مترجم تھا اس لیے قیصا سے مدد لینے کا مطلب یہ ہے کہ حنین اس کی قابلیت کو تسلیم کرتا تھا۔ اس لیے اس کو بہترین مترجمین میں شمار کرنا قرین قیاس ہے۔

(۱۳) عبد یشوع بن بہریز

یہ موصل کا باشندہ تھا اور وہاں کا پادری تھا۔ اور جبرئیل بن بختیشوع کے دوستوں میں سے تھا، رائج الوقت زبانوں میں سے یونانی، سریانی، لاطینی اور عربی سے واقف تھا۔ ابتداء میں ترجمہ کا کام اپنے دوست جبرئیل کے لیے کیا کرتا تھا لیکن بعد میں یہ بیت الحکمت سے منسلک ہو گیا۔ مؤلف

عیون الانباء لکھتے ہیں۔

”مطران الموصل۔ کان صدیقاً لجبرائیل بن بختیشوع وناقلاً لہ[۸۵]“

ترجمہ:۔ یہ موصل کا پادری تھا اور جبرئیل کا دوست تھا اور اُس کے لیے وہ ترجمہ کا کام کرتا تھا۔“

اس کی کسی کتاب کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

(۱۴) ابواسحاق ابراھیم بن بکس

یہ بغداد کا مشہور طبیب تھا، رائج الوقت زبانوں میں سے عربی، سریانی اور یونانی میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کا ترجمہ بہت دلکش ہوتا تھا، یہ بیت الحکمت کے شعبۂ ترجمہ سے وابستہ تھا، اس کے علاوہ بغداد کے بیمارستان میں مصروف عمل رہتا تھا۔

مؤلف عیون الانباء لکھتے ہیں۔

”کان من الاطباء المشہورین وترجم کتباً کثیرۃً الی لغۃ العرب ونقلہ ایضاً مرغوب فیہ[۸۶]

ترجمہ:۔ یہ مشہور اطباء میں سے تھا۔ اُس نے بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں اور اُس کا ترجمہ بہت دل نشیں ہوتا تھا۔

لیکن اس کی کتاب کسی کی بھی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

بقیہ حاشیہ ۲۴۶ [۸۴] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص ۲۸۶ طبع بیروت، سنہ ۱۹۶۵ء

[۸۵] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء ص ۲۸۲ طبع بیروت سنہ ۱۹۶۵ء

[۸۶] ” ” ص ۲۸۳ ” ”

(۱۵) عیسیٰ بن علی

یہ اوسط درجہ کا مترجم تھا۔ حنین کے ارشد تلامذہ میں سے تھا اس نے جالینوس کی متعدد کتابوں کے تراجم کیے۔ ان میں سے تین کی نشاندہی کی گئی ہے۔

(۱) کتاب السموم۔
(۲) کتاب منافع الحیوان۔
(۳) کتاب اوقات الامراض۔

(۱۶) صالح بن بھلۃ الھندی

یہ ایک مشہور ہندوستانی مترجم اور مؤلف تھا۔ اس کا اصل نام سالی تھا جو معرب ہو کر صالح ہو گیا۔ یہ ہندوستانی طریقۂ علاج میں ماہر تھا۔ ہارون رشید کے دور میں بغداد آیا۔ ہندوستانی اطباء کی کتابوں کے ساتھ صالح بن بھلۃ کی کتابوں کا بھی عربی میں ترجمہ ہوا۔ [۵۹]

مؤلف البرامکہ کا خیال ہے کہ منکہ ہندی کے ساتھ صالح بن بھلۃ بھی ترجمہ کے کام پر مامور تھا۔ لیکن اس کی تصانیف یا تراجم کے بارے میں تفصیلی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

(۱۷) ابن دھن الھندی !

ہندوستان کے مشہور دانشوروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ یحییٰ بن خالد برمکی کے دور میں بغداد آیا اور بیمارستان میں طبی کاموں پر مامور ہوا یہ عربی سے بھی واقف تھا۔ اس نے کئی کتابوں کے تراجم کیے اور بحیثیت مترجم اس کا مقام بلند ہے۔ اس کی دو ترجمہ شدہ کتابوں کی نشاندہی

کی گئی ہے۔

(۱) استانکر الجامع۔

(۲) کتاب سندستاق (سندھستان)

ان کتابوں کے تراجم کے علاوہ مانک نام کے ایک ہندوستانی ماہر ریاضیات کے ساتھ مل کر المجسطی کے ترجمہ میں معاونت بھی کی تھی۔

منکۃ الھندی

اس کا شمار بھی نامور ہندوستانی اطباء میں ہوتا ہے یہ فارسی اور عربی سے واقف تھا یہ دور رشید میں بغداد آیا تھا۔ پہلے ایک عرب رئیس اسحاق بن سلیمان سے وابستہ تھا۔ بعد میں عباسی خلیفہ سے اُس کے تعلقات قائم ہوئے یہ اسحاق کے لیے فارسی اور عربی زبانوں میں کتابوں کا ترجمہ کیا کرتا تھا۔ اس نے رشید کا علاج بھی کیا تھا اور انعام و اکرام سے نوازا گیا تھا۔ اُس نے متعدد کتابوں کے تراجم کیے ان میں چند کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب السموم۔

(۲) کتاب عقاقیر الہند۔

(۳) کتاب شرک الہندی۔

منکہ نے اس کتاب کو فارسی زبان میں منتقل کیا تھا اور عبداللہ بن علی نے اس کی تعریب کی تھی۔ اس کتاب کو عربوں میں "کناش" کا درجہ حاصل تھا۔

(۴) کتاب سسرت:۔ مؤلف عیون الانباء نے اس کا نام "سوشرود" لکھا ہے۔ منکہ نے یحییٰ بن خالد کی ایماء پر اس کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔

ان مترجمین کے علاوہ بہت سے ایسے مترجمین دور عباسی میں گذرے جنہوں نے فارسی زبان کو ترجمہ کا وسیلہ بنایا اور اسی زبان کے وسیلے سے علوم کو عربی میں

بقیہ صفحہ ۱۴۳ ۸۷؎ نیر واسطی، طب عرب، صفحہ ۱۶۸، بار دوم طبع لاہور۔ ۱۹۶۹ء

منتقل کیا ان میں سے چند کے اسماء درج کیے جاتے ہیں تا کہ قاری کو فارسی مترجمین کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہو جائے۔

(۱) فضل بن نوبخت (۲) حسن بن سہل (۳) علی بن زیاد (۴) جبلہ بن سالم (۵) محمد بن جہم البرمکی (۶) سہل بن سابور (۷) سہل بن ہارون (۸) عبداللہ بن سہل بن نوبخت (۹) محمد بن بہرام اصفہانی (۱۰) موسیٰ بن عیسیٰ کرد (۱۱) ھشام بن القاسم (۱۲) بہرام بن مردان شاہ (۱۳) سعید بن ہارون (۱۴) زازویہ بن ہاشویہ (۱۵) احمد بن یحییٰ البلاذری (۱۶) اسحاق بن یزید (۱۷) علی بن زیاد التمیمی۔

ملحوظہ

دیگر مترجمین کے عنوان سے بالاختصار جن مترجمین کے بارے میں اقوال قلمبند کیے گئے ہیں اُن کے مراجع و مصادر حسب ذیل ہیں۔

ضحی الاسلام (احمد امین) رسائل (علامہ شبلی) المامون (علامہ شبلی) عیون الانباء (ابن ابی اصیبعہ) مختصر تاریخ الطب العربی (ڈاکٹر کمال سامرائی) الفہرست (ابن الندیم) مقالات شبلی، عصر المامون (احمد فرید رفاعی) تاریخ الحکماء (القفطی) طبقات الامم (ابن صاعد الاندلسی) تاریخ التمدن الاسلامی (جرجی زیدان) البرامکہ (مولانا عبدالرزاق کانپوری) طب العرب: (اثیر واسطی)

نواں باب

عہدِ مامون کے طبی و فلسفیانہ تراجم کا تحقیقی مطالعہ

عہدِ مامون میں متعدد موضوعات پر تراجم کے کام ہوئے جن کی تفصیل گذشتہ اوراق میں آچکی ہے۔ ان مختلف موضوعات پر جو تراجم کے کام ہوئے .... ان کا تفصیلی و تنقیدی مطالعہ اس باب میں کیا جائے گا۔ چونکہ کام بہت پھیلا ہوا ہے اور تراجم کا مطالعہ کامل احاطے کے ساتھ بہت ہی دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ اس لیے اس باب میں بہت اہم تراجم کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے گا۔ اور خاص کر ان تراجم کا جن کا تعلق فلسفہ اور طب سے ہے۔ یہ تحقیقات اگرچہ بہت ہی باوثوق ذرائع اور وسائل پر اعتماد کر کے بروئے کار لائی گئی ہیں۔ لیکن بالکل آخری اور مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم پوری کوشش اور جدوجہد کے ساتھ ایسے گوشے اجاگر کیے گئے ہیں جو تحقیق کے میدان میں اپنی اہمیت کے حامل ہیں اور استفادہ کے قابل ہیں۔ اس مطالعہ میں ان تراجم کو پیش نظر رکھا

جائے گا جن کی اہمیت مسلّم ہے۔ دیگر تراجم جو موضوع سے متعلق ہیں ان کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ پہلے ہم طبی کارناموں کا جائزہ لیں گے اس کے بعد سلسلہ وار فلسفیانہ تراجم کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا۔

طبی تراجم کا مطالعہ :۔ طبی تراجم جس کی ابتداء بنی امیہ ... کے عہد حکومت میں ہو چکی تھی۔ آہستہ آہستہ اس میں ترقی ہوتی گئی۔ خلفاء بنی عباس کے دور میں ترجمہ کا کام انتہائی وسعت اور تکمیل تک جا پہونچا منصور نے طبی تراجم کے علاوہ دیگر علوم و معارف کو بھی عربی زبان میں منتقل کرانے کی طرف توجہ دی تھی کیوں کہ وہ علوم و فنون کا دلدادہ تھا۔ اس پر خالد برمکی کی مصاحبت اور بھی نتیجہ خیز ... ثابت ہوئی۔

کہتے ہیں کہ دورِ منصور کے بہترین انشاء پرداز عبداللہ بن المقفع نے فلسفیانہ تراجم کے علاوہ بعض طبی رسائل کو بھی عربی میں منتقل کیا تھا۔ جورج بن جبرئیل جندیسا پور کے مدرسہ طبیہ کا مہتمم تھا منصور نے اُسے بغرض علاج اپنے پاس بُلوایا۔ اس طرح نسطوری عیسائی اطباء کا یہ خاندان دولتِ عباسیہ کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ جورج یا جورجیس خود بھی صاحب ذوق طبیب تھا۔ اُس نے سریانی زبان میں بہترین کناش لکھی تھی جس کا ترجمہ حنین بن اسحاق نے کیا۔ جورجیس نے طبی تراجم کا بیش بہا ذخیرہ اپنے متعلقین و احباب سے فراہم کرایا۔ اسی طرح ابو یحییٰ البطریق نے منصور کے حکم سے بقراط اور جالینوس کے رسائل عربی میں منتقل کیے۔ اس عہد کے دوسرے مترجمین میں عیسیٰ بن ماسر جویہ بھی ہے جس کی کتاب ”الالوان“ اور کتاب الروائح والطعوم' کا تذکرہ ابن ابی اصیبعہ نے کیا ہے۔ علاوہ ازیں ابن ناعمہ الحمصی، سلام الابرش اس دور کے مترجمین ہیں۔

منصور کے علمی ذوق اور قدر دانی، علم کی شہرت سن کر بہت سے ہندوستانی علماء بغداد آئے اور طب کے موضوع پر مختلف تصنیفات کو پیش کیا، جن کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا۔ عہدِ نوشیرواں میں جندیساپور کے مدرسہ طبیہ میں جہاں

یونانی طب کی تعلیم کا معقول انتظام تھا وہیں ہندی طب بھی پڑھائی جاتی تھی اور اس خدمت کو بعض ہندو اطباء انجام دیتے تھے خلفاء بنو عباس ہندوستانی طبیبوں کی بڑی قدر کرتے تھے ۔ اور جب یونانی طبیبوں سے مایوس ہو جاتے تھے ۔ تو ہندوستانی طبیبوں کو بغرض علاج بلاتے تھے[1]

عہدِ اموی کے آغاز سے ہی عرب ہند کے درمیان تعلقات علمی انداز میں قائم ہونے لگے تھے ۔ لیکن منصور کے زمانے میں ہندوستانی دانشوروں اور طبیبوں کی آمد کا سلسلہ تیزی سے شروع ہوا اور اور دورِ رشیدی میں جب برامکہ کو رسوخ حاصل ہوا تو یحییٰ بن خالد برمکی نے ایک شخص کو ہندوستانی ادویہ کو در آمد کرنے کے لیے ہندوستان بھیجا[2]

اس طرح رفتہ رفتہ مامون رشید کے عہد میں بیشتر ہندوستانی علوم حکمیہ وطب کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا گیا ۔ قدیم ویدک کتابوں کے ترجمے کا اثر یہ ہوا کہ بغداد بصرہ اور دوسرے شہروں میں ہندوستانی دواؤں اور جڑی بوٹیوں کی دوکانیں کھل گئیں ۔ جن میں عام طور سے سندھی لوگ ملازم ہوتے تھے ان سے ویدک علماء میں شاناق ہندی کا نام سرِفہرست ہے یہ ویدک طریقۂ علاج کا ماہر تھا لیکن مترجم نہیں تھا ۔ اس کی ایک کتاب کا ترجمہ دورِ عباسی میں کیا گیا جس کا نام 'کتاب السموم ہے ۔

(۱) **کتاب السموم** :- یہ کتاب شاناق کی تصنیف ہے اصل میں یہ سنسکرت زبان میں تھی ۔ سنسکرت میں اس کا نام سامکا ہے ۔ یہ پانچ مقالوں پر مشتمل ہے ۔ یحییٰ بن خالد برمکی کی فرمائش پر منکہ ہندی نے پہلے اس کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا ۔ اور اس کی شرح بھی لکھی ۔ پھر ابو حاتم بلخی نے فارسی سے عربی زبان میں ترجمہ کیا ۔ پھر عہد مامون میں دوبارہ اس کا ترجمہ عباس بن سعید الجوہری نے کیا ۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں ۔

”کتاب السموم شاناق کی تصنیف ہے ۔ اس میں زہروں کا بیان ہے ۔ اس کتاب کا ترجمہ اوّل فارسی میں ابو حاتم نے منکہ کی مدد سے کیا ۔ پھر مامون کے حکم سے عباس بن سعید الجوہری نے کیا ۔“[3]

مؤلف عربی ادبیات میں ہند و پاک کا حصہ (ڈاکٹر زبیر احمد) لکھتے ہیں۔ کہ سمیات پر شاناق کا ایک مختصر رسالہ مخطوطہ کی شکل میں کتب خانہ برلن میں موجود ہے۔ اُس کے دیباچہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اصل کتاب کا ترجمہ فارسی زبان میں ابو حاتم بلخی نے خالد برمکی کے لیے ۲۰۰ھ مطابق ۸۱۵ء میں کیا تھا۔ اس کے بعد عباس بن سعید جوہری نے ۲۱۰ھ مطابق ۸۲۵ء میں اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔ حاجی خلیفہ نے بھی کتاب السموم کے نام سے اُس کا ذکر کیا ہے۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اُس کو چار مقالات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا مقالہ تعارفی ہے جس میں مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ بادشاہوں کی مقدس جان بچانے کے لیے طبیبوں نے مہلک زہروں کے مرکبات کس طرح ایجاد کیے۔ دوسرا مقالہ زہروں کے اثرات و علامات سے متعلق ہے۔ تیسرے مقالے میں زہر تیار کرنے کے مختلف طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ آخری مقالہ علاج اور تریاق کے بارے میں ہے۔ مصنف نے تریاق کا ایک نسخہ بھی درج کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ جو شخص یہ تریاق استعمال کرے اُس پر کسی زہر کا اثر نہ ہوگا۔[۴]

اس کتاب کو عربی میں منتقل کرنے کے اسباب دورِ رشیدی میں پیدا ہوئے ان اسباب کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شبلی رقمطراز ہیں۔

”ہارون رشید ایک دفعہ سخت بیمار ہوا۔ اور بغداد طبیبوں سے معمور تھا۔ تاہم اس کو کسی کے علاج سے شفا نہیں ہوئی۔ اس وقت ہندوستان کا ایک طبیب جو فلسفی بھی تھا شہرت عام رکھتا تھا۔ ... اور بغداد میں برامکہ کا جو اسپتال تھا اس کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ سنسکرت کی علمی کتابیں اکثر اُس نے ترجمہ کرائیں۔ چنانچہ ششرت کی کتاب جو دس بابوں میں ہے اور رسائیکا

بقیہ صفحہ ۲۴۸

[۱] جرجی زیدان: تاریخ التمدن الاسلامی، ج ۳، ص ۱۶۹ طبع مصر ۱۹۰۲ء

بقیہ ص ۲۴۸

[۲] ابن الندیم، الفہرست، ص ۲۸۹ طبع لاہور ۱۹۶۹ء

بقیہ

[۳] علامہ شبلی، رسائل، ص ۲۶۲ طبع علی گڑھ ۱۸۹۸ء

[۴] ڈاکٹر زبیر احمد، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۳۰، (مترجم شاہد حسین رزاقی) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۳ء

جس میں زہروں کا بیان ہے اُس نے ترجمہ کرائیں"۔[۵]

یہ ہندوستانی طبیب جس کو رشید نے طلب کیا تھا۔ منکہ ہندی تھا جس کو دربار میں بلانے کا مشورہ ابو عمر عجمی نے دیا تھا۔

منکہ طبیب بہت دیانت دار اور مخلص ویدک علماء میں سے تھا اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس سے اس کی دیانت داری اور خلوص کا پتہ چلتا ہے۔

"اپنے مصاحبوں کے ساتھ منکہ کا گذر ایک بازار سے ہوا وہاں اس نے دیکھا کہ ایک دوا فروش چادر بچھا کر اور اس پر کچھ دواؤں کو پھیلا کر اُن کے حیرانکن افعال و خواص بتا رہا تھا۔ منکہ کو بہت تعجب ہوا۔ اُس نے اپنے مصاحبوں سے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کا حاکم جاہل ہے کیوں کہ اگر یہ دوا فروش سچا ہے تو مجھے دور دراز علاقے سے کیوں بلایا اور اگر یہ جھوٹا ہے تو زندہ کیسے بچ رہا ہے کیوں کہ اس کے قتل سے ہزاروں کی جان بچ جائیگی"۔[۶]

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ خلافت عباسیہ میں کتب قدیمہ کی نقل کا کام منصور کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا اس کے بعد اطباء کے چار خاندان آل بختیشوع، آلِ حنین، آل ماسرجویہ، اور آلِ ثابت طب و فلسفہ میں نقل و ترجمہ کی خدمات انجام دیتے رہے، جلیش، حنین بن اسحاق، عیسیٰ بن یحییٰ وغیرہم نے بقراط کی کتابوں میں سے کتاب الفصول، کتاب الکسر، کتاب تقدمۃ المعرفۃ، کتاب الامراض الحادہ، کتاب الاخلاط کا ترجمہ کیا اور جالینوس کی تقریباً پچیس ۲۵ کتابیں حبیش، حنین، ابن بطریق اور ابن الصلت وغیرہ کے ذریعہ ترجمہ سے آراستہ کیں۔

(۲) **کتاب الفصول**:- یہ بقراط کی مشہور طبی کتاب ہے جس کا ترجمہ شیخ المترجمین حنین بن اسحاق نے کیا۔ یہ دورِ مامونی کا بہت ہی اہم ترجمہ ہے

---

[۵] علامہ شبلیؒ، رسائل، ص ۲۷، طبع علی گڑھ ۱۸۹۸ء

[۶] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ص ۴۳۳، طبع بیروت ۱۹۹۵ء

جس طرح تقدمۃ المعرفۃ ایک اہم طبی کارنامہ ہے۔

فصول بقراط کے متعلق یہ کہنا کافی ہوگا کہ قصر طب کی خشت اولین کی حیثیت رکھتی ہے جو آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل بنی نوع انسان کو امراض سے نجات دلانے کے لیے مرتب کی گئی۔ بقراط کے بعد یہ کتاب ہمیشہ بڑے قدر و احترام سے مطالعہ کی گئی ہے۔ اور ابن سینا و زکریا رازی اور تمام اکابر اطباء نے اپنی کتابوں میں اس سے استفادہ کیا ہے، ابن ابی اصیبعہ اس کی مدح میں رطب اللسان ہے۔

ایک مصری طبیب "کتاب الجدری والحصبہ" کے حاشیہ پر اس کا تعارف یوں کراتا ہے۔

"کتاب الفصول لبقراط شرحہ جالینوس وترجمہ الی السریانی حنین بن اسحاق وترجم من السریانی الی العربی قسطا بن لوقا البعلبکی[ٹ]"

یعنی کتاب الفصول بقراط کی تالیف ہے۔ جالینوس نے اس کی شرح کی، اور حنین بن اسحاق نے اس کا ترجمہ کیا اور قسطا بن لوقا نے سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا۔

عام طور پر خیال جاتا ہے کہ کتاب الفصول حنین کی ترجمہ شدہ کتاب ہے لیکن مذکورہ بالا عبارت سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ حنین نے دراصل اس کتاب کو یونانی سے سریانی میں منتقل کیا تھا اور عربی میں اس کا ترجمہ قسطا بن لوقا نے کیا۔ یہ کتاب مصر میں چھپ چکی ہے۔

ذیل میں اس کے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) امراض مزمنہ میں زیادہ عرصہ تک غذا کا روک دینا خطرناک ہے کیوں کہ اس سے مریض کمزور ہو جاتا ہے۔ اور اس میں مقابلۂ مرض کی استعداد نہیں رہتی۔

[ٹ] حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، ص ۲۱۲، بار دوم، طبع لاہور، ۱۹۶۹ء

* بقیہ صفحہ ۲۵ مجلہ ابحاث تاریخ ترجمہ علمیہ بزبان عربی، طبع حلب ۱۹۸۴ء

اس رسالہ میں روفس نے نبیذ کے فوائد اور طبی استعمال کو واضح کیا ہے۔ اس میں مولف نے اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کو بھی درج کیا ہے' اس رسالے سے یونانی سماج میں نبیذ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس میں روفس نے واضح کیا ہے کہ خوشی کے موقع پر یونانی لوگ نبیذ کا استعمال کرتے تھے جبکہ فارس کے لوگ علمی مجالس میں اس مشروب کا استعمال کرتے تھے طب یونانی میں نبیذ کا استعمال تسمین اور ہضم کی اصلاح کے لیے کیا جاتا ہے۔ عام طور پر عربوں میں کھجوروں سے نبیذ تیار کی جاتی لیکن یونانی طب میں مختلف ادویہ کو مٹی کے آبخورے میں رات کو ڈال دیا جاتا ۔ اور جھاگ نکلنے سے پہلے اس کو استعمال کر لیا جاتا تھا۔ [۹]

(۴) **کتاب الفصد** :- یہ جالینوس کی بہت مشہور طبی کتاب ہے دور مامونی میں عیسیٰ بن یحییٰ اور اصطفن بن بسیل نے اس کو عربی میں منتقل کیا۔* یہ کتاب دراصل ایک ضخیم مقالہ ہے۔ جو رسالے سے بڑی ہے۔ حنین بن اسحاق نے اُسے یونانی سے عربی میں منتقل کر کے اس میں اصلاح بھی کی' اس کتاب کا ایک مقدمہ بھی ہے جس کو خود حکیم جالینوس نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اس مقدمہ میں جالینوس نے حکماء کو کچھ نصیحتیں کی ہیں اور ان کو اپنے علم پر بھروسہ کرنے کے لیے کہا ہے اس میں مصر کے علاقہ نوبہ کی سیاحت کا بھی تذکرہ ملتا ہے کیوں کہ اس میں فصد سے متعلق ایک کہانی مندرج ہے جو حسب ذیل ہے۔

" میں (جالینوس) نے نوبہ کے گرد و نواح میں بعض ایسی وحشی قومیں دیکھی ہیں جو وقت ضرورت ایک دوسرے کی فصد کو کھول لیتی ہیں۔ ایک دفعہ میں نے ایک وحشی کو دیکھا کہ دوسرے کی فصد کھول رہا ہے۔ بجائے شاہ رگ کے ایک دوسری چھوٹی سی رگ کو کانچ کے ٹکڑے سے کھولنا چاہا۔ کانچ اندر ہی ٹوٹ گیا۔ مریض کی رگیں

---

[۹] حکیم سید ظل الرحمن ، رسالہ النبیذ (قسطا بن لوقا) جلد نمبر شمارہ ۵-۳-۴ ص ۸۵ ، رسالہ انسٹی ٹیوٹ ہسٹری آف میڈیسن اینڈ سائنس نئی دہلی ۱۹۸۵ء

(۲) اگر کسی مرض میں نیند سے بدن میں درد پیدا ہو تو یہ ہلاکت کی علامت ہے اور اگر راحت محسوس ہو تو یہ صحت کی نشانی ہے۔

(۳) جو چیز بدن میں بسرعت غذا بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اُس میں جسم سے بسرعت خارج ہونیکی استعداد بھی موجود ہے۔

(۴) اگر کسی شخص نے دوائے مسہل پی لی اور اُسے پیاس نہ لگی تو بالمعمول اسے اس وقت تک اسہال آتے رہیں گے جب تک تشنگی محسوس نہ ہوگی۔

(۵) حالت مرض میں جس حصہ بدن سے پسینہ آئے تو سمجھ لیجئے مرض اسی حصہ میں مقیم ہے۔

(۶) جب جسم سے پسینہ بہت زیادہ مقدار میں مسلسل جاری رہے تو سرد پسینہ مرض کی عظمت کی شہادت ہے اور گرم پسینہ مرض کی خفت کی۔

(۷) جب لازمی بخار میں عسر نفس اور اختلال عقل پیدا ہو جائے تو یہ علامت موت ہے۔

(۸) اگر کسی شخص کو بخار کی حالت میں بہرا پن عارض ہو جائے پھر اس کی ناک سے خون خارج ہونے لگے یا اُسے دست آجائیں تو مرض رفع ہو جائے گا

(۹) سل کی بیماری عموماً اٹھارہ سال کی عمر سے لے کر پینتیس ۳۵ سال کی عمر تک لاحق ہوا کرتی ہے۔

(۱۰) جس شخص کے پیشاب میں خون یا پیپ آئے اس کے گردہ یا مثانہ قرحہ ہوگا۔ [8]

(۳) رسالۃ النبیذ :۔ یہ ایک یونانی مختصر طبی کتاب ہے جس کا مؤلف روفس (المتوفی سنہ ۱۰۰ء) ہے اس کا ترجمہ عربی میں قسطا بن لوقا البعلبکی نے کیا ہے۔ روفس جالینوس سے مقدم ہے۔ یہ علم التشریح کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس کتاب کا پورا نام "کتاب فی النبیذ و شربہ فی الولائم" ہے۔ نبیذ ایک قسم کی شراب ہے جس میں نشہ نہیں ہوتا ہے۔ عام طور پر عربوں میں بھی اس کے پینے کا رواج تھا۔ عرب لوگ اس کو بطور غذا اور دوا استعمال کرتے تھے

---

[8] حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، ص ۲۱۷ بار دوم، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

پٹھوں سے زیادہ سخت تھیں۔ باندھنے سے پھولتی نہیں تھیں اور کھولنے سے سکڑتی نہیں تھیں۔"[۱۰]

(۵) **کتاب النبض الکبیر:۔** یہ جالینوس کے قلم کا ایک طبی شاہکار ہے اس کا مترجم جیش ہے لیکن اس کے ایک مقالہ کا ترجمہ عربی میں حنین نے کیا اس کتاب کے چار حصے ہیں جو سولہ مقالات پر مشتمل ہیں۔ اس کتاب کے بہت سے اقتباسات رازی نے اپنی کتاب 'الحاوی فی الطب' میں شامل کیے ہیں۔ ایک جگہ اس کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قال فی اول المقالة الرابعة عشرةَ من النبض علی نحو راقة منها إنَّ الدَّمَ قد یتعفنُ تعفنًا شدیدًا فی الاورامِ التی یَبلُغُ مِن افراط لهیبها انها تُحرِقُ الجلدَ وتُحدِثُ فیهِ الجُدریَ والحمرةَ المنتشرة التی یکونُ معها تاکل۔"[۱۱]

ترجمہ:۔ جالینوس نے اپنی کتاب النبض کے چودھویں مقالے کی ابتدا میں لکھا ہے کہ ان اورام میں جن کی شدتِ تپش سے جلد میں احتراق پیدا ہو جایا کرتا ہے کبھی خون سخت متعفن ہوتا ہے جس سے جلد میں جُدری پیدا ہوتی ہے۔ اور حمرہ منتشرہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ جلد میں قرحہ پیدا ہو جاتا ہے

(۶) **کتاب منافع الاعضاء:۔** یہ جالینوس کی شہرۂ آفاق طبی کتاب ہے اس کا عربی ترجمہ جیش* نے کیا ہے، اس کتاب میں سترہ مقالے ہیں، اس کتاب سے بھی رازی نے اپنی کتاب 'الحاوی فی الطب' میں اقتباسات نقل کیے ہیں۔ ایک جگہ اس کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قالَ فی التاسعة من منافع الاعضاء، ان الفضول الباقیة من الاغذیة مما لا یستحیل الی الدم وتبقی فی الاعضاء تعفن علی الایام حتی تولد الحمرة والجدری والساعیة۔"[۱۲]

---

[۱۰] القفطی، تاریخ الحکماء، ص ۱۹۷ طبع دھلی ۱۹۴۵ء

* بقیہ صفحہ ۲۵۳ احمد فرید رفاعی، عصر المامون ص ۲۸۵ طبع القاہرہ ۱۹۲۷ء

جالینوس نے اپنی کتاب منافع الاعضاء کے نویں مقالے میں کہا ہے کہ غذا کے فضلات جو خون میں تبدیل نہیں ہوتے کچھ عرصہ اعضاء میں رہ کر متعفن ہو جاتے ہیں جیسے حمرہ (خسرہ)، جدری (چیچک) اور قرحہ ساعیہ پیدا ہوتے ہیں۔

(۷) **کتاب الحشائش**:۔ یہ دیسقوریدوس کی مشہور طبی کتاب ہے۔ جو جڑی بوٹیوں کے بیان پر مشتمل ہے*، اس موضوع پر یہ دنیا میں سب سے زیادہ مفید کار آمد اور مستند یونانی تالیف ہے، پہلی بار اس کتاب کا ترجمہ دولت عباسیہ میں اصطفن بن بسیل کے ہاتھوں ہوا۔ اور اس کی تصحیح اور نظر ثانی کے فرائض حنین بن اسحاق نے انجام دیئے جتنی یونانی دواؤں کے عربی نام معلوم ہو سکے، اصطفن نے لکھ دیئے تھے لیکن باقی نام اس نے یونانی زبان میں جوں کے توں چھوڑ دیئے یہی ترجمہ بغداد سے الناصر بن محمد کے زمانے میں اندلس پہونچا۔ ۳۳۷ھ مطابق ۹۴۸ء میں قسطنطنیہ کے رومی حکمراں ارمانیوس نے الناصر کو اصل کتاب جو یونانی زبان میں لکھی ہوئی اور جڑی بوٹیوں کی تصاویر سے مزین تھی۔ بطور ہدیہ بھیجی، اس وقت اندلس کے نصاریٰ میں سے کوئی شخص یونانی زبان کا عالم موجود نہیں تھا اور یہ کتاب شاہی کتب خانہ میں بلا ترجمہ پڑی رہی اور اہل اندلس اصطفن کے ترجموں سے استفادہ کرتے رہے۔ الناصر نے کتاب کا ترجمہ کرانے کا فیصلہ کیا اور رومی بادشاہ ارمانیوس کو لکھا کہ یونانی زبان کے کسی عالم کو اس کے پاس بھیج دیں چنانچہ نقولا نامی ایک راہب کو اس کے پاس

بقیہ صفحہ ۲۵۲ ـلہ حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، صفحہ ۳۱۴، بار دوم، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

〃 〃 ــہ* احمد فرید رفاعی، عصر المامون ص ۳۸۴ طبع القاہرہ ۱۹۲۷ء

〃 〃 ۱۲ـہ سید نیر واسطی، طب العرب، صفحہ ۳۱۲، بار دوم، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

* احمد فرید رفاعی عصر المامون ص ۳۸۵ - طبع القاہرہ ۱۹۲۷ء

بھیجا۔ نقولا نے قرطبہ پہونچ کر اپنا کام شروع کیا اور کئی علماء کی مدد سے اس کا ترجمہ مکمل کیا۔ تمام اندلس میں اس کام کی دھوم مچ گئی۔ اس کے بعد ابن جلجل نے (۳۷۳ھ مطابق ۹۸۲ء) کتاب الحشائش کی جانب توجہ دی اس نے اس کی بہت سی ادویہ مفردہ کی تفسیر کی، جس میں ان ادویہ کا تذکرہ بھی کیا گیا۔ جن کو دیسقوریدس نے اپنی کتاب میں بیان نہیں کیا تھا۔ ابن جلجل کے بعد (۶۶۳ھ مطابق ۱۲۶۴ء) میں ابن بیطار کا زمانہ آیا۔ اس نے کتاب الحشائش اور علم الادویہ پر تحقیقات اور انکشافات کے سلسلے میں وہ کارنامے انجام دیئے جو تاریخ طب کے صفحات پر جگمگاتے رہیں گے۔

ابن بیطار نے کتاب الحشائش کی شرح کے سلسلے میں کتاب الابانہ والاعلام کے نام سے ایک طبی کتاب لکھی ہے۔ [۱۳]

(۸) **کتاب شرك الهندی** :۔ یہ آریوویدک طب کی مشہور کتاب ہے۔ اس کا مؤلف مشہور ہندوستانی رشی چرک تھا۔ جو بقول بعض دوسری صدی عیسوی میں تھا۔ بعض لوگ اس کے عہد کی تعیین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ دو سو ۲۰۰ سال قبل مسیح میں گذرا ہے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے شمالی ہند کا رہنے والا بتایا ہے۔ منکہ نے اس کتاب کو فارسی زبان میں منتقل کیا اور عبداللہ بن علی نے اس کو عربی زبان کا جامہ پہنایا۔ یہ کتاب دس مقالات پر مشتمل ہے اور اس کو کناشش اہرن بن اعین کا درجہ حاصل تھا۔ یہ ویدک طریقۂ علاج کی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کو عرب اور ایرانی اطباء نے بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا اس کے حوالے فردوس الحکمت اور الحاوی فی الطب میں ملتے ہیں۔

ہندی طب کی قدر و منزلت عرب اہل فن کی نگاہوں میں مسلم تھی۔ اس سلسلے میں صالح بن بہلہ ہندی* اور منکہ ہندی کا مقام خصوصیت سے قابل

---

[۱۳] حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، ص ۱۶۱ — ۱۷۱، بار دوم طبع لاہور ۱۹۶۹ء

* احمد فرید رفاعی، عصر المامون، ص ۳۸۹ طبع القاہرہ ۱۹۲۸ء

ذکر ہے۔ صالح بن بہلہ ہندی عہد عباسی میں ہند سے عراق پہونچ کر درباری طبیب مقرر ہوا۔ جہاں اُسے شاہی اور درباری اطباء کے درمیان خاص امتیاز حاصل ہوا۔

دربار خلافت میں منکہ آیورویدک علم طب کا سب سے ممتاز عالم اور حاذق معالج تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ فارسی اور ہندی دونوں زبانوں کا ماہر تھا۔ ابن الندیم نے اپنی کتاب ’الفہرست‘ میں علم طب سے متعلق ہند کی ان کتابوں کی ایک فہرست شائع کی ہے۔ جو اُس کے زمانے میں لغت عربی میں موجود تھی یہ فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) **کتاب سسرد (ششرت)** یہ دس مقالات پر مشتمل ہے۔ جس کی شرح یحییٰ بن خالد کے حکم سے منکہ نے کی۔ اور شفاخانہ میں کناش (فارماکوپیا) کے طور پر رائج کی گئی۔ عصر المامون کے مطابق اس کتاب کا ترجمہ بھی منکہ نے کیا۔*

(۲) **کتاب استانکر الجامع** :۔ جس کی تفسیر ابن دھن نے لکھی ہے۔

(۳) **کتاب سرك (شرک الهندی)** یہ وہی کتاب ہے جس کو سنگھتا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اُسے عبداللہ بن علی نے پہلے ہندی سے فارسی میں اور پھر فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا جیسا کہ اس کے بارے میں ہم پہلے تذکرہ کرچکے ہیں۔ [۱۳]

(۴) **کتاب مختصر فی العقاقیر الهندیہ** :۔ ہندوستانی جڑی بوٹیوں کے بارے میں یہ ایک مختصر کتابچہ ہے۔ اس کے مترجم اور مصنف کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

(۵) **کتاب علاج الحبالی للهند** :۔ جیسا کہ نام سے معلوم

---

[۱۳] حکیم سید نیر واسطی، طب العرب، ص ۲۷۳، بار دوم طبع لاہور ۱۹۶۹ء

* احمد فرید رفاعی المامون ص ۲۹۱۔ طبع القاہرہ ۱۹۲۷ء

ہوتا ہے کہ یہ طبی کتاب حواس کے علاج سے متعلق ہے۔ مصنف اور مترجم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

زکریا رازی نے الحاوی فی الطب' میں جگہ جگہ اس کا حوالہ دیا ہے۔

(۶) **کتاب التوهم فی الامراض والعلل** :۔ یہ بھی ایک اہم ہندی طبی تصنیف ہے جو تاکشتل ہندی کی طرف منسوب ہے۔

(۷) **کتاب السکر للهند** :۔ یہ بھی ایک ہندی طبی کتاب ہے جس کے مصنف اور مترجم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ زکریا رازی نے اس کے حوالے اپنی کتاب الحاوی فی الطب' میں دیے ہیں۔

(۸) **کتاب روسا الهندیہ فی علاجات النساء**۔ یہ روسا نامی ہندوستانی عورت کی طرف منسوب ہے اس میں عورتوں کے امراض کے بارے میں مفصل نسخے مندرج ہیں۔ مترجم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ فردوس الحکمت اور الحاوی فی الطب' میں اس کے حوالے ملتے ہیں۔

(۹) **کتاب رای الهندی فی اجناس الحیات وسمومها** رائے ہندی وید کی طرف منسوب ہے لیکن اس میں سانپوں کے اقسام اور اس کے زہروں کا بیان اور ان کا علاج بیان کیا گیا ہے اس کے مترجم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ ★

مختصر یہ کہ ابتداء ہی سے اخذ و استفادہ عربی طب کے مصنفین کی خصوصیت رہی ہے اور انہوں نے اپنی طب میں اضافہ کے لیے جہاں دنیا کے دیگر علوم و فنون سے استفادہ کیا وہاں آیور ویدک کی مفید معلومات کو بھی اپنی طب میں شامل کیا ہے۔ فردوس الحکمت کا چوتھا مقالہ آیور ویدک کی معلومات پر مشتمل اس میں ایک باب ایک ہندی خاتون کی (شاید روسا الهندیہ)... طبی معلومات پر محتوی ہے۔ جس میں امراض نسواں کے سلسلے میں اس کے بہترین نسخہ جات

★ احمد فرید رفاعی، عصر المامون ص ۳۹، طبع القاہرہ ۱۹۲۷ء

بھی شامل ہیں اس کے علاوہ ابن سینا اور زکریا رازی نے اپنی تصانیف میں کئی جگہ آیورویدک کی معلومات کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح علی بن ربن طبری نے "فردوس الحکمت" "ششرت" چرک ندان اور اشٹانگ ہردے کی معلومات سے متعدد مقامات پر متعارف کرایا ہے۔ ذیل میں ہم طبی تراجم کی ایک مفصل فہرست درج کر رہے ہیں اور ان کے مترجم اور کتاب کی کیفیت کے بارے میں اپنی تحقیقی معلومات کو مختصراً پیش کر رہے ہیں۔

کتب ابقراط!

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	کیفیت
۱	کتاب عہد بقراط	حنین حبیش عیسیٰ	جالینوس نے اس کی تفسیر کی ہے اور حنین نے اس کا ترجمہ یونانی سے سریانی میں کیا اور عیسیٰ بن یحییٰ اور حبیش نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا، اس میں بقراط نے وہ شرائط بتائے ہیں جن کے بغیر کسی کو فن طب نہیں پڑھانا چاہیے۔
۲	کتاب الفصول	حنین و عیسیٰ	اس کی تفسیر جالینوس نے کی ہے، سات مقالوں پر مشتمل ہے۔ اس میں تمام مسائل طبیہ کا خلاصہ ہے۔
۳	کتاب الکسر	حنین بن اسحاق	اس کی تفسیر بھی جالینوس نے کی ہے اس میں ہڈیوں کے ٹوٹنے اور جوڑنے کا بیان ہے۔ پورا نام کتاب الکسر والجبر ہے۔ یہ چار مقالات پر مشتمل ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	کیفیت
۴	کتاب تقدمۃ المعرفہ	حسین و عیسیٰ	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے اس میں علامات مرض کا بیان ہے ۔
۵	الامراض الحادّہ	عیسیٰ بن یحییٰ	یہ کتاب غذا، فصد، مسہل وغیرہ کے بیانات پر مشتمل ہے اس کے پانچ مقالات تھے لیکن ان میں سے صرف تین مقالات کا عربی میں ترجمہ ہوا۔
۶	ایپذیمیا	〃 〃 〃 〃	یہ سات مقالات پر مشتمل ہے اس کی تفسیر جالینوس نے کی ہے ۔
۷	کتاب الاخلاط	〃 〃	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے اس کی تفسیر جالینوس نے کی ہے مو سیرف۔
۸	کتاب قاطیطریون	حسین	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے اس کی تفسیر جالینوس نے کی ہے اس میں ہاتھ کے افعال و اعمال کا بیان ہے ۔ عصر المامون میں ایک کتاب کا نام قاطیطون لکھا ہے ۔
۹	کتاب الماء والہوا	حنین و حبیش	اس میں مختلف ملکوں کی آب و ہوا کی تاثیر کا بیان ہے اس کی تفسیر بھی جالینوس نے کی ہے ۔ یہ تین مقالات پر مشتمل ہے جن میں دو مقالوں کا ترجمہ حنین نے کیا اور باقی کا ترجمہ حبیش نے کیا ۔
۱۰	کتاب طبیعۃ الانسان	حنین و عیسیٰ	اس کی تفسیر جالینوس نے کی ہے ۔ یہ تین مقالات پر مشتمل ہے اس میں جسم کی ترکیب کا بیان ہے ۔ حنین نے اس

کتاب کے ملخص کا ترجمہ کیا[۱۵]

• • •

کتب جالینوس

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	کیفیت
۱	کتاب الفرق	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
۲	کتاب الصناعۃ	〃	〃 〃 〃 〃
۳	کتاب النبض	〃	〃 〃 〃 〃
۴	کتاب شفاء الامراض	〃	اس میں دو مقالے ہیں۔
۵	کتاب المقالات الخمس فی التشریح	〃	یہ علم التشریح پر مشتمل ہے۔
۶	کتاب الاسطقسات	〃	اس میں ایک مقالہ ہے اس میں عناصر اربعہ کا بیان ہے۔
۷	کتاب المزاج	〃	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے۔
۸	کتاب القوی الطبیعۃ	〃	〃

---

[۱۵] بقراط کی ان تصنیفات اور ان کے علاوہ دیگر تصنیفات کے مضامین کو مؤرخ یعقوبی اور ابن ابی اصیبعہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	کیفیت
۹	کتاب العلل والامراض	حنین	یہ چھ مقالات پر مشتمل ہے ۔
۱۰	کتاب تعرف علل الاعضاء الباطنۃ	جیش	یہ چھ مقالات پر مشتمل ہے لیکن تاریخ الحکماء میں مترجم کا نام حنین لکھا ہے ۔
۱۱	کتاب النبض الکبیر	جیش	اس کتاب کے چار حصے ہیں جو سولہ مقالات پر مشتمل ہیں ۔ ان مقالات میں سے ایک مقالہ کا ترجمہ حنین نے عربی میں کیا ۔
۱۲	کتاب الحمیات	حنین	یہ دو مقالات پر مشتمل ہے الفہرست میں اس کا نام کتاب الحمایات لکھا ہے لیکن تاریخ الحکماء میں کتاب الحمیات ہے جو زیادہ صحیح ہے ۔
۱۳	کتاب البحران	حنین	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے ۔
۱۴	کتاب ایام البحران	؍؍	اس میں بھی تین مقالات ہیں
۱۵	کتاب تدبیر الاصحاء	جیش	یہ چھ مقالات پر مشتمل ہے ۔
۱۶	کتاب حیلۃ البرء	جیش	یہ چودہ مقالات پر مشتمل ہے ان میں سے پہلے چھ مقالات کی اصلاح حنین نے کی ہے ۔
	یہ سولہ کتابیں قدیم زمانے میں اسلامی درس گاہوں کی نصاب تعلیم میں داخل تھیں ان کے علاوہ جالینوس کی دیگر تصانیف حسب ذیل ہیں ۔		
۱	کتاب التشریح الکبیر	جیش الاعسم	اس میں علم التشریح کا بیان ہے اس میں پندرہ مقالات ہیں

نمبر شمار	کتاب کا نام	مترجم	کیفیت
۱۸	اختلاف التشریح	جبیش الاعسم	اس میں دو مقالے ہیں۔
۱۹	تشریح الحیوان المیت	〃	اس میں ایک مقالہ ہے۔ مردہ جانوروں کی تشریح کا بیان ہے۔
۲۰	تشریح الحیوان الحي	〃	اس میں زندہ جانوروں کی تشریح کا بیان ہے اس میں دو مقالے ہیں
۲۱	کتاب علم البقراط بالتشریح	〃	اس میں پانچ مقالے ہیں۔
۲۲	کتاب علم ارسطو بالتشریح	〃	اس میں تین مقالے ہیں۔
۲۳	کتاب تشریح الرحم	〃	اس میں ایک مقالہ ہے۔
۲۴	کتاب العادات	〃	〃 〃
۲۵	کتاب خصب البدن	〃	〃 〃
۲۶	کتاب المنی	〃	〃 〃
۲۷	کتاب منافع الاعضاء	〃	اس میں سترہ مقالے ہیں۔
۲۸	کتاب ترکیب الادویۃ	〃	〃 〃
۲۹	کتاب الریاضیۃ بالکرۃ الصغیرۃ	〃	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
۳۰	کتاب الحث علی تعلیم الطب	〃	〃 〃
۳۱	کتاب الریاضۃ بالکرۃ الکبیرۃ	〃	〃 〃
۳۲	قوی النفس و مزاج البدن	〃	〃 〃

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	کیفیت
۳۳	حرکات الصدر	اصطفن بن بسیل	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے۔ حنین نے اس کی اصلاح کی ہے
۳۴	علل النفس	〃	یہ دو مقالات پر مشتمل ہے۔ حنین نے اپنے لڑکے کے لیے اس کی اصلاح کی۔
۳۵	کتاب حرکۃ العضل	〃	یہ دو مقالات پر مشتمل ہے اس کی اصلاح بھی حنین نے کی
۳۶	کتاب الحاجۃ الی النفس	〃 وحنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
۳۷	کتاب الامتلاء	اصطفن	〃 〃
۳۸	کتاب المرۃ والسوداء	〃	〃 〃
۳۹	کتاب علل الصوت	حنین	یہ چار مقالات پر مشتمل ہے
۴۰	الحرکات المجہولۃ	〃	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
۴۱	افضل الہیئات	〃	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے اس کا ترجمہ دو زبانوں میں ہوا۔ سریانی اور عربی دونوں زبانوں میں اس کا ترجمہ حنین نے کیا۔
۴۲	کتاب سوء المزاج المختلف	〃	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
۴۳	کتاب الادویۃ المفردہ	〃	اس میں گیارہ مقالات ہیں۔
۴۴	کتاب المولود السبعۃ اشہر	〃	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
۴۵	کتاب رداءۃ النفس	〃	اس میں تین مقالات ہیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	کیفیت
۴۶	کتاب الذبول	حنین	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
۴۷	کتاب قوی الاغذیہ	〃	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے
۴۸	کتاب التدبیر الملطف	〃	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے
۴۹	مداوۃ الامراض	〃	〃 〃
۵۰	کتاب ابقراط فی الامراض الحادہ	〃	〃 〃
۵۱	الطبیب والفیلسوف	〃	〃 〃
۵۲	کتاب ابقراط الصحیحہ	〃	〃 〃
۵۳	کتاب محنۃ الطبیب	〃	〃 〃
۵۴	کتاب تقدمۃ المعرفۃ	عیسی	〃 〃
۵۵	کتاب القصد	〃 واصطفن	〃 〃
۵۶	صفات لصبی یصرخ	ابن الصلت	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔ الفہرست میں اس کا نام صفات لصبی یصرع لکھا ہے اس کتاب کے دو ترجمے ہوئے۔ سریانی اور عربی اور دونوں زبانوں میں ترجمہ ابن الصلت نے کیا
۵۷	کتاب الاورام	ابن الصلت	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔
۵۸	کتاب الکیموس	ثابت، حبیش، شملی	〃 〃
۵۹	کتاب الادویہ والادواء	عیسی بن یحییٰ	یہ دو مقالوں پر مشتمل ہے۔
۶۰	کتاب التریاق	ابن البطریق	یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے۔

ان کے علاوہ دیگر طبی تراجم کا تذکرہ صاحب الفہرست نے تفصیل سے کیا ہے۔ لیکن مترجمین نامعلوم ہیں ان میں سے بعض سے کچھ زیادہ کتابیں حکیم روفس کی ہیں جو جالینوس سے قبل گذرا ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اس کی تصانیف کی تعداد ساٹھ لکھی ہے اور بیت الحکمت کے زیر اہتمام اس کی بیشتر کتابوں کا ترجمہ ہوا ہے۔ ابن الندیم اور ابن ابی اصیبعہ نے ان کی نشاندہی کی ہے۔ زکریا رازی کی تصنیف "الحاوی فی الطب" میں ان کے حوالے ملتے ہیں۔ کچھ کتابیں اوربیانیوس کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں کتاب الادویۃ بہت مشہور ہے اس کا ترجمہ اصطفن بن بسیل نے کیا۔ اسی طرح حکیم دیسقوریدس کی طرف ایک مشہور طبی کتاب منسوب ہے یعنی کتاب الحشائش" اس کا ترجمہ اصطفن بن بسیل نے کیا ہے اور حکیم اسکندروس کی کتاب "البرسام" بھی بہت مشہور ہے اُس کے مترجم ابن البطریق ہیں، اس کے علاوہ دیگر طبی تراجم بھی ہیں جن کے مترجمین نامعلوم ہیں۔ ۱۶؎

۱۶؎ الدکتور احمد فرید الرفاعی، عصر المامون، ص ۳۸۵ الطبعۃ الثانیۃ المجلد الاول طبع القاهرة ۱۹۲۷ء

دسواں باب

فلسفیانہ تراجم کا تحقیقی مطالعہ

اس میں شبہ نہیں کہ جتنے بڑے بڑے حکماء یونان گذرے ہیں ان سب کی کتابوں کا ترجمہ مختلف ادوار میں کیا گیا جس کا اثر حکمائے اسلام اور فلسفۂ اسلامی پر پڑا ان حکماء میں سب سے زیادہ مشہور پانچ شخص تھے جیسا کہ اس سے قبل ابواب میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یعنی بند قلیس، فیثاغورث سقراط، افلاطون اور ارسطو ان میں سب سے مقدم بند قلیس ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ اور اس نے شام میں حضرت لقمان علیہ السلام سے حکمت سیکھی تھی۔ پھر شام سے یونان میں آیا اور تخلیق عالم سے متعلق ایسی باتیں کیں جس سے بظاہر معاد کا انکار ہوتا ہے۔[۱۷] اس لیے لوگوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کی، بند قلیس پہلا فلسفی ہے۔ جس کا خیال تھا کہ خدائے تعالیٰ کی ذات میں جو مختلف اوصاف مثلاً علم قدرت وغیرہ پائے جاتے ہیں وہ الگ الگ چیزیں نہیں۔ معتزلہ میں ابوالہذیل بصری نے صفات باری کے متعلق اسی

---

[۱۷] مولانا عبدالسلام الندویؒ "حکمائے اسلام" ص ۹، حصہ اول طبع اعظم گڈھ ۱۹۵۳ء

کا مذہب اختیار کیا ہے۔

فیثاغورث بندقلیس کے بعد پیدا ہوا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب سے مصر میں حکمت سیکھی معاد کے متعلق اس کا مذہب تقریباً وہی ہے جو بندقلیس کا ہے۔ یعنی اس مادی عالم کے علاوہ ایک روحانی عالم بھی ہے جس کے حسن و جمال کا ادراک عقل نہیں کر سکتی۔ تمام پاکیزہ روحیں اس کی مشتاق رہتی ہیں۔

اخوان[18] الصفا اسی فیثاغورث کے فلسفہ سے متاثر تھا سقراط فیثاغورث کا شاگرد تھا اس نے فلسفہ کی تمام شاخوں میں سے صرف فلسفۂ الٰہی کو لے لیا تھا۔ صفات باری کے متعلق اس کا مذہب تقریباً وہی تھا جو فیثاغورس اور بندقلیس کا تھا۔

---

[18] اخوان الصفا:- دورِ عباسی میں فلسفہ کو بہت اہمیت حاصل تھی لیکن فلاسفہ اس دور میں الحاد کے الزام سے بھی متہم تھے۔ خلیفہ مامون بھی اس الزام کا نشانہ بنا کیونکہ اسی کے ایماء سے فلسفہ کا ترجمہ کیا گیا تھا حالات زمانہ کے لحاظ سے فلاسفہ اپنے خیالات کو پردۂ راز میں رکھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس غرض سے خفیہ انجمنیں قائم کیں جس میں مشہور اخوان الصفا ہے جو چوتھی صدی ہجری کے وسط میں بغداد میں قائم ہوئی اس جمعیت کے پانچ ارکان تھے۔

(۱) ابو سلیمان محمد بن معشر البستی (۲) ابو الحسن علی بن ہارون الزنجانی (۳) ابو احمد المہرجانی (۴) العوفی (۵) زید بن رفاعہ۔

ان کے جلسے اکثر پوشیدہ ہوا کرتے تھے۔ جن میں فلسفہ پر بحث ہوتی تھی اسی طرح ان کا ایک خاص مذہب بن گیا جو تمام فلاسفۂ اسلام کے خیالات کا نچوڑ تھا اور جس میں فلاسفۂ یونان، فارس اور ہند کے خیالات سے واقف ہونے کے بعد ان کو اسلام کے مطابق ڈھالا گیا تھا۔ اخوان الصفا کا فلسفہ باون ۵۲ رسائل پر مشتمل ہے جو رسائل اخوان الصفا کے نام سے مشہور ہیں ان رسائل پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ مولفین نے غور و فکر کے بعد ان کو مدون کیا معتزلہ اور ان کے متبعین ان رسائل کا درس دیا کرتے تھے (لطفی جمعہ تاریخ فلاسفۃ الاسلام ص ۲۵)

افلاطون بھی سقراط کی طرح فیثاغورث کا شاگرد تھا ابتداء میں شعر کہا کرتا تھا۔ افلاطون سقراط کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے فلسفہ کو نہایت شوق سے حاصل کیا۔ اسی افلاطون کے زمانے سے یونانی فلسفہ کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا۔ افلاطون کے شاگرد ارسطو نے فلسفۂ الٰہی کو درجۂ کمال تک پہونچایا۔ اس نے فرقہ الٰہیین کے قواعد واصول کو مستحکم کیا۔

مسلمانوں میں فلسفۂ یونان کی اشاعت صرف ترجموں کے ذریعہ سے ہوئی خلیفہ منصور سے لے کر مامون کے زمانے تک ترجموں کا کام ہوتا رہا۔ مامون کے زمانے تک زیادہ تر ارسطو کی کتابوں کے ترجے ہوئے۔ فارابی نے تمام تراجم کو سامنے رکھ کر فلسفہ کی کتابوں کا ایک عمدہ ترجمہ تیار کیا۔ اسی لیے وہ معلم ثانی کے نام سے مشہور ہوا۔ تصنیف وتالیف وتراجم جن کے توسط سے فلسفہ کی اشاعت ہوئی ان کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے جیسا کہ پچھلے ابواب میں ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

(۱) پہلا دور خلیفہ منصور کے زمانے سے شروع ہو کر ہارون رشید کے زمانے پر ختم ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا دور جو مامون کے زمانے سے شروع ہوا اور اس دور میں تمام یونانی علوم وفنون کے ترجے ہوئے۔

(۳) تیسرے دور میں جو چوتھی صدی ہجری تک قائم رہا اس دور میں ارسطو کی منطق اور طبیعات کی کتابوں کے ترجے ہوئے۔ ان کی شرحیں اور تفسیریں بھی لکھی گئیں۔ [۱۹]

مسلمان فلسفہ اور طب کے پہلے مرحلے میں بے شبہ یونان وروم کے احسان مند ہیں۔

ان کی تصنیفات کے ہر صفحہ سے احسان مندی کا اظہار ہوتا ہے اور سچ یہ ہے کہ افلاطون اور ارسطو کے کارناموں کو اسلامی ممالک نے جو عزت دی یونان میں

---

[۱۹] مولانا عبدالسلام ندوی حکمائے اسلام ص ۲۰ حصہ اول طبع اول اعظم گڈھ ۱۹۵۳ء

ان کو نصیب نہ ہوئی ہوگی۔

مسلمانوں نے ایک ذرہ پایا تھا مگر اس کو آفتاب بنا دیا۔ ہیئت کو ترقی دی، طبیعات میں ارسطو کی غلطیاں دریافت کیں، منطق کو جدید ترتیب دی نئے آلات رصد ایجاد کیے۔ روشنی کی رفتار دریافت کی، جبر و مقابلے کو ایک علم کے رتبہ پر پہونچایا۔ دواسازی کے نسخوں کی ترتیب، عرق ریزی کشید کرنے کے آلے، موالید کی تحلیل، تیز آبوں کی تفریق انہی کی ایجادات میں سے ہیں۔ کیمسٹری کی بنیاد ڈالی، علم نباتات میں کئی ہزار پودوں کا اضافہ کیا غرض آج یونانی و عربی تصنیفات کا کوئی موازنہ کرے تو قطرہ و دریا کا فرق پائے گا۔[۲۰]

اب ہم مشہور فلسفیانہ تراجم کا تحقیقی مطالعہ پیش کریں گے۔

(۱) **کتاب الکون والفساد** :- یہ کتاب عناصر عالم میں تغیر و تبدل سے متعلق ہے پہلے یونانی زبان سے اس کا ترجمہ حنین بن اسحاق نے سریانی زبان میں کیا۔ پھر اسحاق اور ابو عثمان دمشقی نے اس کا ترجمہ عربی میں پیش کیا ایک ترجمہ ابراہیم بن بکوس کی طرف منسوب ہے۔ اس کتاب کی شرح بھی لکھی گئی اس کے شارح کا نام اسکندر ہے اس کتاب کا ترجمہ اسطاث نے بھی کیا ہے۔ یہ شخص یونانی، سریانی اور لاطینی زبانوں میں مہارت رکھتا تھا اور اس کتاب کا ترجمہ اس نے سریانی میں کیا ہوگا۔

یہ شخص بیت الحکمت میں یحیٰی بن خالد برمکی کے لیے ترجمہ کیا کرتا تھا اس ترجمۂ اسطاث کی شرح امقیذورس نے لکھی۔ قسطا بن لوقا نے اس کتاب کے صرف مقالۂ اولیٰ کا ترجمہ کیا۔ پھر متیٰ بن یونس نے بھی اس کتاب کا ترجمہ کیا اور اپنے ترجمہ کی بنیاد اسطاث کے ترجمہ پر رکھی اور اس ترجمۂ متی کی اصلاح ابوزکریا یحیٰی بن عدی نے کی، یحیٰی نحوی نے بھی اس کی شرح سریانی زبان میں لکھی جس کا بعد میں عربی میں ترجمہ کیا گیا۔

اس سلسلے میں مؤلف تاریخ الحکماء لکھتے ہیں۔

---

[۲۰] علامہ شبلی، مضامین شبلی، صفحہ ۳۰۹ طبع اول، دہلی سنہ ندارد۔

”ارباب علم کا خیال ہے کہ سریانی نسخہ بلحاظ فصاحت زبان و تسہیل مضامین عربی ترجمہ سے بہت بلند ہے اور عربی مترجم سے ترجمہ میں کافی غلطیاں سرزد ہوئی تھیں۔“[21]

یہی بات تقریباً صاحب الفہرست نے بھی لکھی ہے۔ علامہ شبلی نے اس کتاب کی یونانی شرح کی بھی نشاندہی کی ہے اس کے یونانی شارح کا نام لاسیندروس ہے اس یونانی شرح کا بھی ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا[22] لیکن مترجم کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔

(۲) **کتاب الالٰہیات**:۔ یہ ارسطو کی بہت اہم کتاب ہے جو کتاب الحروف و ما بعد الطبعیۃ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب یونانی حروف کی ترتیب کے مطابق مرتب کی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ اسحاق بن حنین نے کیا لیکن مکمل ترجمہ دستیاب نہیں صرف حرف مو تک ہے۔ ابو زکریا یحیٰی بن عدی نے بھی اس حرف ”مو“ کی تمام بحث کا ترجمہ کیا ہے۔ لیکن اسکندر نے یونانی زبان میں اس کی شرح لکھی ہے۔ جو حرف ”نو“ تک ہے۔ اسطاث نے ان تمام حروف کا کندی کے لیے ترجمہ کیا تھا۔ ابو بشر متی بن یونس نے اس کتاب کے مقالہ ”لام“ کا... جو گیارہواں حرف ہے، سکندر کی شرح کے ساتھ عربی میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب کا سریانی ترجمہ حنین بن اسحاق نے کیا ثامسطیوس نے بھی مقالہ ”لام“ کی شرح لکھی ہے۔ اور متی بن یونس نے اس شرح کا ترجمہ کیا۔

سوریانوس نے مقالہ ”یا“ کی شرح لکھی اور اس شرح کا ترجمہ بھی عربی زبان میں ہوچکا ہے۔ اس کتاب کے سلسلے میں علامہ شبلیؒ رقم طراز ہیں۔

”اسحاق بن حنین، یحیٰی بن عدی، اسطاث، الکندی اور ابو بشر متی ہر ایک

---

[21] القفطی، تاریخ الحکماء ص ۴۳، طبع دہلی سنہ ۱۹۴۰ء

[22] علامہ شبلی، مضامین شبلی، ص ۳۰۸ طبع اول سنہ ندارد۔

نے اس کا پورا ترجمہ کیا اور بعض مقالوں کا حنین بن اسحاق نے بھی[۲۳]"

لیکن تاریخ الحکماء اور الفہرست کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا ترجمہ صرف حرف "مو" تک ہوا یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مکمل ترجمہ ہوا ہو لیکن یہ مکمل ترجمہ زمانے کے دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ خود یونانی نسخہ بھی نامکمل ہے کیوں کہ یہ حرف "نو" تک ہے۔

(۳) **کتاب النفس**:۔ یہ بھی ارسطو کی ایک اہم تصنیفات میں سے ہے اس میں نفس کی حقیقت کا بیان ہے[۲۴] اس کتاب میں تین مقالات ہیں حنین بن اسحاق نے اس کتاب کا سریانی میں ترجمہ کیا اور اسحٰق نے بھی اس کا ترجمہ کیا۔ شاید عربی زبان میں۔ کیوں کہ اسحٰق عموماً سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ پہلا ترجمہ نامکمل تھا پھر دوبارہ اُس نے ایک مکمل اور واضح ترجمہ پیش کیا۔ ثامسطیوس نے اس کی مفصل شرح لکھی ہے۔[۲۵] یہ شرح سات مقالات پر مشتمل ہے۔ سریانی زبان میں دو شرحیں لکھی گئیں ہیں۔ ایک امقیدروس کی اور دوسری سنبطلی قیوس کی طرف منسوب ہے۔ سنبلی قیوس یونان کا ایک مہندس اور ریاضی داں تھا۔ اقلیدس کے بعد گذرا ہے۔ اُس نے اقلیدس کی کتاب کی شرح بھی لکھی ہے۔[۲۶]

صاحب الفہرست نے سنبلی قیوس کی شرح کی بہت تعریف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ سریانی میں اس کی ایک شرح ہے جو بہترین شرح ہے اور سنبلی قیوس کی طرف منسوب ہے۔[۲۷]

اس کی ایک تلخیص بھی سو اوراق میں لکھی گئی ہے جس کو اسکندر نے قلم بند کیا

---

[۲۳] علامہ شبلیؒ، مضامین شبلیؒ، ص ۲۱۳ طبع اول دھلی سنہ ندارد۔

[۲۴] 〃 رسائل ص ۲۰۲ 〃 طبع علی گڈھ ۱۸۹۸ء

[۲۵] ابن الندیم، الفہرست، ص ۵۹۰، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

[۲۶] القفطی، تاریخ الحکماء، ص ۷۷، طبع دھلی ۱۹۴۵ء

[۲۷] ابن الندیم، الفہرست، ص ۵۹۰، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

اور ابن البطریق نے اس کی مختصر شرح لکھی۔ صاحب الفہرست اسحاق بن حنین کے قول کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "میں نے اس کتاب کے ایک نہایت ہی ردی نسخے کا عربی میں ترجمہ کیا اس سے تیس سال بعد مجھے ایک بہترین نسخہ ملا جس سے میں نے پہلے ترجمہ کا تقابل کیا۔ یہ ثامسطیوس کی شرح تھی"۔ [۲۸]

اس کتاب کے سلسلے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

حنین نے پوری کتاب کا ترجمہ سریانی زبان میں کیا اور بعض مقالوں کا ترجمہ اسحاق نے کیا ثامسطیوس نے اس کتاب کی جو مبسوط شرح لکھی تھی۔ اس کا ترجمہ اسحاق نے ایک خراب نسخے سے کیا پھر ایک عمدہ نسخہ سے مقابلہ کر کے صحیح کیا۔ [۲۹]

علامہ شبلیؒ نے یہ بات شاید مؤلف تاریخ الحکماء کے بیان پر اعتماد کر کے لکھی ہے لیکن الفہرست کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب النفس کا ترجمہ ایک ردی نسخہ سے عربی میں کیا تھا اور ثامسطیوس کی شرح سے پہلے ترجمہ کی تصحیح کی تھی۔

یہی بات رسائل میں علامہ شبلی نے لکھی ہے وہ لکھتے ہیں " کتاب النفس میں نفس کی حقیقت کا بیان ہے حنین نے اس کا ترجمہ کیا اسحٰق نے دو ترجمہ ناقص اور کامل کیے۔ [۳۰]

(۴) **کتاب السماء والعالم**:۔ یہ بھی ارسطو کی مشہور تصنیف ہے جیسا کہ نام سے معلوم ہے کہ اس کا موضوع عناصر اربعہ اور فلک ہے۔ [۳۱] یہ چار مقالات پر مشتمل ہے۔ اس کا ترجمہ یوحنا بن بطریق نے کیا اغلب یہی ہے کہ عربی زبان میں کیا ہوگا لیکن چوں کہ یوحنا بن بطریق لاطینی زبان کا مشہور

---

[۲۸] ابن الندیم: الفہرست ص ۵۹۰ · طبع لاہور ۱۹۶۹ء

[۲۹] علامہ شبلیؒ رسائل شبلی، ص ۲۱۳ طبع اول دہلی سنہ ندارد

[۳۰] ″ ″ ″ ۳۰۲ ″ علی گڑھ ۱۸۹۸ء

[۳۱] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

مترجم تھا اور عربی زبان میں اس کی شہرت نہیں تھی اس لیے اس کے ترجمہ کی اصلاح عموماً حنین بن اسحٰق کیا کرتا تھا۔ اور یہ کتاب السماء والعالم" کی اصلاح بھی اسی نے کی ہے اس کے علاوہ ابوبشر متی بن یونس نے بھی اس کے کچھ حصہ کا ترجمہ کیا اسی ترجمۂ متی کی شرح اسکندر نے لکھی ہے۔ ثامطیوس نے اس پوری کتاب کی شرح لکھی ہے۔ جس کا ترجمہ یحییٰ بن عدی نے کیا حنین بن اسحاق نے ثامطیوس کی شرح میں سولہ نئے مسائل کا اضافہ کیا۔ [۳۲] اسی طرح ابوزید بلخی نے اسی کتاب کے کچھ حصوں کی شرح لکھی۔

ابو ہاشم جبائی (متوفی ۳۲۱ھ مطابق ۹۳۳ء) نے اس کتاب کی تردید میں ایک رسالہ لکھا جس کا معتزلی نام التصفح ہے اس کتاب میں اس نے ارسطو کے اصول پر نکتہ چینی کی ہے۔ یحییٰ بن عدی نے جبائی پر نکتہ چینی کی ہے اور کہا ہے کہ جبائی قواعد منطق سے ناآشنا تھا اس لیے اس کی تردید غلط ہے۔ اگر جبائی ان قواعد سے آگاہ ہوتا تو تردید کی کبھی جرأت نہ کرتا۔ اس کتاب کی تلخیص بھی تیار کی گئی ہے ...... قاضی ابوالولید ابن رشد نے اس کا خلاصہ کیا۔ [۳۳]

(۵۱) **کتاب السماع الطبیعی** :- اس کتاب کا دوسرا نام سمع الکیان ہے۔ یہ آٹھ مقالات پر مشتمل ہے۔ اسکندر افردوسی نے اس کی شرح لکھی ہے اس کو عربی میں ابوروح الصابی نے منتقل کیا۔ حنین نے کچھ حصے کا ترجمہ سریانی میں کیا کچھ حصہ کا ترجمہ قسطا اور دمشقی نے کیا فرفوریوس کی تفسیر کا ترجمہ بسیل نے کیا۔

قسطا نے اس کتاب کے ان مقالوں کا ترجمہ کیا جو مواعظ و نصائح پر مشتمل ہیں شیخ بوعلی سینا اور دوسرے علمائے اسلام نے اس کی تفسیر بھی لکھی

---

[۳۲] القفطی، تاریخ الحکماء، ص ۳۰۷، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

[۳۳] علامہ شبلیؒ، مضامین شبلی، ص ۳۱۳ طبع اول دہلی سنہ ندارد

ہے۔[۳۴]

(۶) **کتاب الآثار العلویہ**:- یہ ارسطو کی ایک مشہور زمانہ کتاب ہے جو عناصر سے متعلق ہے یحییٰ بن بطریق نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا۔ انقیدورس نے اس کتاب کی شرح لکھی۔ ابو بشر متی اور ابطری نے اس شرح کا ترجمہ کیا۔ اسکندر نے بھی اس کی شرح لکھی۔ اس کا ترجمہ عربی میں ہو چکا ہے۔ ثامسطیوس نے بھی اس کی شرح لکھی ہے جس کا عربی میں ترجمہ اسحاق نے کیا۔ یحییٰ بن عدی نے بھی اس کتاب کا ترجمہ کیا۔[۳۵]

(۷) **کتاب الاخلاق**:- یہ کتاب بھی ارسطو کی ہے جیسا کہ نام سے معلوم ہے یہ علم الاخلاق پر مشتمل ہے۔ اس میں بارہ مقالے ہیں۔ فرفوریوس نے اس کی شرح لکھی ہے اس کا ترجمہ حنین بن اسحاق نے کیا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ سریانی میں بھی ہوا جس کو اسحاق بن حنین نے کیا کشف الظنون کے مطابق اس میں چار مقالے ہیں لیکن صاحب کشف الظنون کے مطابق اس کے دو حصے ہیں۔ ہر حصہ دو مقالوں پر مشتمل ہے اور ہر مقالہ پھر تین مقالوں پر مشتمل ہے اس طرح بارہ مقالے ہو جاتے ہیں ثامسطیوس نے بھی اس کی شرح لکھی ہے۔[۳۶]

(۸) **کتاب الحس والمحسوس**:- یہ کتاب دو مقالوں پر مشتمل ہے۔ لیکن صاحب کشف الظنون کے مطابق یہ تین مقالات پر مشتمل ہے۔ مؤخر الذکر بیان ہی زیادہ قرین و قیاس ہے کیوں کہ حاجی خلیفہ نے اس کا نسخہ خود دیکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

"کتاب الحس والمحسوس ثلاث مقالات لارسطو قیل لا یعرق لہذا الکتاب نقل وانما الموجود شئ منہ اقول رأیتہ تماماً۔[۳۷]

---

[۳۴] علامہ شبلیؒ، مضامین شبلیؒ ص ۳۱۳ طبع اول دہلی سنہ ندارد۔

[۳۵] القفطی: تاریخ الحکماء ص ۴، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

[۳۶] حاجی خلیفہ: کشف الظنون، ص ۱۳۸۷، جلد دوم، دار الفکر، بیروت ۱۹۸۲ء۔

[۳۷] 〃 〃 〃 ۱۴۱۲ 〃 〃 〃 〃

یعنی کتاب الحس والمحسوس تین مقالات پر مشتمل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کا مکمل ترجمہ موجود نہیں صرف کچھ حصہ ملتا ہے لیکن میں نے اس کتاب کو مکمل شکل میں دیکھا ہے۔ شاید حاجی خلیفہ کا اشارہ تاریخ الحکماء کی طرف ہو کیوں کہ اس میں لکھا ہے کہ۔

"اس کا کوئی صحیح نسخہ نہیں مل سکا ہے۔ اور نہ کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ہاں ابوبشر نے اس کا کچھ حصہ کہیں سے حاصل کر لیا۔"[۳۸]

(۹) **کتاب الولوجیا**:۔ یہ بھی ارسطو کی مشہور کتاب ہے یہ الٰہیات پر مشتمل ہے۔ کندی نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا ہے۔ اور تاریخ الحکماء کے مطابق کندی نے اس کی تفسیر بھی لکھی ہے فرفوریوس مصری نے بھی اس کی تفسیر لکھی ہے جو یورپ میں چھپ گئی ہے۔[۳۹]

(۱۰) **کتاب سوفسطیقا**:۔ یہ کتاب بھی ارسطو کی ہے اس لفظ کے معنی مغالطہ کے ہیں مختلف لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا۔ ابن ناعمہ اور ابو بشر متی نے سریانی میں ترجمہ کیا اور یحییٰ بن عدی نے عربی میں منتقل کیا۔ ابراہیم بن بکوس نے ابن ناعمہ کے ترجمہ کی اصلاح کی۔

تین اشخاص نے اس پر شرحیں لکھیں یعنی قویری، کندی، اور اسکندر ان میں سے مؤخر الذکر کی شرح کے وجود کی نشاندہی صاحب الفہرست نے کی ہے یونان میں حکماء متاخرین کا دور ارسطو سے شروع ہوتا ہے وہ امام الفلسفہ کے نام سے مشہور ہے۔ مسلمانوں نے اس کے فلسفہ کی طرف بہت زیادہ توجہ دی۔ مذکورہ کتب کے علاوہ ارسطو کی دیگر کتب کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا۔ چنانچہ ان میں سے جو کتابیں ساتویں صدی تک موجود تھیں ان کی نشاندہی علامہ ابن ابی اصیبعہ نے کی ہے۔ اس طرح الفہرست اور کشف الظنون میں ان کی کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

---

[۳۸] القفطی، تاریخ الحکماء، ص ۴۰، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

[۳۹] علامہ شبلیؒ، رسائل ص ۲۰۸ طبع علی گڑھ ۱۸۹۸ء

علامہ شبلیؒ نے رسائل میں علامہ ابن ابی اصیبعہ کی فہرست کو درج کیا ہے جس کو تطویل کے خوف سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

ثاؤفرسطس (۳۱۰ ق م) ارسطو کا خاص شاگرد تھا اور ارسطو نے اس کو اپنے مدرسے کا جانشین مقرر کیا تھا۔ فلسفہ میں اس کی بھی متعدد تصانیف ہیں اس کے علاوہ اسکندر افرودیسی دمشقی (۱۲۶ء) نے ارسطو کی تصانیف پر کثرت سے شرحیں لکھیں۔ اس کی شرحیں اور مستقل تصنیفات دونوں عربی میں ترجمہ کی گئیں۔

ذیل میں ہم "عصر المامون کی بنیاد پر فلسفیانہ تراجم کی فہرست" درج کر رہے ہیں جس سے مترجمین کے بارے میں اور ان کے ادوار کی کیفیت سے متعلق تحقیقی معلومات کا اضافہ ممکن ہو گا۔

کتب ارسطو

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	کیفیت
۱	کتاب الکون والفساد	حنین، اسحاق ابوعثمان دمشقی	سریانی میں اس کا ترجمہ حنین نے کیا پھر اسحاق اور دمشقی نے اس کو عربی میں منتقل کیا اس میں انقلابات عناصر کا بیان ہے۔
۲	کتاب الٰہیات (کتاب الحروف)	حنین، اسحاق یحییٰ بن عدی	حنین نے ایک مقالہ کا ترجمہ سریانی میں کیا اور اسحاق نے چند مقالات کا ترجمہ عربی میں کیا۔ یحییٰ بن عدی نے ایک مقالہ کا ترجمہ کیا۔ یہ یونانی حروف تہجی کی ترتیب پر ہے
۳	کتاب النفس	حنین واسحٰق	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے اس میں نفس کی حقیقت کا بیان ہے۔
۴	کتاب السماء والعالم	ابن البطریق متی بن یونس	اس میں عناصر اربعہ اور فلک کا بیان ہے۔ یہ چار مقالات پر مشتمل ہے اس کی تلخیص اسکندر افرودسی نے کی ہے۔
۵	کتاب الحس والمحسوس	نامعلوم	یہ کتاب دو مقالات پر مشتمل ہے، اس میں حس کے اسباب اور علل سے بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کی

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	کیفیت
			تلخیص ابن رشد نے کی ہے کشف الظنون میں تین مقالات کا ذکر ہے۔
٦	کتاب الآثار العلویہ	ابو بشر متی یحییٰ بن عدی	اسکندر نے اس کی شرح لکھی جس کا ترجمہ یحییٰ بن عدی نے کیا اور امقیدورس کی شرح کا ترجمہ ابو بشر متی نے کیا۔ اس میں عناصر کا بیان ہے یہ چار مقالات پر مشتمل ہے۔
٧	کتاب اثولوجیا	کندی	فرفورس مصری نے اس کتاب کی شرح لکھی۔ کندی نے بھی اس کی تفسیر کی ہے۔
٨	کتاب الاخلاق	اسحق بن حنین	فرفوریوس نے اس کے بارہ مقالے کی تفسیر لکھی اس کا ترجمہ حنین نے کیا
٩	کتاب السماع الطبیعی	ابو روح الصابی حنین، قسطا دمشقی	یہ کتاب آٹھ مقالات پر مشتمل ہے یہ مواعظ و نصائح سے متعلق ہے اس کی تفسیر شیخ بوعلی سینا نے کی ہے۔
١٠	کتاب سوفسطیقا	ابو ناعمہ، ابو بشر متی یحییٰ بن عدی	یہ حکمت اور دانائی پر مشتمل ہے۔

کتب افلاطون

نمبر شمار	نام کتاب	مترجم	کیفیت
۱	کتاب طیماوس	یحیٰی بن بطریق حنین بن اسحٰق	یہ تین مقالات پر مشتمل ہے۔
۲	کتاب التوحید	یحیٰی بن عدی	یہ بھی الٰہیات سے متعلق ہے۔

ان دو کتابوں کے علاوہ فلسفہ سے متعلق دیگر کتابیں بھی افلاطون کی طرف منسوب ہیں۔ جن کے مترجم یا شارح کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ ایک کتاب العقل والنفس والجوہر افلاطون کی طرف منسوب ہے۔ افلاطون المتوفی ۳۴۷ ق۔م سقراط کا شاگرد تھا جس نے ایتھنز میں فلسفہ کا ایک اسکول قائم کیا اور فلسفہ پر لیکچر دینا شروع کیا اُس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں تصنیفات میں اُس کا طرز یہ تھا کہ فرضی اشخاص کی زبان سے مسائل بیان کرتا تھا اور کتاب کا نام انہیں لوگوں کے نام رکھتا تھا۔ اس طرح چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) کتاب ارسطو۔
(۲) کتاب لاحس۔
(۳) کتاب خرمیدس
(۴) کتاب غورجیاس
(۵) کتاب سوفسطس
(۶) کتاب اوتوذیمس
(۷) کتاب قریطن
(۸) کتاب فراطولس
(۹) کتاب ایرخس
(۱۰) کتاب مینس

اسے باب کی تیاری میں بہت سی دشواریوں کا سامنا ہوا کیونکہ اصل تراجم کے نسخوں کا حصول بہت مشکل تھا۔ بتوفیق ایزدی کچھ نسخے دستیاب

بھی ہو گئے ۔ اس سے تحقیقی کام میں بہت مدد ملی ۔ خاصکر حکیم ظل الرحمٰن کی ذاتی لائبریری بڑی کارآمد ثابت ہوئی ۔

ذیل میں ہم رسالۂ نبیذ کا عکس شامل کر رہے ہیں جو قسطا کا ترجمہ شدہ نسخہ ہے اصل کتاب کو یونانی حکیم روفس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ۔

عکس مقالہ :- رسالہ نبیذ قسطا بن لوقا (برپشت)

مقالہ روفس در نبیذ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قوبل مع الاصل

۲۰ جمادی الاولے

سنہ ۱۱۵۸

مقالة روفس في وليمة حضرها ان كان يجب ان يتشاغل في الولائم بكلام فانه ليس بالخطر فيما ارى الذي تجل كلامه في امر النبيذ وان انا اخذت في ذلك لم اكن خارجا عما اراه هوابا ولا عمائرونه انتم ايضا لذلك ان انا بدأت فاخذت اولا بمنافع النبيذ المصالح المولدة لدوام صحة البدن والحادثة عنه ثم اتبع ذلك بما ينبغي ان يتدبر به من يغرم على شرب النبيذ ليكون ان شربه يسر بشربه ولا يتاذى به ثم اتبع ذلك بما ينبغي ان يتعالج به في اتفق له ان يسكر ليفيق في سكره سريعا ولا يناله كثير ضرر واما اصناف النبيذ وانها محمودة وانها مذمومة فليس بنا الى ذكر ذلك حاجة لانه خارج عن غرضنا الذي قصدنا له فاقول ان افعال النبيذ ومنافعه كثيرة ولا اظن ان احدا يجهل جمتها وانا ذاكر الآن منها ما كان مؤديا الى الحث على شربه فاقول ان النبيذ يهضم الطعام هضما جيدا وقد ينبغي ان يفهم مني في الهضم انه جيد ادر دي لي لست اعني بذلك الهضم الذي يكون في المعدة فقط لان الغذا ينفذ في البدن كلته فينهضم في كل واحد في الاعضاء وهتشبه فيزيد في جوهره

وهذا الفعل انما يكون بالحرارة ولن يوجد شي يعين هذه
الحرارة ويقويها كالنبيذ اذ كان حارا ملايما لحرارة البدن خاصا
بالطبيعة وان انت غذوت رجلين غذاء واحدا وجعلت
شرب احدهما الما والاخر النبيذ علمت علما يقينا انك ستجد بين
الرجلين في اختلاف مقدار الحرارة فيهما مقدارا كثيرا جدا
واذا انهضم الغذا في المعدة واعضاء البدن جميعا هضما
جيدا كان ذلك معينا على دوام صحة البدن وعلى تقوية
ذا بدا نيها فان كان القوة التي فيها قد تنمو وتزيد بالحرارة
اذا كانت الحرارة متزيدة تزيدا معتدلا ستويا محمودا ولون
البدن ايضا قد يشرق ويحسن عند شرب النبيذ اذ كان النبيذ
يزيد في حرارته ودمه وان انت فكرت في نفسك
في فضل الرجل على قوة المراة وجدت ذلك مشابها
لفضل قوة النبيذ على قوة المأ ورا كان ذلك كذلك
مظاهران وان فلك منه كان داعيا الى شرب النبيذ
ناغا لشهوته فاما الاشيا اليابس مثل التمر المقلو المجفف
المصري ومثل الحمص المقلو فانهما اقل ضررا لما فيهما في
درورا لبول واما اللوز وجوز السرو والجوز الاحسر والخوخ
المجفف وغير ذلك مما يرى لحراة فكلها يصدع الراس و
في اجل الكثير ممن يشرب النبيذ قد يتخذا مالك اكاليل
في رياحين يتصل بها الرور والفع فاني اقول ان
الاكليل المنسوب الى جبهة الله وحذم هيا كله هو الاكليل
المتخذ في زهر القوسج واما اري ان الذي عمل ذلك الا
كليل وجعله اكليلا لكهنة انما فعل ذلك لعلمه بان
زهر العوسج انفع الاساس كلها لواس فان اراد مريد ان
يسعل اكليلا ضرورد كان ذلك طبا لراحة بين البرودة

ولیس اصحاب النبیاء اے شراحوم منهم اے تبوید روهم والا
كلتہ المتخذہ فی الخنج همے اقل لفعا فی الا كلتہ المتخذہ فی الورد
فی كلسہ اطهات واما المتخذہ فی النمام وفی الثبتے وفی آلآ معدد
فی النخار فانها صالحہ للراس وللنها للبیتے فی آلتہ الرور لولا
حالہ وكل لستعمل فی آلتہ العطر فیصدع الراس خلا النصوع
فانہ وان كان دون الاشباء العطرہ فی الرائحہ فقوتہ
فی مقاومتہ السكر ظاهرة فهذا ما احتاج ان لعلم من امر
شرب النبیذ فی الولائم ومن استعمل لم ینلہ من النبیذ
ضرر البتہ لا فی نفسہ ولا فی بدنہ فان احمد علیہ النبیذ
وقوی علیہ خلیفیہ ولیتحرز فی تدبرہ من غد فان كبرا
من الناس اختدعوا باثمل الذی یضرب فانہ یقال
وراُ الخمار بالخمار فانبعوا سكرا بسكر معروت لهم امراض صعبہ
وان كان قد فعلوا لعل ذلك قوم لسلوا من الامراض
لقوہ ابدانهم وصحة اعضائهم فلیس ذلك بموجب عنهم
الخطا فی فعلهم وان كانوا سلموا منہ فمن عرض لہ وجع
الفواد عن كثرہ شرب النبیذ فیشرب الماُ النهار فانہ ینفع بینہ
وقد ینفع شرب الانسون من نطہ النبیذ ولذلك ینبغی
ان سرب من قبل النبیذ علی سبیل الاسفداد لہ ویسرب
منہ فی عذیوم النبیذ فانہ ینفع منفعہ عظیمہ ۃ

علی هذہ الحل ینقی المثانہ ویجلب الرزق وینفع
كل ما كان فی اللحم بیا فجا ویهضم ویحبل الرخاط جید محمود
واذ كان هذا هكذا ینبغی ایها الاخوان ان نشربوا النبیذ
مانا، ہ ولقد ویتوفی ان یبغ بنا شربہ الے كلام یوی موی
الكفر باللہ والمنع من الحركات بلی یكو شرب شربا لا یمنعنا
فی القیام بحق اللہ جل ذكرہ فی فرائضہ ولا یعوقنا عن

الرجوع لا منازله على تثبت من غير خطا ولا تخليط فان
ذلك قبيح ولا يودى الى صحة البدن ولا توقع معه الامراض
الرديئة الصعبة وقد ان لى ان اخبر فى اى حال ينبغى
ان يكون من يريد حضور الوليمة فاقول ان من عزم
على حضور الوليمة محتاج ان يكون هضمه مستويا وان
يكون راسه وسائر بدنه سليما من الاعراض ولا يكون
اتعب بدنه تعبا شديدا او اخلاه من التعب البتة فانه
اذا اتعب بدنه تعبا شديدا احتاج الى اليوم فيمنعه ذلك
عن حضور الوليمة وان لم يتعب بدنه البتة كسل عن شرب
النبيذ واحمد التعب فى ذلك الذى يكونوا بالمشى لانه يخفف من الراس
ويستفرغ البطن ويخرج البول وذلك كله موافق لمن من نوع آخر
عن التعب ايران يخلط المروخ بالوهد الصداع اذا سخن البدن
ورطب وله بعد ذلك يستعمل الاستحمام بالماء الحار ويتوقى
طول اللبث فى الحمام فان ذلك غير موافق وذلك انه
يحلل البدن ويضر بالراس والقلب وذلك اضر الاشياء بمن
اراد شرب النبيذ على ان كثير اضر الناس يستعمل فى ذلك ضد ما
يجب ويرى ان الصواب فيما يفعل وذلك انه يرى ان
فى طول اللبث فى الحمام واخراج العرق به ضررها
مستقيما قوة على شرب النبيذ لانه فيما يزعمون يستفرغ البدن
بالعرق الذى خرج فيملا تلك المواضع الفارغة بالنبيذ فيعين
ذلك على الاكثار من شرب النبيذ فهذا ما احتاج ان اقول
فى هذا المعنى فاما ما ينبغ ذلك فهو ما انه اذا شرب النبيذ
مصرفا ولا يكون شربه لا شرب وقت شربه اياه منعا
لبدنه فى تصرف او مشى او غيره من انواع التعب وقد
يستعمل اصحاب النبيذ القى كثيرا وليست احمده حمدا على كل حال

لحسب ماخوا كثير بمن يستعمل معكم ينبغي ان لا يكره المنقبتي نفسه على القركواهنه شديدة لان ذلك يولد امتلا كثيرة الراس ولا يغف نفسه على ما و منه استدعاء لان البلغم كثيرا ما يخرج في اول الفريبغ كل ما يحتاج الى تنقية في اول دفعة وقد ينبغي ان يستعمل من عرض عليه اكل اخبز وحده في اول طعامه قبل ان ينال شيأ من الطعام وان كان اهل زماننا لا يستعملون ذلك لانا نراهم يقدمون اكل الفجل والحسن و ذلك ليس بصواب لان احدهما يصدع الباس والآخر ينوم ويملا البطن رماحا فاما انا عندا بالجبر وحده فانه معبر على دوام صحة البدن غوي على احتمال النبيذ واذا اتبع باليبوسة التر فيه فاما من رأى ان اكل البصل لقوي على شرب النبيذ و قدمه قبله واحتج في ذلك بقول اوميرس الشاعر فاني ارى ان قول اوميرس فيه صواب ولكن ينبغي ان يستعمل على سبل استعمال الابازير البقول وغيرها جملة الطعام فاما اكله مصرفا فانه ردي ضار بين ذلك من ضرره وردائه بعد اليوم فانه يظهر من حرارة ما رتيه محرقة وان كان يلين البطنه ويدر البول وكانت هذه المعاني قد يقين على شرب النبيذ واحمد الاغذية التي تقدم النبيذ الخبز والراس والدجاج ومن البقول الكرنب وان اكل الكرنب في وسط من شربه حوبصر الكرنب بين الشراب منع الخمار وجملة ما اقول في ذلك ان فمي كان ضر معا على شرب النبيذ فينبغي الا ان يمتلي من الطعام لان المعدة لا تحتمل امتلاء من لكثر يضطر الى ان يرسب الطعام ويطفوا النبيذ في اعلاها فيسرع الى الراس الضور و يكون منه كظة ويعافه الشارب ويميل سر ياد

الاجود لاصحاب النبيذ ان لا يكون ياكلوا طعامهم في اكلة واحدة
لان ذلك يضطرهم الى ان ياكلوا في الاكلة الواحدة مقدارا
كثيرا لكنهم ان قصروا في غذائهم وجعلوا ذلك عشاء، كان
اصلح لهم اوفق وكان ذلك اعون على الشرب لانهم اذا قصروا
في غذائهم وكان بصبرهم ذلك زايدا في شربهم وما يستعمل
من النقل فقد بلنذ ولستطار يكن احمد منه شيأ البتة ودرائونه
يبقى في المعدة غير بهضم ورلدرها الحركات كلها يكون فيمن يشرب
النبيذ باعتدال اجود منها واقوى فيمن يشرب الماء والحركات
التي تحركها منها ما يكون بارادتنا ومنها ما يكون بطبيعتنا ما يكون
لمعان تخصنا فالنبيذ يقويها جميعا ويزيد فيها وقد ارى النبيذ
والاغتذاء ليس بحفظ البدن دون النفس فانا قد نجد
من يشرب النبيذ سريع الحركة الى الاعمال يعملها بسهولة
ونيم اعماله من غير ان ينال له تعب ولا اغيانه وانا ارى
ان اوميرش الشاعر عندما فكر في هذا قال في شعره
في الناس هذا القول والرجل اذا امتلأ من الطعام والشرب
يحارب القوم الشرايب نهاره جميعا ويكون في نفسه حرنا
وفي اعضابه قويا ولا يمل الحرب والقتال حتى يبلغ
الى اقاصيه واداخره فاما الافعال التي يفعلها النبيذ في النفس
من الفرح والسرور ونسيان الاحزان والطرب والانبساط
فليس لي الى ذكرها حاجة لاني لا اظن احدا يجهلها وقد
ارى ان اذكر هذا الامر العجيب من فضائل النبيذ في
شربه وهو انه نافع موافق للناس في الاسنان كلها
والازمان كلها والبلدان كلها وذلك لني قد ارى ان
انيل منه الاطفال والصبيان شيأ ما وان اتخذ الشباب
والاحداث والكهول فاما المشائخ فلن يوجد شراعون

على سلامتهم وصحة ابدانهم منه اذ كانت حاجتهم الى ما يسخنهم
شديدة وكذلك الصبيان قد يحتاجون الى ما يفيدهم حرارة
اذ كانت الحرارة فيهم لم يبلغ بها انتهاها فاما من كان في نهاية
الشباب فانه قد يلائمه بمشابهته اماه وزيادته في جوهره
والقول الذي قلته في النبيذ في الانسان قد اقول مثله
في الازمان وذلك اني لم ار طبيبا فقط ولا متباديا قد بلغ
به مني استقصائيه في امر النبيذ ان يطلق شربه في
الصيف ويمنع منه في الشتاء ويامر استعماله في الخريف وبالا
نقباض عنه في الربيع الا ان يكون ذلك الزيادة والنقصان
والكثرة القلته على سبيل الاستظهار وشدة التوقي بل قد اراهم
يشيرون به في السنة كلها وانا فلست ارى ان في الامصار
المدن موضعا لا يوافق اهله النبيذ وذلك ان المواضع البا
ردة قد يحتاج اهلها الى النبيذ ليسخنهم والوضع الحارة قد يحتاج
اهلها اليه ليرطبهم اذ كانت شدة حرارة البلد ان مادعيس
الشاعر قد قال في ذلك هذا القول ان النبيذ اذا
منه اللصد هي الكثير كان رديا ضارا واذا شربه من
يحسن شربه كان جيدا نافعا ولم تجبريا كيف يمس
قدم واني لاحب محبته شديدا ان اسمع ذلك
من رجل عالم واذا كان ذلك الشاعر لم يخش هذا
فاني ارو مان اخبر بذلك وانه الاكثار من
النبيذ هو ان يتجاوز الرجل فيه مقدار طاقته حتى
يعرض له الخطا في ادابه ويضعف بدنه ويكون
افعاله قبيحة غير مرضية ولا محمودة عند جميع من
يحضره ولذلك قد ينبغي لشارب النبيذ ان يتفقد
نفسه وبدنه ابدا متى انكر رايه وفكره وحركات

بدنه وقوته وجب ان يمسك عنه ولا يمعن
في شربه وما اعلم حد المقدار شربه ومحنة افضل
من هذه وهو محنة قديمة قد استعملها الامم على
غابر الدهور اما الفرس فانهم استعملوها بان جعلوا
شرب النبيذ مصروفا الى المناظرات والمشاورات و
المفاوضات في الراى والتدبر واما اليونانيون فانهم
استعملوا ذلك بحضرتهم بالعيدان ولاخذهم في الغناء و
انشاد والاشعار واستعمال الرقص فانهم بهذه الافعال
يعلمون مقدار ما معهم من الافكار في التميز وقوة
البدن عند شربهم النبيذ وامعانهم فيه وانا ارى
ان مادعيس في قوله انه ينبغي ان الشرب النبيذ
عند شربهم النبيذ من يحسن شربه انما ذهب الى
هذا المعنى بعينه ولم يرد منع الناس من الاكثار
منه البتة لان من احسن شربه استعمل في شربه
المعاني التي يعرف بها مقدار تميزه وقوة بدنه في سدنه
فلا يحمل نفسه على ذهاب عقله وقوة بدنه
ولا يمنع من بلوغ غايته فيه ولو ان ذلك
كذلك ما كان معنى قوله ان يحسن الانسان
شرب النبيذ اذا كان انما يشرب منه كل يوم مقدارا
يسيرا يقوم مقام الدواء الذي يتعالج به الذي لا
يوجد منه الا مبلغ معروف او مكيل فاما من يحسن
شربه فينبغي ان يعرف مقدار ما يجب ان يشرب
في وقت وحال حال وبعد ذلك المقدار

على قدر الاوقات والحالات فان شربه بعد
التعب والطعام يجب ان يكون مقدار قطع العطش
وشربه في الولائم وفي الافراح يجب ان يكون
بمقدارا ولوب والسرور ونسيان الاشياء التي يولم
بنفس ذكرها فاذا جرى الامر في شرب النبيذ هذا
المجرى انتفع به البدن منفعة كثيرا فانه يتبسم وقد
بلغ من شهوة الناس النبيذ ان صاروا اذا اتفق موضع
لا لوجد فيه النبيذ يحتالون باشياءً مشاكلة له وان
قدر احسد ان باني اهل هذه الامصار التي لا يوجد
فيها النبيذ ويتخذ ما يستعملونه فيها بدلا من النبيذ المتخذ
من التريتب والتين لا شرابا صحيحا فانهم يقدمونه
لا محالة بل اقول مثلا انهم يعبدونه عبادة وقد
يمكن في النبيذ ان يقام مقام الطعام وذلك من كانت
به الشهوة الطبية من خلي والطعام اكل وايما ولم
يشبع وان سقي من النبيذ الشي اليسيرا عان شبعه و
اذهب يكوعه ويقطع شرب النبيذ لم نعطش مالا
لقطعه الماء وذلك في العطش الشديد المفرط وكيف
لا سخن النبيذ المشايخ اكثر من الماء اذ كان يذهب
برداء باثما ويغر من جناياته وآفاته اذا اعوزنا الماء
العذب ولم نجد الماء يا فا شيا فليس نجد ما يصلح به
رداءة الماء ونادة اقوى فعلا من النبيذ وكذلك كلمه
ما وا ستبضاء امر من ليكى السباخ والمواضع التي الرديه المياه
ان يمزجوا مياه بالنبيذ ويشربوها به وكذلك في المواضع

التي يكون المياه فيها مالحة وفي المواضع التي يكون فيها
آفتة اخرى نقدها وايضا فانه وان كانت مالحة
والمواضع التي المياه محمودة يحتاج فيها الى مزجها بالنبيذ
اختلافها او تغيرها وان كان جميعا جيدا طيبا فاما
المياه الباردة ومياه الثلوج فانها قد تضر مضرة
عظيمة جدا ان هي شربت مفردة وحدها من غير
ان يمزج بها نبيذ فانها قد تولد انفجار غروق في الصدد
ونفث الدم ووجع البطن وخدرا وفسخا دقيق النفس
وفالجا فاذا خالطتها حرارة النبيذ معها يضدها من
الاسلذا وقد يمنعها من الضرفاما منافع النبيذ للمرضى
على سبيل العلاج به وانا متبين مقام الذوم فاني ان
اخذت فيه احتجت الى ان اقول فيه قولا كثيرا وانا
قابل فيه في كتاب آخر اذ ليس غرضي في هذ الكتاب
الان باحثي في هذ الموضع هل في الاكثار من
شرب النبيذ منفعة ام لا وذلك ان في الولائم تدفع
للناس في شرب النبيذ حرار وتغالب فتجب كل واحد
ممن حضر الوليمة ان يكون اكثرهم شربا وان يتجاوزهم
في مقدار ما ينال من النبيذ فلننظر ذلك ولنفحص عنه فنقول

ملحوظہ رسالۂ نبیذ

یہ رسالہ مشہور رومی حکیم روفس (متوفی ۰۰۱ عیسوی) کی تالیف ہے اس کو مشہور عیسائی مترجم قسطا ابن لوقا نے دور عباسی میں عربی میں ترجمہ کیا۔ روفس جالینوس سے پہلے گذرا ہے اس طبیب نے علم التشریح کے سلسلے میں عظیم الشان کارنامہ انجام دیا اور اس علم میں بہت سے ضافے کئے اس رسالے میں روفس نے نبیذ کے منافع پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور حفظان صحت سے متعلق اس کے فوائد اور دیگر طبی و منافع و مضرات کا تذکرہ کیا ہے یہ مؤلف کے ذاتی تجربات پر مبنی ہے اس نے یونان کے دو مشہور شعراء کی طرف بھی اس سلسلے میں اشارے کئے ہیں یونانی سماج میں نبیذ کی اہمیت پر بھی تبصرہ کیا ہے اسی طرح یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ نبیذ کا استعمال روفس کے مطابق یونانی اس وقت کرتے تھے جب وہ عیش و طرب کی مجلس جماتے تھے جبکہ فارسی لوگ علمی مجلسوں میں اس کا استعمال کرتے تھے روفس نے نبیذ کے اقسام کو نہیں بتایا صرف اس کے عام فوائد کا ذکر کیا ہے کہ نبیذ جسمانی حرارت کو مناسب طریقے سے برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے اور قوت ہاضمہ کو بھی تیز کرتا ہے۔

گیارہواں باب

خاتمۃ الکلام

اس باب میں گذشتہ مباحث کا خلاصہ پیش کیا جائیگا جس سے پورے کام کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔

جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ بعثت نبویؐ (۴۱ عام الفیل مطابق ۶۱۱ء) سے قبل عرب گھٹا ٹوپ اندھیرے میں پڑے ہوتے تھے۔ پھر ہدایت کی روشنی سے فیضیاب ہونے کے بعد انہوں نے اس نور ہدایت کے ذریعہ جزیرۃ عرب کے تمام ظلمت کدہ گوشوں کو منور کرنے عزم کیا اور اس کیلئے بھرپور جد و جہد بھی کی۔ لیکن جس طرح ایک سیلاب کو روکنے کے لئے اس کی روانی کو دھیما کرنے کے لئے درمیان میں بہت سی چیزیں سد راہ ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اس سیل ہدایت کو روکنے کے لئے بہت سی شیطانی و طاغوتی قوتیں ابھر آئیں ان قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر طرح کے ہتھیاروں کا استعمال ناگزیر ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں فتوحات کی عظیم تحریک پیدا ہوئی۔

۴۰ھ مطابق ۶۶۱ء میں خلافت راشدہ کا دور ختم ہو جاتا ہے اور خلافت بنوامیہ[1] کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اس وقت عرب مسلمان دنیا کے

---

[1] خلافت بنوامیہ خلافت راشدہ کے بعد شروع ہوتی ہے۔ بنوامیہ کے تخت نشین ہو جانے سے صرف خاندانوں کا تبادلہ ہی نہیں ہوا۔ بلکہ اصول و ضوابط کی کایا پلٹ گئی۔ بدعات کا آغاز ہو گیا۔ ان کے عہد میں فتوحات بہت ہوئیں اور سلطنتِ اسلام کو عروج حاصل ہوا۔ ان کی مدت خلافت ۹۲ سال ہے (۴۰ھ مطابق ۶۶۱ء سے ۱۳۲ھ/۷۵۰ء تک) اس عہد میں چودہ ۱۴ خلفاء ہوئے۔ یونانی علوم سے استفادہ کے آغاز کا عہد بھی یہی ہے۔

دور دراز گوشوں میں پھیل چکے تھے۔ اور بہت حد تک حکومت کو استقرارِ حاصل ہو چکا تھا۔ جب مسلمانانِ عرب فتح کی عظیم تحریک سے فارغ ہوتے اور انہوں نے اپنے مفتوحہ شہروں میں اچھی طرح اقتدار حاصل کر لیا تو وہ ایک دوسری عظیم تحریک کی طرف متوجہ ہوتے جسے ہم علمی، ثقافتی اور فکری تحریک کہہ سکتے ہیں اس تحریک نے ان کے شوق کو ابھارا اور قریب اور دور کی قوموں سے اپنی بہترین امکانی صلاحیتوں کی بنیاد پر کچھ اخذ کرنے کا ان میں داعیہ پیدا ہوا۔

اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ حصولِ علم کے لئے ابھارا۔ پہلی آیت جو حضورِ پُر نورؐ پر نازل ہوئی تھی وہ یہ تھی:

"اقرأ باسم ربک الذی خلق" (سورۃ العلق)

ترجمہ:۔ "پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا"۔

یہ آیت ایک امر کے صیغہ پر مشتمل ہے جو قرأت کو واجب قرار دیتی ہے۔ اور پڑھنا ہی سارے علوم کی کنجی ہے اسی طرح ایک مشہور حدیث میں علم کی اہمیت واضح کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا۔

"اطلبوا العلم ولو کان بالصین"

ترجمہ:۔ "علم طلب کرو اگرچہ وہ چین میں ہو"

ان اسباب کی بنا پر مسلمانوں میں اس دور میں پھیلے علوم و فنون سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ایک تحریک کی بنیاد پڑی۔ اور اس تحریک کی ابتداء دورِ اموی میں ہوئی۔ ابتداءً یہ عظیم تحریک نقل و ترجمہ کی تحریک بن کر سامنے آئی کیونکہ علوم و فنون کا یہ بیش بہا خزانہ صرف یونانی اور سریانی زبانوں میں دستیاب تھا۔

ترجمہ کا صحیح مفہوم ایک زبان سے دوسری زبان میں کسی مسئلہ کو منتقل کرنا ہے۔ اور دوسری زبانوں سے عربی میں کوئی چیز منتقل کی جائے تو اس کو ہم تعریب کہیں گے۔ اور اس کے برعکس کو تعجیم۔ ترجمہ ایک عام لفظ ہے جو ان دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ ابتداء میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ لفظ فارسی زبان کے لفظ "تراجمان" سے مشتق ہے۔ لیکن جدید تحقیقات سے یہ بات

واضح ہو کر سامنے آئی ہے کہ یہ لفظ آرامی زبان کے فعل "ترجم" سے مشتق ہے۔ اس کا مطلب ہے وعظ، نصیحت کا تشریح کرنا۔ عبرانی لفظ "ترجوم" بھی اصل میں آرامی سے ہی مشتق ہے مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ عراق میں، بنی اسرائیل کے پاس ایک زبان ہے جس کو وہ "ترجوم" کہتے ہیں اس زبان ہ عبرانی تورات کی تفسیر کرتے ہیں[1]

ترجمہ ایک خاص ہتھیار ہے جس کو فن اور تجربہ کو منتقل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا یہ ایک بنیادی چیز ہے کیونکہ یہ علمی اور فنی میدان میں اس بات کی ضرورت ہے کہ لین دین کا ایک تعلق مختلف اقوام کے درمیان قائم ہو۔ تہذیب و تمدن کی تعمیر کے لئے علمی ترجمہ ایک بنیادی کارنامہ ہے۔ علوم و معارف کو ایک قوم سے دوسری قوم تک پہونچانے کے لئے ترجمہ کا عمل لازمی ہے۔ ماضی میں عربوں نے علمی میدان میں ترقی اسی راستے سے کی۔ مختلف اقوام کے علوم و فنون کو ترجمہ کے ذریعہ پہلے اپنے لئے قابلِ استفادہ کیا پھر اس میں اضافہ و تحقیق کے بعد اسے عروج کی منزلوں تک پہونچایا۔

علوم کی تاریخ سے متعلق مزید تحقیقات سے کچھ نئے آرا، منظرِ عام پر آئی ہیں ان میں سے ایک رائے یہ بھی ہے کہ ترجمہ کا کام دورِ عباسی میں شروع نہیں ہوا بلکہ اس سے قبل دور اموی میں اس کی ابتداء ہو چکی تھی اموی سلطنت کے ہر حصہ میں طب، فلسفہ اور مختلف علوم کے مدارس پھیلے ہوئے تھے۔ کچھ مدرسے جندیساپور، اسکندریہ، حرّان اور نصیبین میں تھے۔

اس دور میں علوم و فنون دوسری زبان میں تھے۔ بغیر ترجمہ کی تحریک کے اس کا حصول ممکن نہیں تھا۔ اس کے علاوہ خلفاء، امراء، وزراء کی سیرت پر نگاہ ڈالنے سے ایک دلچسپ چیز جو سامنے ابھر کر آتی ہے

---

[1] المسعودی، التنبیہ والاشراف، ص ۶۹ القاہرۃ ۱۹۳۸ء

وہ علم و ثقافت سے بھرپور دوستی ہے۔ ان کی علم دوستی نے علوم و فنون کو عربی میں منتقل کرنے کے لئے علماء اور فضلاء کو اس کام کے لئے ابھارا اس سلسلے میں تاریخی طور پر ثابت ہے کہ اموی شہزادہ خالد بن یزید بہت بڑا علم نواز تھا۔ وہ اسکندریہ سے علماء کو اپنے پاس بلاتا تھا اور علوم کو سیکھتا تھا۔ اس کا معلم مریانوس راہب تھا۔ جس نے کیمیا گری کی صنعت اسکو سکھائی۔ اسی طرح خلیفہ عبدالملک بن مروان[۳] (۶۵ھ مطابق ۶۸۴ء تا ۸۶ھ مطابق ۷۰۵ء) اپنے زمانے کا عالم و فاضل شخص تھا اور عراق کا گورنر حجاج بن یوسف[۴]

---

[۳] عبدالملک بن مروان: (۶۵ھ مطابق ۶۸۴ء تا ۸۶ھ مطابق ۷۰۵ء) اپنے باپ مروان کے مرنے کے بعد تخت نشین ہوا جب یہ خلیفہ ہوا تو حکومت اسلامیہ دو حصوں میں منقسم تھی۔ نصف حصہ پر عبداللہ بن زبیر کی فرمانروائی تھی۔ اس خلیفہ کی اہمیت اس لئے ہے کہ اس نے مملکت اسلامیہ کو متحد کر دیا اور عربی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا۔ اس نے اپنی سیاست اور ذہانت کی بنا پر حکومتِ اسلامیہ کی جڑیں مضبوط کر دیں۔ یہ خود بہت بڑے عالم تھے۔ بہت بڑے مدبر اور حوصلہ مند سپاہی بھی تھے۔ اپنے دست راست کے ذریعہ ملکی شورش اور اضطراب کو دبا کر سلطنت اسلامیہ کو مستحکم کر دیا اور وہ دست راست حجاج بن یوسف ثقفی تھے۔

[۴] حجاج بن یوسف ثقفی (۹۵ھ مطابق ۷۱۳ء متوفی) ابو محمد حجاج بن یوسف ثقفی طائف شہر کے قبیلہ ثقیف کا ایک گمنام شخص تھا۔ طائف میں ہی رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی لیکن اپنی ذکاوت و ہمت نفس کی بنا پر آسمانِ شہرت پر پہونچ گیا اموی خلیفہ عبدالملک کے زمانے میں کوفہ اور بصرہ کا گورنر بنا اور وہاں کے شورشوں کو دبانے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

عبداللہ بن زبیرؓ کو شکست دینے میں اسی کا ہاتھ تھا۔ یہ تمام عمر عبدالملک اور ولید کی حکومت کا بنیادی ستون رہا۔ اور بمقام واسط انتقال کیا۔

المتوفی سنہ ۹۵ھ مطابق سنہ ۷۱۳ء بھی بہت بڑا ادیب اور علم نواز تھا افسوس کی بات ہے کہ حجاج جیسے ادیب اور فاضل کی شخصیت کے روشن پہلو کو تاریخ میں صحیح طرح پر اجاگر نہیں کیا گیا۔ اس کی شخصیت کے بارے میں جو کچھ عوام میں مشہور ہے وہ یہ کہ حجاج ایک سخت حاکم تھا جس کو دور اموی میں ابھرنے والے فتنوں کو دبانے کے لئے کھڑا کیا گیا تھا۔ لیکن اس کا یہ کارنامہ کہیں ذکر نہیں کیا جاتا کہ اس نے عربی حروف پر نقطہ لگانے کی تحریک چلائی۔ اس کے علاوہ علوم وفنون کی بعض قسمیں ایسی تھیں جس سے عملی نفع حاصل کرنا ممکن تھا۔ شہزادہ خالد بن یزید کو کیمیا گری سے محبت اسی عملی نفع کے حصول کے لئے تھی اسی صنعت سے معدنیات میں تبدیلی پیدا کرنا ممکن ہو جاتا تھا۔ اسی طرح طب اور نجوم سے بھی عملی منافع حاصل ہوتے تھے۔ عباسی خلیفہ منصور کا میلان علم نجوم کی طرف بہت زیادہ تھا۔ اس سلسلے میں اس کے لئے بہت سے تراجم مہیا کئے گئے۔ علم زراعت بھی ایک مفید عمل ہے اس سے بھی عملی منافع حاصل ہوتے تھے۔

عربی میں ترجمہ کا کام اکثر و بیشتر تین زبانوں سے ہوا۔ سریانی، یونانی اور فارسی۔ ان تینوں میں سریانی زبان چونکہ عربی سے بہت قریب تھی، اور اسی وجہ سے اس کے علما، بھی بکثرت موجود تھے۔ اس لئے اس زبان کو علوم کے منتقل کرنے کے لئے زیادہ استعمال کیا گیا۔

سریانی زبان آرامی لہجہ سے نکلی ہے۔ آرامی قوم دراصل سامی قوم تھی اور سریانیوں کی جد اعلیٰ تھی۔ انھوں نے چودھویں اور تیرھویں صدی قبل مسیح میں جزیرۂ خرابتہ اور شمالی شام کے ایک بڑے حصے کو فتح کرلیا تھا۔ دمشق آرامی حکومت کا پایۂ تخت بن گیا تھا اس طرح آرامی قوم تیسری سامی قوم تھی۔ جو جزیرۂ عرب سے نکلی اور جزیرۂ خرابتہ میں سکونت پذیر ہوگئی۔

ان کی زبان کا تعلق مغربی سامی لہجہ سے ہے یہ زبان خاص طور

پر عراق کے شہر الرہا[۵] میں بولی جاتی تھی۔ یہی زبان شام کے گرجا گھروں کی زبان تھی۔ اور علم و ادب کی زبان بھی یہی تھی شام کے باشندے سریانی کہلانے لگے تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر عیسائی مذہب کے پیروکار تھے عربوں کی فتوحات کے بعد بہت مدت تک اہلِ شام سریانی زبان بولتے رہے۔ عربی اور سریانی میں ایک گونہ مماثلت پائی جاتی تھی۔ زید بن ثابت انصاری کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا۔ میں ایک قوم کی طرف خط ارسال کرتا ہوں اور مجھے خوف لاحق ہوتا ہے کہ وہ اس میں کمی بیشی نہ کر دیں۔ پس تم سریانی زبان سیکھ لو۔ تو میں نے سترہ دنوں میں یہ زبان سیکھ لی۔[۶]

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ سریانی اور عربی ایک ہی اصل سے نکلی ہوئی ہیں اور یہ کہ دونوں قوموں کی اصل اور خون ایک ہے۔ اور دونوں جزیرہ عرب سے تاریخ کے مختلف ادوار میں منتقل ہوئے اس طرح عربی زبان کے لئے سریانی زبان پر غلبہ آسان ہو گیا۔ یہی زبان ایک وسیلہ تھی جس کے ذریعہ سریانی لوگ کتاب کا ترجمہ اور شرح کر کے یونانی علوم اور فلسفہ کو مختلف گوشوں میں پھیلاتے تھے۔ اسی زبان میں افلاطون کی شروحات اشاعت پذیر ہوئیں سریانیوں نے ترجمہ کے ذریعہ عالم عربی کی طرف یونانی علوم اور فلسفہ کو منتقل کیا اس طرح گذشتہ باتوں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سریانی زبان کا ترجمہ کے سلسلہ میں بہت ہی اہم کردار رہا ہے۔ یونانی علوم کا ترجمہ اس زبان میں بہت امانت داری سے کیا گیا ہے کبھی کبھی بالکل

---

[۵] الرھا: یہ بین النہرین کا ایک مشہور ہے۔ اپنے علمی مراکز کی وجہ سے تیسری صدی سے پانچویں صدی تک یہ شہر بہت شہرت کا مالک تھا یہاں تک کہ یہ ثقافت، ادب اور طب کا مرکزی مقام ہو گیا۔ ترجمہ کی ابتدا اس شہر کی خانقاہوں میں ہوئی اس شہر کی خاص زبان سریانی تھی

[۶] احمد امین، فجر الاسلام، ص ۱۴۲

لفظی ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ مگر لفظی ترجمہ بہت سے سریانی مترجمین کے نزدیک معیوب تھا ان ترجموں میں بہت سی لفظی غلطیاں بھی ملتی ہیں۔ مترجمین جب کسی یونانی لفظ کے معنی کو نہیں سمجھ پاتے تھے تو صرف سریانی حروف میں اس کو نقل کر دیتے تھے۔

ترجمہ کے سلسلہ میں خانقاہوں کا کردار بہت اہم تھا۔ اس کا تجربہ پانچویں صدی عیسوی کے شروع میں ہوا۔ جب کہ جبل ازل کے دامن میں پہلی خانقاہ بنائی گئی۔ خانقاہ کے چبوتروں پر بحث ومباحثہ کیلئے راہبین جمع ہوا کرتے تھے حنین بن اسحاق نے اپنی کتاب ”تراجم جالینوس“ میں لکھا ہے کہ ہمارے نصاریٰ بھائی ملک شام میں ان دنوں اس بات کے عادی ہیں کہ مجلسیں جماتے ہیں اور تدریسی ادارے بھی چلاتے ہیں۔ جنکو اسکول کہتے ہیں۔

سریانی میں ترجمہ کے سلسلہ میں دو اسکول موجود تھے۔ انطاکیہ کا اسکول اور دوسرا اسکندریہ کا اسکول۔ پہلا اسکول سینٹ اغناطیوس نورانی کی تعلیمات کے اثر سے پیدا ہوا۔ یہ کتاب مقدس کے لفظی ترجمہ پر زور دیتا تھا اور نحوی قواعد کی طرف بھی خاص طور پر دھیان دیتا تھا کثرت سے حاشیے قائم کرنے پر زور دیتا تھا۔ نسطوری سریانی علماء کے نزدیک یہی طریقہ اہم اور قابلِ قبول تھا۔ دوسرا اسکول سینٹ اوریجین اسکندری (۱۸۵ء تا ۲۵۴ء) کی تعلیمات کے اثر سے پیدا ہوا۔ اس نے توضیحی ترجمہ کی اجازت دی تھی یہ لوگ افلاطون کے فلسفہ کے متبع تھے۔

گذشتہ بیانات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سریانی زبان علوم کو منتقل کرنے کے لئے سب سے اہم ذریعہ تھی اور عربی میں علوم کے اکثر تراجم اسی زبان کے توسط سے منظر عام پر آئے۔ دوسرے درجہ میں یونانی زبان تھی۔ اگرچہ علوم اسی زبان میں صفحہ قرطاس پر آئے اور عربی میں منتقل ہوئے یونانی تہذیب وہ سرچشمہ تھی جس سے عربوں نے دوسروں کی بہ نسبت خوب سیرابی حاصل کی۔ بطلیموس کی کتاب ”المجسطی“ کا انھوں نے ترجمہ کیا اور

کچھ بقراط اور جالینوس کی طبی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ عربی میں بہت سے تراجم اسی زبان کے توسط سے کئے گئے۔ کچھ تراجم پہلے یونانی سے سریانی میں اور پھر سریانی سے عربی میں کئے جاتے تھے، مورخ مسعودی نے حضرت امیر معاویہ کے روزنامچے کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ وہ ایک تہائی رات کے بعد اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور سلاطین کی سیرت اور ان کی تاریخ کا مطالعہ کیا کرتے تھے[7]۔ جرجی زیدان[8] اس سلسلہ میں کہتا ہے کہ یہ تاریخی کتابیں لاطینی اور یونانی میں تھیں۔ لوگ امیر معاویہ کو اس کا ترجمہ عربی زبان میں کر کے سناتے تھے[9]۔ اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہے کہ ثابت بن قرہ نے ابلینوس کی کتاب "المخروطات" کا یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا حنین نے خلیفہ واثق کے لئے اقلیدس کی کتاب الاصول کا یونانی سے ترجمہ کیا۔ ثابت بن قرہ نے اس کی دوبارہ اصلاح کی[10] اسی طرح اور بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یونانی زبان سے بے شمار کتابیں عربی میں منتقل ہوئی ہیں۔

---

[7] المسعودی، مروج الذھب، ج ۲، ص ۳۱ طبعۃ القاہرہ ۱۹۶۶ء

[8] جرجی زیدان: المتوفی ۱۹۱۴ء مصر کا ایک بہت بڑا مورخ اور صحافی مشہور جریدہ "الہلال" کا ایڈیٹر تھا۔ بیروت میں پیدا ہوا اور وہیں اپنی تعلیم مکمل کی۔ ۱۸۸۵ء میں مصر چلا گیا اور مختلف مراحل سے گزر کر ۱۸۹۲ء میں "الہلال" شائع کیا۔ اور آخر تک پوری شان سے نکالتا رہا۔

اس کی اسلامی تاریخی ناولیں جو تقریباً اکیس ہیں بہت مشہور ہیں مختلف علوم وفنون پر اس نے قلم اٹھایا مگر اس کی شہرت مورخ اور صحافی کی حیثیت سے ہی مسلم ہے۔

[9] جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، ج ۱، ص ۳۵۲، طبع الہلال القاہرہ ۱۹۲۰ء۔

[10] القفطی، تاریخ الحکماء، ص ۳۹۸، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

فارسی اور سنسکرت زبانوں سے بھی عربی میں تراجم ہوئے۔ مگر سریانی اور یونانی کی بہ نسبت ان کی تعداد بہت کم ہے۔ فارسی سے ترجمہ کرنے والوں میں عبداللہ بن المقفع اور فضل بن نوبخت اور عمر بن فرخان طبری کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اول الذکر کے تراجم میں سے کلیلہ ودمنہ، الادب الکبیر اور الادب الصغیر۔ اور فضل کے تراجم میں سے کتاب المدخل اور کتاب الموالید اور عمر بن فرخان کے تراجم میں سے کتاب المحاسن، کتاب اتفاق الفلاسفہ، واختلافہم فی الخطوط ہیں۔

سنسکرت سے بھی عربی زبان میں تراجم ہوئے۔ مگر سابق زبانوں کی بہ نسبت اس سے بہت کم تراجم ہوئے ہیں سنسکرت سے جن مؤلفین کی کتابوں کے تراجم عربی میں ہوئے ان میں شاناق، کنکہ، منکہ، جوور، صالح بن بہلہ ہندی کے نام معروف ہیں۔

شاناق کی مشہور کتاب "کتاب السموم" ہے[۱۱]۔ ابوحاتم بلخی نے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کی دوسری کتابیں کتاب البیطرۃ" اور کتاب فی النجوم" ہیں[۱۲]۔

ترجمہ کے سلسلہ میں ایک بات جو بہت اہم اور قابل ذکر ہے وہ مراحل ترجمہ کی تعیین ہے عموماً مورخین اس کی تجدید دورِ عباسی سے کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی ابتداء دورِ اموی میں ہو چکی تھی۔ ترجمہ کے عمل کو ہم چار مراحل میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) عہد اموی (۴۰ھ مطابق ۶۶۱ء سے ۱۳۲ھ مطابق ۷۵۰ء تک)

(۲) عہد عباسی (اس کے تین مراحل ہیں) پہلا مرحلہ ۱۳۶ھ مطابق ۷۵۴ء سے ۱۹۸ھ مطابق ۸۱۳ء تک: دوسرا مرحلہ ۱۹۸ھ مطابق ۸۱۳ء سے

---

[۱۱] ابن ابی اصیبعہ، عیون الابنار فی طبقات الاطباء، ص ۳۲، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

[۱۲] ایضاً۔

۳۰۰ھ مطابق ۹۱۲ء تک۔ تیسرا مرحلہ ۳۰۰ھ مطابق ۹۱۲ء سے آگے تک۔

یہ حقیقت سامنے آچکی ہے کہ دور اموی میں ترجمہ کا کام ہوا اور اس کا اچھا ماحول بھی پیدا ہو چکا تھا۔ مستشرق نلیلنو کی رائے ہے کہ عربی میں سب سے پہلا ترجمہ ۱۲۵ھ مطابق ۷۴۲ء میں ہوا۔ یعنی عہد اموی کے اخیر میں۔ کیونکہ یہ دور ۱۳۲ھ مطابق ۷۵۰ء میں ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرے مورخین کی رائے وہی ہے جس کو ابن الندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں نقل کیا ہے کہ ۴۹ھ مطابق ۶۶۹ء کے قریب سب سے پہلے خالد بن یزید کے ہاتھوں عربی میں ترجمہ کا کام ہوا۔ فلپ حتی کی رائے ہے کہ سب سے پہلا ترجمہ ماسرجویہ نے تقریباً ۹۰ھ مطابق ۷۰۸ء میں کیا۔ اس کام کی داغ بیل حضرت امیر معاویہ کے ہاتھوں پڑ چکی تھی۔ یعنی ترجمہ کی ابتدا عہد اموی کے ابتدا سے ہی ہو چکی تھی[۱۳]۔ جن کتابوں کا ترجمہ امیر معاویہ یا ان کے بعد فوراً عمل میں آیا ان میں سے وہ کتاب بھی تھی جس کو شاہ چین نے امیر معاویہ کے لئے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ اس کتاب میں کیمیاگری کی تعلیم تھی یہ کتاب خالد بن یزید کے ہاتھ لگی جو آل مروان کا عالم و فاضل تھا اور اس نے یونانی فلاسفہ کو مصر سے بلایا اور یونانی و قبطی زبانوں میں موجود کیمیا کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا[۱۴]۔

ابن الندیم دوسری جگہ کہتا ہے کہ اصطفن نے سب سے پہلے طب، نجوم اور کیمیا، کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا[۱۵]۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خالد کے بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔

علی سامی النشار کہتا ہے کہ مسلمان یونانی منطق سے عہد اموی میں ہی واقف

---

[۱۳] لطف اللہ القاری، بدایات الترجمۃ فی العہد الاسلامی، ص ۲۸۵ (مجلۃ ابحاث المؤتمر السنوی السادس حلب ۱۹۸۴ء)

[۱۴] ابن الندیم، الفہرست، ص ۳۵۲۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۶۹ء

[۱۵] ایضاً۔ ص ۳۵۴

ہو چکے تھے۔ کیونکہ خالد بن یزید نے اور جاتون کا ترجمہ یونانی سے عربی میں کرایا[16]۔

ماسرجیوس نے اھرن کی ایک طبی کتاب کا ترجمہ عربی زبان میں کیا جو کناش آھرن کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں تیس مضامین تھے۔ ماسرجیوس نے اس میں مزید دو اور مضامین کا اضافہ کیا[17]۔ یہ کتاب یونانی زبان میں تھی۔ پھر اس کا ترجمہ سریانی میں ہوا۔ پھر ماسرجیوس نے اس کا ترجمہ سریانی سے عربی میں کیا۔

یہ ترجمہ بنوامیہ کے حکام کے پاس قصر خلافت میں موجود تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (متوفی سنہ ۱۰۲ھ مطابق سنہ ۷۲۰ء) کے حکم سے اس کی اشاعت رفاہِ عام کے لئے چالیس دن تک استخارہ کے بعد کی گئی[18]۔

ہشام[19] بن عبدالملک کے زمانے میں بہت سی کتابوں کے ترجمے ہوئے مورخ مسعودی نے کہا ہے کہ میں نے فارس کے شہر اصطخر میں سنہ ۳۳۲ھ مطابق سنہ ۹۴۳ء میں ایک موٹی کتاب دیکھی اس میں بادشاہوں کی خبریں اور ان کی سیاست کا تذکرہ تھا[20]۔ فارسی سے عربی میں اس کا ترجمہ ہشام بن عبدالملک

---

[16] علی سامی النشار، مناہج البحث ص ۲۴ (بحوالہ مجلہ ابحاث طبع حلب سنہ ۱۹۸۴ء)

[17] ابن الندیم، الفہرست، ص ۴۲۸، طبع لاہور سنہ ۱۹۶۹ء

[18] ابن جلجل، طبقات الاطباء والحکماء، ص ۶۳، طبع القاہرہ سنہ ۱۹۵۵ء

[19] ابوالولید ہشام بن عبدالملک سنہ ۷۲ھ مطابق سنہ ۶۹۱ء میں پیدا ہوا۔ جب یزید بن عبدالملک کا انتقال ہوا تو ہشام حمص میں مقیم تھا یزید بن عبدالملک کی موت کی خبر اس کو ملی تو دمشق آیا اور لوگوں سے اپنی خلافت کی بیعت لی۔ اس نے ابن ھبیرۃ کو عراق سے معزول کر کے اس کی جگہ خالد بن عبداللہ قسری کو عراق کی حکومت دیدی۔ اس نے احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا اور خزانۃ الکتب میں ان کو داخل کیا۔ اس کی وفات سنہ ۱۲۵ھ مطابق سنہ ۷۴۳ء میں ہوئی۔

[20] المسعودی، التنبیہ والاشراف، ص ۱۰۶، طبع القاہرہ سنہ ۱۹۳۸ء

کے لئے کیا گیا۔ اسی طرح کتاب البنیزرہ جو پرندوں کے علاج سے متعلق ہے اس کا عربی میں ترجمہ ھشام کے لئے کیا گیا۔

سالم بن عبد الرحمٰن جو ھشام بن عبد الملک کا میر منشی تھا وہ عہد اموی کا ایک مشہور مترجم تھا اور ترجمہ شدہ کتابوں کی اصلاح بھی کیا کرتا تھا۔

اس دور کے مترجمین پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے کے لئے ہم ذیل میں ان کے نام اور ترجمہ شدہ کتابوں کی ایک فہرست درج کرتے ھیں۔

ابن اثال :- یہ نامور طبیب تھا، نصرانی العقیدہ تھا اس نے حضرت معاویہ ابن ابی سفیان کے لئے طب کی بعض یونانی کتابوں کا ترجمہ کیا تھا یہ یونانی سے عربی زبان میں پہلا طبی کارنامہ تھا۔[2]

سالم بن عبد الرحمٰن :- یہ ھشام بن عبد الملک کا میر منشی تھا۔ اس نے سکندر کے لئے ارسطو کے بہت سے خطوط کا ترجمہ کیا۔ "سر الاسرار" کے نام سے بھی ایک کتاب کا پتہ چلتا ہے۔ "مقالات فلسفہ" کے نام سے اس کی ایک کتاب دستیاب ہے۔

ماسرجیس البصری :- اس کو بعض مورخین ماسرجویہ سمجھتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ماسرجویہ دور عباسی کا ایک مشہور مترجم تھا۔ دور اموی کے مترجم کا نام ماسرجیس ہے۔ اس نے اھرن بن اعین کی کتاب کناش کا ترجمہ خلیفہ مروان کے زمانے میں سریانی زبان سے عربی میں کیا تھا۔

---

[2] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانبا فی طبقات الاطبا، ج ۱، ص ۱۱، طبع بیروت ۱۹۶۵ھ

عبداللہ بن المقفع :- متوفی ۱۴۲ھ مطابق ۷۵۹ء) یہ عہد اموی کے دور آخر میں منظر عام پر آیا۔ اسلئے اس کو ہم عہد اموی کے مترجمین میں شمار کر سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی بیشتر کتابیں عہد عباسی میں ترجمہ ہو کر سامنے آئیں اس لئے عموماً اس کو مورخین عہد عباسی کے مترجمین میں شمار کرتے ہیں۔ یہ پارسی مذہب کا پیرو کار تھا۔ اور ظاہراً اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کی بیشتر ترجمہ شدہ کتابیں۔ تاریخ اور اخلاق پر مشتمل ہیں مثلاً کلیلہ ودمنہ الادب الکبیر والادب الصغیر۔

حسان بن الحجر سنان :- (متوفی ۱۸۰ھ مطابق ۷۹۶ء) یہ بھی عہد اموی کے مترجمین شمار ہوتا ہے۔ یہ عربی فارسی اور سریانی تینوں زبانوں میں مہارت رکھتا تھا۔ پہلے نصرانی المذہب تھا پھر مسلمان ہو گیا یہ دور عباسی میں بھی ترجمہ کرتا رہا۔ انبار کے گورنر ربیعہ کے لئے ترجمہ کرتا تھا۔

جبلہ بن سالم :- یہ بھی ہشام بن عبدالملک کا منشی تھا۔ مذکور شدہ سالم بن عبدالرحمٰن کا بیٹا تھا۔ یہ عموماً فارسی سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔ اس کی دو کتابیں مشہور ہیں۔ "رستم واسفندیار" اور "بہرام شوش"

وھب بن منبہ یمنی :- (متوفی ۱۱۴ھ مطابق ۷۳۲ء) یہ یمن کا مشہور فاضل شخص تھا۔ جو آسمانی کتابوں سے متعلق بکثرت معلومات رکھتا تھا۔ اس نے ۹۲ آسمانی کتابوں کو پڑھا تھا۔ یہ یونانی سریانی اور حمیری تینوں زبانوں سے واقف تھا۔ غالب گمان یہی ہے کہ یہ دوسری زبانوں کی معلومات کو عربی زبان میں منتقل کرتا تھا۔

الغرض عہد اموی جس کی ابتدا ۴۱ھ مطابق ۶۶۱ء میں ہوتی ہے

اور سنہ ۱۳۲ھ مطابق سنہ ۷۴۹ء میں یہ دور ختم ہو جاتا ہے۔ علوم وفنون کے اعتبار سے ایک اہم اور بنیادی دور کہلانے کے لائق ہے۔ اس دور میں عرب مختلف گوشوں میں پھیل چکے تھے مختلف ثقافتوں میں امتزاج ہو چلا تھا۔ لوگ فلسفہ سے متاثر ہو رہے تھے۔ دمشق اور قسطنطینیہ کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ بغرض تجارت لوگ چین تک سفر کر رہے تھے۔ علما، دین منطق، فلسفہ اور علم مناظرہ سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ فرقہ معتزلہ[۲۲] کا ظہور بھی اسی دور میں ہوا۔ یہ لوگ اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لئے منطق اور فلسفہ کو بھی بطور ہتھیار استعمال کرتے تھے کیونکہ ملاحدہ کے ساتھ ان کا مناظرہ ہوتا تھا۔

سیوطی نے اپنی کتاب "صون المنطق والکلام" میں بروایت ابن کثیر لکھا ہے کہ گذشتہ قوموں کے علوم پہلی صدی ہجری میں اسلامی دنیا میں داخل ہوئے لیکن اس کی اشاعت عام نہیں ہوئی تھی۔

---

[۲۲] فرقہ معتزلہ:-

اس فرقہ کا بانی ابو حذیفہ واصل بن عطا الغزال سنہ ۱۳۱ھ مطابق سنہ ۷۴۹ء ہے یہ امام حسن بصری کا شاگرد تھا۔ مگر خدا کی صفات کے بارے میں اس کا عقیدہ اپنے استاد کے عقیدے مختلف تھا۔ اس اختلاف کی بنا پر امام حسن کے حلقۂ درس سے الگ ہو گیا تھا یعنی اعتزال کو اختیار کیا۔ اسی وجہ سے اس فرقہ کا نام معتزلہ پڑ گیا۔ یہ فرقہ الٰہیات میں عقلی دلائل کی پیروی کرتا تھا۔ اور ہر دینی امر کو اپنے عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ امام ابوالحسن اشعری نے ان کے دلائل کے ابطال میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ مامون بھی اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ بہت سے علماء اور اہل قلم اس فرقہ میں شامل تھے مثلاً ابوالہذیل ہمانی، ابراہیم بن سیار النظام، ابوعلی محمد الجبائی یہ سب یونانی فلسفہ کے خوگر تھے۔ اور اسی فلسفہ کا سہارا لیتے تھے۔

کیونکہ اسلاف ان میں مصروف ہونے سے روکتے تھے۔ شہرستانی نے "الملل والنحل" میں اور احمد امین نے "فجر الاسلام" میں لکھا ہے کہ واصل بن عطاء (متوفی سنہ ۱۳۳ھ مطابق ۷۵۰ء) کے پیروکار معتزلہ نے فلسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ اور ان سے متاثر ہوئے تھے[23]۔

اس سلسلہ میں احمد حسن زیات "تاریخ ادب عربی" میں رقم طراز ہیں:

> "عہد اموی میں عربوں کی طبیعتیں علوم کے لئے بالکل تیار نہیں ہوئی تھیں نہ ان کی عقلیں علوم میں غور و خوض کے لئے پختہ ہوئی تھیں بلکہ فتوحات اور ادبی رجحانات کے مشاغل نے ان کی توجہات اپنی طرف مشغول در رکھی تھی اور انہوں نے موروثی علوم طب و نجوم پر ہی اکتفاء کر رکھی تھی ..... رہا غیر ملکی زبانوں سے ترجمہ سو اس عہد میں اس کا اہتمام نہیں تھا۔ البتہ خالد بن یزید کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اسکندریہ کے مدرسہ سے ایک جماعت کو بلوایا جنہوں نے اس کو علم کیمیا سکھایا اور اس سلسلہ میں اس کے لئے کچھ ترجمے بھی کئے[24]"

غرض اس دور کے متعلق مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ اس میں ادب جاہلیت پک کر تیار ہوا علوم اسلامیہ نے نشوونما پائی۔ اور غیر ملکی علوم کے تراجم کی ابتداء ہوئی۔

الغرض اس دور کے متعلق مختصراً ان مصنفین کا تذکرہ بے سود نہیں ہوگا

---

[23] لطف اللہ القادری، بدایات الترجمۃ فی العہد الاموی، ص ۲۸۹ طبع حلب ۱۹۸۴ء

[24] احمد حسن زیات، "تاریخ ادب عربی"، ترجمہ عبدالرحمن سورتی، ص ۳۰۲ طبع لاہور ۱۹۶۲ء

جنہوں نے عہد اموی میں علمی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اور مختلف علوم وفنون میں بیش بہا تصانیف چھوڑیں اگرچہ ان میں بیشتر تصنیفات زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔

(۱) **خالد بن یزید بن معاویہ:-** (متوفی ۸۵ھ مطابق ۷۰۴ء) کیمیاء اور طب کا جید عالم تھا۔ ان کی کئی تصنیفات کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں مشہور یہ ہیں:-

(۱) رسالۃ فی الکیمیاء
(۲) فردوس الحکمت فی الکیمیاء
(۳) دیوان النجوم
(۴) کتاب الحرارۃ۔ وغیرہ

(۲) **جابر بن حیان:-** (متوفی ۲۰۰ھ مطابق ۸۱۵ء) بعض مورخین نے اس کو خالد بن یزید کا شاگرد تسلیم کیا ہے۔ اور بعض نے اس سے انکار کیا ہے۔ علم الکیمیاء کو عملی طور پر مرتب کیا۔ اس کی مشہور تصانیف یہ ہیں:-

(۱) اسرار الکیمیاء
(۲) رسائل جابر
(۳) کتاب فی الکیمیاء

(۳) **ابو الحکم الدمشقی:-** یہ نصرانی العقیدہ تھا خواص ادویہ میں ماہر تھا اور حضرت معاویہ کا طبی مشیر تھا۔ اس کی تصنیفات کا پتہ نہیں چلتا

(۴) **الحکم الدمشقی** :- (متوفی سنہ ۲۱۰ھ مطابق سنہ ۸۲۵ء) یہ اموی دربار سے وابستہ رہا۔ اور عہد مامون میں انتقال کیا۔ اس کی تصانیف کا بھی پتہ نہیں چلتا[۲۵]۔

(۵) **تیاذوق** :- (متوفی سنہ ۹۰ھ مطابق سنہ ۷۰۸ء) یہ حجاج بن یوسف کا طبیب خاص تھا۔ اور مبادیات طب سے متعلق اس کے بہت سے اہم اقوال منقول ہیں۔ اس کی تصانیف میں مشہور یہ ہیں :-

(۱) الکناش
(۲) کتاب ابدال الادویۃ
(۳) کتاب تفسیر اسماء الادویۃ

(۶) **عبدالملک بن ابجر الکنانی** :- یہ اسکندریہ میں یونانی علوم کی تعلیم کا نگراں تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں مسلمان ہوا اور ان کا طبی مشیر بھی رہا[۲۶]۔

---

[۲۵] ڈاکٹر کمال سامرائی، مختصر تاریخ الطب العربی، ج ۱، ص ۲۹۹، طبع دمشق ۱۹۸۴ء

[۲۶] ابن ابی اصیبعۃ، عیون الانبا، ج ۱، ص ۱۱۶، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

عہدِ عباسی

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے عہدِ عباسی میں ترجمہ کا کام بہت تیزی سے ہوا اور یہ کہ اس دور کو تین مراحل میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا مرحلہ:۔ ۱۳۶ھ مطابق ۷۵۳ء ــــ ۱۹۸ھ مطابق ۸۱۳ء۔
دوسرا مرحلہ:۔ ۱۹۸ھ مطابق ۸۱۳ء ــــ ۳۰۰ھ مطابق ۹۱۲ء۔
تیسرا مرحلہ:۔ ۳۰۰ھ مطابق ۹۱۲ء ــــ آگے تک۔

علوم کی ترویج و ترقی میں خلافت عباسیہ کا ابتدائی دور بہت اہمیت کا حامل ہے۔ بغداد کو علم و ادب میں مرکزیت حاصل تھی۔ اس خلافت کے بانی ابو العباس السفاح کے بعد دوسرا خلیفہ ابو جعفر منصور سریر آرائے خلافت ہوا۔ اس کا برتاؤ اہل علم کے ساتھ فیاضانہ تھا۔ اسی عہد میں بغداد میں دور دراز ملکوں سے علماء کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مثلاً؛ ابراہیم فزاری، علی بن عیسیٰ اور جورجیس کے علاوہ بہت سے ہندستانی اور ایرانی فضلا بھی اس دربار علم کی زینت بنے۔ اور بغداد کا بیت الحکمت علم کا ایک زبردست مرکز بن گیا۔

علمی میدان میں اس زبردست کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ عربوں کی سماجی زندگی میں بھاری تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ عربوں کو معلوم ہوا کہ علم کی بنیاد پر ہی تہذیب و تمدن قائم رہ سکتے ہیں۔ وہ طلب علم کی طرف مائل ہوتے۔ دینی اور فکری مناقشہ کے لئے عموماً یونانی فلسفہ کو بطور ہتھیار استعمال کیا جانے لگا۔ حجت و استدلال کے لئے ارسطو کی منطق کا ترجمہ کیا گیا۔ خاص کر منصور نے طب اور نجوم کی کتابوں کا ترجمہ

کرایا اس نے ترجمہ کا ایک محکمہ بھی قائم کیا تھا۔

خلیفہ منصور علم نجوم کے احکامات کا دلدادہ تھا۔ اور اسی کے مطابق عمل کرتا تھا۔ جیسا کہ بغداد کی بنیاد ڈالتے وقت اس نے کیا تھا۔ اس نے حکمت کی کتابوں کے لئے شاہ روم کے ساتھ خط و کتابت کی۔ منصور پہلا خلیفہ تھا۔ جس نے آزاد کردہ غلاموں کو حکومت کے کاموں پر مقرر کیا۔ اور عربوں پر ان کو فضیلت دی۔ اس کے بعد آنے والے خلفاء نے بھی اس کی پیروی کی[٢٦]۔

خلیفہ ابو جعفر منصور (۱۳۶ھ مطابق ۷۵۴ء - ۱۵۸ھ مطابق ۷۷۵ء) پہلا شخص تھا جس نے ترجمہ کی تحریک میں روح پھونکی۔ اس نے بہت سے مترجمین کو اپنے پاس بلایا۔ اور علوم کی کتابوں کا ترجمہ کرایا جندیساپور کے شفاخانے کے رئیس الاطبا، جورجیس بن بختیشوع کو دعوت دی اور مشہور طبی کتاب کناش کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ ابراہیم بن حبیب فزاری سے سنسکرت کی کتاب سدھانت کا ترجمہ کرایا۔

ھارون الرشید:- (۱۷۰ھ مطابق ۷۸۶ء - ۱۹۳ھ مطابق ۸۰۹ء) رشید نے ترجمہ کے کام کی طرف توجہ کی اور منصور کے محکمہ کی توسیع کی۔ اس نے علماء پر خصوصی توجہ دی اور ترجمہ کی تحریک کو بیت الحکمت کے ذریعہ مزید تقویت دی۔ یونان کی تالیف بلاد روم سے لائی گئیں اور ان کے ترجمہ کا اہتمام کیا گیا ان کتابوں کو انہوں نے عموریہ کی فتح سے حاصل کیا تھا اور وہاں کی لائبریریوں سے طب و فلسفہ سے متعلق کتابوں کو منتخب کیا۔ اور انھیں بیت الحکمت میں

---

[٢٦] المسعودی، مروج الذھب، ج ۲، ص ۵۵۴، طبع القاہرہ ۱۹۶۶ء

رکھا گیا۔ یوحنا ابن ماسویہ کو ان کے ترجمہ پر مامور کیا اس نے زیادہ تر طبی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ اس کے دربار میں ہندوستانی اطبا بھی موجود تھے۔ رشید کے زمانے میں صالح بن بھلہ بہت مشہور تھا۔

اسی خلیفہ کے زمانے میں کچھ سیاسی اسباب کی بنا پر دارالحکومت "الرقہ" کی طرف منتقل کیا گیا۔ اس کے وزیر یحییٰ برمکی نے علمی کاموں کے لئے اپنے کو مصروف کر لیا۔ اس نے لائبریریاں قائم کیں اور اس کی جدوجہد سے الرقہ ایک ثقافتی شہر بن گیا۔ جاحظ[۲۸] کہتا ہے کہ:

> "اگر کاتبین نہ ہوتے تو رقہ، موصل اور بغداد کے لوگ ان باتوں کو نہ جانتے جو بصرہ اور کوفہ میں رونما ہوتی تھی"[۲۹]

اسی دور میں علمی مباحثہ شروع ہوا اور محمد بن حسن شیبانی (متوفی ۱۸۹ھ مطابق ۸۰۵ء) اور محمد بن ادریس الشافعی[۳۰] (متوفی ۲۰۴ھ مطابق ۸۱۹ء) کے درمیان مذہبی مباحثہ جاری ہوا۔ اسی طرح علم کا میدان وسیع ہو گیا۔ فن کتابت کا بازار گرم ہوا کاتبین کی بڑی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔

المجسطی کا ترجمہ یحییٰ بن خالد برمکی کے لئے گیا۔ سریانی سے عربی میں ایوب

---

[۲۸] جاحظ (متوفی ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۸ء) ابو عثمان بن عمر بحر جاحظ کے لقب سے مشہور ہے یہ اپنے دور کا بہت بڑا ادیب تھا۔ بصرہ میں پیدا ہوا اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اپنے زمانے کے بہت بڑے نقاد اور علماء سے کسب فیض کیا۔ مذہبی اعتبار سے یہ معتزلی تھا ادب میں ان کی متعدد کتابیں مشہور و معروف اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان میں کتاب الحیوان اور البیان والتبیین معروف اور متداول ھیں۔ اپنی گراں قدر تصانیف اور علم کی بنا پر خلفائے عباسی کے عہد میں مشہور رہا۔ بصرہ ہی میں وفات پائی۔

[۲۹] الجاحظ، کتاب الحیوان، ج ۱، ص۵، طبع القاہرہ ۱۹۶۶ء

(باقی اگلے صفحہ پر)

بن قاسم الرقی اور سمعان نے کیا۔ اس ترجمہ میں اصلاح ابو حسان اور بیت الحکمت کے نگراں سلمانے کیا۔ برامکہ پر مصیبت پڑنے کے بعد ۱۸۷ھ مطابق ۸۰۲ء میں ترجمہ کی تحریک دھیمی پڑ گئی کیونکہ ہارون الرشید پر نفسیاتی اثر پڑا۔ اور یہ بُرا تصور اس کو پریشان کرتا رہا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ برامکہ کے بعد اس کے معاملات دگرگوں ہو گئے اور لوگوں کے سامنے اس کی تدبیر اور سیاست کھل کر سامنے آگئی[۱۳۰]

مامون الرشید: اور جونہی عہد مامون شروع ہوتا ہے (۱۹۸ھ مطابق ۸۱۳ء ــــ ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء) ترجمہ کی تحریک اپنے انتہائی عروج پر پہونچ جاتی ہے۔ یہ خلیفہ عالم تھا اور علماء سے دوستی رکھتا تھا، ترجمہ کے عمل میں بہت چست تھا رومی بادشاہوں کے ساتھ تعلقات قائم تھے۔ ان سے افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس اور اقلیدس وبطلیموس کی کتابیں حاصل کیں۔ ان کتابوں کا بہترین ترجمہ کرایا۔ اس کے علاوہ نادر کتابوں کے لئے وفود بھیجے یحییٰ ابن ابی منصور کو بلاد روم بھیجا۔

---

[۱۲۹] امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ مطابق ۸۱۹ء) ابو عبداللہ بن ادریس کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا اس لئے قریشی بھی کہلاتے ہیں۔ یہ ائمہ اربعہ میں سے ایک ہیں اور اپنے دادا شافع کی نسبت سے شافعی کہلاتے ہیں اور اسی نسبت سے مشہور ہیں ان کی جائے پیدائش فلسطین کا شہر غزہ ہے۔ یہ امام مالک کے شاگرد رشید میں سے ہیں۔ مشہور کتاب مؤطا کی سماعت خود امام مالک سے کی۔

ان کے پیروکار کی تعداد بہت بڑا ہے ان کی مشہور کتاب جو فقہ پر مشتمل ہے۔ "کتاب الام" کے نام سے مشہور ہے آخری لمحات مصر میں گذارے اور وہیں وفات پائی۔

[۱۳۰] المسعودی، مروج الذھب، ج ۱، ص ۵۵، طبع القاہرہ ۱۹۶۶ء۔

اور نفیس کتابوں کو تلاش کر کے جمع کرایا۔ اور بیت الحکمت کے مترجمین سے ان کا ترجمہ کرایا۔ یہ بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلا۔ سائنسی افکار کو نظری سطح سے بلند کر کے عملی سطح پر لے آیا[۳۲]۔ اس نے بغداد میں ایک رصد گاہ بنائی۔ اور ایک بڑی لائبریری سے اس کو مزین کیا۔ اکثر قدیم کتابوں کا عربی میں ترجمہ اسی عہد میں کیا گیا۔ اسی نے موسیٰ بن شاکر اور ان کے بیٹوں کو بلادِ روم بھیجا تاکہ علماء کی مدد سے علمی کتابوں کی کھوج کرے[۳۳]۔

اسی دور میں عربی ترجمہ کی تحریک اپنے کمال تک پہونچ گئی کیونکہ ترجمہ کے لئے اس نے ممتاز مترجمن کو جمع کیا۔ حکمت، فلسفہ، طب، ھندسہ، ریاضی، فلاحہ اور تاریخ و ادب کی کتابوں کے تراجم ہوئے۔ منصور اور رشید کے زمانے میں جن کتابوں کے تراجم ہو چکے تھے۔ ان کا دوبارا ترجمہ کیا گیا۔ ان تراجم کا نام "مامونیہ" رکھا گیا۔ تاکہ اپنے سابق تراجم سے ممتاز ہو سکیں۔ یہ ترجمہ بہت عمدہ اور قابلِ اعتماد سمجھا جاتا تھا۔

اس خلیفہ کی علم دوستی کا یہ حال تھا کہ اپنے معاہدوں میں شرط شامل کرتا تھا کہ حریف حکمت کی نفیس کتابوں کو اس کے لئے بھیجے گا۔ جیسا کہ قیصر روم میخئل ثالث کے ساتھ معاہدہ کے وقت کیا تھا۔ اس شرط کے مطابق قیصر روم پر قسطنطنیہ کی مشہور لائبریری کو چھوڑ دینا لازم ہو گیا تھا۔

الفہرست میں ابن الندیم نے لکھا ہے کہ مامون نے شاہ روم کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ جاری کیا۔ اور اس نے علماء کی ایک جماعت سے قدیم علوم کا انتخاب کرنے کو کہا بادشاہ نے انکار کے بعد بات مان لی

---

[۳۲] المسعودی، مروج الذہب، ج۱، ص۵۵۲، طبع القاہرہ ۱۹۶۶ء

[۳۳] ابن الندیم، الفہرست، (مترجم مولانا محمد اسحاق بھٹی) ص۵۱۱، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

مامون نے ترجمہ کی تحریک کو سرکاری تحریک بنا دیا۔ اور سخاوت کے ساتھ اس پر خرچ کیا۔ اور ترجمہ شدہ کتابوں کو پڑھنے کے لئے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اس دور میں بہت سے حکام اور دولت مندوں نے مامون کی پیروی کی اس طرح عباسی حکومت کے اطراف میں جزیرۃ عربیہ، عراق اور فارس سے مترجمین بڑی تعداد میں جمع ہو گئے۔ انہوں نے یونانی، سریانی، پہلوی اور سنسکرت زبانوں سے عربی میں تراجم کئے۔ موسیٰ بن شاکر کے بیٹے محمد، احمد اور حسن نے اپنے خرچ پر ایک جماعت کو فلسفہ، ریاضیات اور طبی مخطوطات کی تلاش میں ملک روم بھیجا۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ ترجمہ کے کام کی ابتدا دور اموی میں ہوئی اور دور مامون میں یہ کام اپنے انتہائی عروج کو پہونچ گیا۔ اس سلسلہ میں بغداد کے بیت الحکمت نے کار ہائے نمایاں انجام دئے۔ اس کی بنیاد ہارون الرشید نے رکھی تھی۔ بنیادی مقاصد میں علوم حکمیہ کا عربی میں ترجمہ کرنا تھا۔ اس کے بانی کے بارے میں مورخین کے درمیان اچھا خاصا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بانی تو خلیفہ ہارون الرشید ہی تھا۔ لیکن مامون رشید نے اس کی توسیع کی اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچا دیا۔ سید علی احمد نیر واسطی نے بیت الحکمت کا بانی مامون رشید کو قرار دیا ہے[۳۴]۔ اور جرجی زیدان نے اس کا بانی ہارون رشید کو قرار دیا ہے[۳۵]۔ شبلی نے جرجی زیدان کی تائید کی ہے[۳۶]۔ یہ عظیم ادارہ یحییٰ برمکی کی کوششوں سے

---

[۳۴] سید علی احمد نیر واسطی، طب العرب، ص ۱۷۰ طبع لاہور ۱۹۶۹ء

[۳۵] جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج ۳، ص ۲۰۶، الہلال مصر ۱۹۰۲ء

[۳۶] شبلی نعمانی، المامون، ص ۱۵۹، طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۷ء

منظر عام پر آیا۔ اس ادارے کے تحت مختلف شعبہ جات مصروف عمل تھے۔ مثلاً خزینۃ الکتب، دار الترجمہ والتالیف، المرصد۔

خزینۃ الکتب:- اس شعبہ میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں جمع کی گئی تھیں۔ مثلاً یونانی، سریانی، فارسی، سنسکرت اور عربی وغیرہ۔ ابو جعفر منصور نے جو کتابیں بلاد و امصار سے جمع کی تھیں وہ بھی ان میں جمع کر دی گئی تھیں۔ ہارون رشید نے کتابوں کی فراہمی اور ان کے تراجم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جس کے نتیجہ میں بیت الحکمت کا یہ شعبہ منظر عام پر آیا۔ مامون نے سب سے زیادہ کتابوں کی فراہمی میں حصہ لیا۔ انہوں نے آرمینیہ، مصر، شام، ہندوستان اور ایران اپنے قاصد بھیجے اور لاکھوں روپے صرف کر کے کتابوں کو فراہم کیا۔ اس سلسلہ میں یحیٰ بن خالد برمکی کی کوششیں بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔ اس کا ذاتی کتب خانہ بھی بہت بڑا تھا۔ بادشاہوں کے کتب خانہ بھی اس پایہ کے نہیں تھے۔ یحیٰ الخیاط کا قول ہے:

> "جس قدر کتابیں یحیٰ کے کتب خانہ میں تھیں اس قدر کسی بادشاہ کے پاس نہ ہوں گی ہر کتاب کے تین نسخے موجود تھے... یہ بات مشہور تھی کہ اگر کوئی نایاب کتاب فروخت ہوتی تو اول یحیٰ کو دکھلائی جاتی کیونکہ ایک ہزار درہم دینے والا صرف یحیٰ برمکی تھا۔"[۳۷]

دار الترجمہ:- یہ شعبہ بھی یحیٰ بن خالد برمکی کی کوششوں سے

---

[۳۷] عبد الرزاق کانپوری، البرامکہ، ص ۱۱۳، طبع نامی پریس کانپور ۱۸۹۷ء

منظرِ عام پر آیا۔ اس شعبہ میں مختلف مذاہب کے علما ترجمہ کے کام میں مصروف تھے۔ ترجمہ کا کام یونانی، سریانی، فارسی اور سنسکرت سے عربی میں ہوا۔ اور مختلف موضوعات سے متعلق کتابوں کے تراجم ہوئے مثلاً فلسفہ، ھندسہ، طب، نجوم اور ادب و اخلاق وغیرہ۔ عہد ہارون رشید میں بہت سے غیر ملکی حکما اور فضلا اس شعبہ سے وابستہ تھے۔ مامون نے اس کی مزید توسیع کی۔ یہ شعبہ کئی فروعی شعبہ جات پر مشتمل تھا مثلاً شعبۂ ترجمہ، شعبۂ تالیف، شعبۂ اصلاح، شعبہ تسوید اور جلد سازی۔

عہد عباسی کے مترجمین میں بہت سے مذاہب اور ملکوں کے لوگ شامل تھے۔ ان میں فارسی، سریانی، سنسکرت اور یونانی زبان سے ترجمہ کرنے والے شامل تھے۔ مگر ان سب میں سریانی مترجمین کا کردار سب سے اہم اور نمایاں ہے ان لوگوں نے ترجمہ کے عمل کو خاندانی وراثت کے طور پر اپنایا اس کام میں سریان کے کئی خاندان مصروف تھے۔ خصوصاً یہ چار خاندان اس کام کے رھنما تھے اور اس میدان میں گویا سبقت لے جانے والے تھے مثلاً: خاندان بختیشوع، خاندان حنین، خاندان کرخی اور خاندان ثابت۔

اب ہم ذیل میں عہد مامون کے اہم مترجمین کے بارے میں مختصراً بیان کرتے ہیں کیونکہ مقالہ کے موضوع سے اس کا قریبی تعلق ہے۔

حنین بن اسحاق:۔ (المتوفی ۲۶۰ھ مطابق ۸۷۳ء) حنین بن اسحاق العبادی شیخ المترجمین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ نصرانی العقیدہ تھا۔ یہ سریانی، یونانی، فارسی اور عربی زبان کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس نے بصرہ میں رہ کر مشہور نجومی عالم خلیل احمد (متوفی ۱۸۰ھ مطابق ۷۹۶ء) سے عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ مامون رشید جب بلادِ روم سے بہت سی کتابیں منگوا کر

ترجمہ کی ضرورت محسوس کی تو سب نے حنین بن اسحاق کے نام کو پیش کیا مامون نے حنین کو طلب کیا۔ اور یونانی حکماء کی کتابوں کے عربی تراجم اور اس کی اصلاح کے کام اس کے سپرد کئے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔ جن کی تعداد ۳۶ تک پہونچتی ہے۔ ان کی مجموعی کتابوں کی تعداد ۱۱۳ تک شمار کی جاتی ہے[۳۵]۔ ان میں تراجم، تالیفات اور شروح بھی شامل ہیں۔ ان کی اکثر و بیشتر ترجمہ شدہ کتابیں سابق اوراق میں مذکور ہو چکے ہیں۔

ابوزکریا یوحنا بن ماسویہ:- (متوفی ۲۴۳ھ مطابق ۸۵۷ء) یہ نامور حکماء اور اطباء میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ایک ذہین شخص تھا اور بیت الحکمت کے رئیس الاطباء کی حیثیت سے بھی کام کرتا تھا۔ یونانی، سریانی اور عربی کا ماہر تھا۔ انھوں کتابوں کی فراہمی کے لئے رومی شہروں کا سفر بھی کیا[۳۶]۔ معالج کی حیثیت سے اس کا مقام بلند نہیں تھا لیکن یہ طب علمی میں مہارت رکھتا تھا۔ اور بنیادی طور پر تصنیف و تالیف کا آدمی تھا بغداد کے بیمارستان کا نظم و نسق اس کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔

قسطا بن لوقا البعلبکی:- متوفی ۲۲۰ھ مطابق ۸۳۵ء) یہ عہد عباسی کا مشہور فلسفی اور مترجم تھا۔ یہ مامون رشید کے دور میں بیت الحکمت سے وابستہ تھا۔ اس نے بہت سی یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ یہ یونانی،

---

[۳۵] ابن ابی اصیبعۃ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ج ۱، ص ۱۹۸، طبع بیروت ۱۹۶۵ء۔

[۳۶] ابن ابی اصیبعۃ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ج ۱، ص ۱۹۸، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

سریانی اور عربی کا فصیح البیان عالم تھا۔ اس نے بہت سے یونانی تراجم کی اصلاح کی القفطی تاریخ الحکما میں لکھتا ہے۔

"قسطا بہت بڑا عالم اور مصنف تھا"[۴۰]

حبیش الاعسم :- (المتوفی ۳۰۰ھ مطابق ۹۱۲ء) پورا نام حبیش بن الحسن الدمشقی ہے۔ یہ حسن بن اسحاق کا بھانجا تھا۔ اس نے حنین بن اسحاق سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ اس نے ترجمے میں حنین کا مسلک اختیار کیا۔ اس نے کئی یونانی اور سریانی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا۔ حنین اس کے ترجمہ کو بہت پسند کرتا تھا۔[۴۱]

یعقوب بن اسحاق الکندی :- (متوفی ۲۵۸ھ مطابق ۸۷۲ء) مسلم ترجمہ نگاروں میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ یہ فلسفی کے لقب سے مشہور ہوا۔ یہ یونانی، فارسی اور ہندی، فلسفہ کی تمام شاخوں میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کو مامون کے دربار میں بہت عزت و شہرت حاصل تھی۔ ابن الندیم الفہرست میں لکھتا ہے۔

"تمام علوم قدیم میں مہارت و معرفت کے
اعتبار سے فاضلِ دوراں اور یگانۂ روزگار تھا"[۴۲]

اسحاق بن حنین :- (المتوفی ۲۹۸ھ مطابق ۹۱۰ء) یہ حنین بن

---

[۴۰] القفطی، تاریخ الحکما، ص ۳۵۰، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

[۴۱] القفطی، تاریخ الحکما، ص ۲۵۵، طبع دہلی ۱۹۴۵ء

[۴۲] ابن الندیم، الفہرست، (اردو ترجمہ مولانا اسحاق بھٹی) ص ۶۱۰، طبع لاہور ۱۹۶۹ء

اسحاق کا بیٹا تھا۔ یہ یونانی و سریانی زبانوں کو بہترین طریقے سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔ اس کی کتب کے تراجم میں زیادہ تر ارسطو کی کتابیں اور ان کی شروحات جیسی قدیم کتب کے تراجم کے علاوہ اس کی اور بہت سی تصنیفات ہیں۔[۴۳]

عیسیٰ بن یحییٰ :- اس کی تاریخِ وفات کا پتہ نہیں چلتا یہ حنین کے خاص تلامذہ میں سے ہے۔ اس نے جالینوس کی تقریباً ۲۵ کتابوں کا ترجمہ کیا۔ حنین یونانی زبان سے سریانی میں ترجمہ کرتا تھا۔ اور پھر یہ ان سریانی تراجم کو عربی میں منتقل کرتا تھا۔[۴۴]

عمر بن فرخان الطبری :- یہ طبرستان کا رہنے والا تھا۔ یہ عہد مامون کے مشہور مترجمین میں سے تھا اور بیت الحکمت میں ترجمہ کا کام کرتا تھا۔ صاعد اندلسی نے اپنی کتاب "طبقات الامم" میں لکھا ہے۔

> "کتب فلسفہ کے روسائے مترجمین میں سے
> تھا۔ اور نجوم و احکام نجوم کا محقق عالم تھا"[۴۵]

یوحنا بن البطریق :- یہ بطریق کا بیٹا اور مامون رشید کا غلام تھا۔ مامون رشید نے اس کو حجاج بن المطر اور سلما کے ساتھ کتابوں کی فراہمی کے لئے روم بھیجا تھا۔ اس نے بقراط افلاطون ارسطو

---

[۴۳] ابن اصیبعۃ، عیون الانباء، ص ۲۷۵، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

[۴۴] " " ص ۲۷۷ " " "

[۴۵] صاعد اندلسی، طبقات الامم، ص ۹۵، طبع اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء

اسکندروس اوجالینوس کی متعدد تصانیف کا ترجمہ کیا۔[۴۶]

ایوب الرھاوی:۔ یہ یونانی، سریانی، عربی اور لاطینی زبان میں مہارت رکھتا تھا رہاوی اطباء و مترجمین میں سب سے زیادہ نامور تھا۔ یونانی سے سریانی میں عمدہ ترجمہ کرتا تھا۔

ترجمہ کا عمل وسیع پیمانہ پر ہوا۔ جیسا کہ سابقہ بیانات سے واضح ہوجاتا ہے اس عظیم تحریک کو آگے بڑھانے میں بہت سے مفکرین، دانشمند۔۔۔ اور اہلِ سیاست نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک ایک منظم تحریک، تھی۔ جس افراد، حکام، اہلِ سیاست، خلفا، و سلاطین سب نے مل کر۔۔ ۔۔۔۔ بام عروج تک پہونچایا۔ ترقی کے میدان میں ایک عظیم نمونۂ عمل پیش کیا۔ جس کی مثال کوئی قوم پیش نہ کرسکی۔ جن اہلِ سیاست نے اس عظیم تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے مالی وفکری تعاون سے مالا مال کیا ان میں برامکہ کا نام سرفہرست ہے ان میں چند مخصوص اشخاص یہ ھیں:

(۱) یحیٰ بن خالد برمکی:۔ یہ ہارون رشید کا وزیر تھا اور اس کے ایماء سے بیت الحکمت کا قیام عمل میں آیا۔[۴۷]

(۲) احمد بن موسیٰ بن شاکر:۔ محمد بن موسیٰ بن شاکر، حسن بن موسیٰ بن شاکر انہوں نے اس زمانے کے بہترین مترجمین کو جمع کیا۔ اور ان کو ترجمہ کا کام سپرد کیا۔ یہ مترجمین بعد میں بیت الحکمت سے منسلک ہوگئے۔

---

[۴۶] ابن الندیم، الفہرست، ص۴۱۰ طبع لاہور ۱۹۶۹ء

[۴۷] مولوی عبدالرزاق کانپوری، البرامکہ، ص۱۲۳ طبع نامی پریس کانپور ۱۸۹۶ء

(۳) **الفتح بن خاقان:-** یہ ایک عباسی وزیر تھا اور ترجمہ کے عمل کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کرتا تھا اس نے اپنے خرچ پر کتابیں حاصل کرنے کے لئے وفود بھیجے اور بڑی مقدار میں دولت خرچ کی۔

(۴) **محمد بن عبد الملک الزیات:-** متوفی ۲۳۳ھ مطابق ۸۴۷ء یہ بھی مترجمین کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ اور ہزاروں دینار ہر ماہ اس پر صرف کرتا تھا اس کیلئے متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔

(۵) **علی بن یحییٰ:-** یہ ابن المنجم کے نام سے مشہور ہے۔ مامون رشید کا درباری تھا عالم و فاضل و ثروت مند شخص تھا۔ اس نے بھی اپنے خرچ سے متعدد کتابوں کا ترجمہ کرایا[۴۸]۔

(۶) **عیسیٰ بن یونس الکاتب:-** یہ الحاسب کے لقب سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ عراقی فاضل تھا۔ اور یونانی علوم کی تصنیفات کو جمع کرنے کا شوقین تھا[۴۹]۔

(۷) **ابراھیم بن محمد بن موسیٰ:-** یہ الکاتب کے لقب سے مشہور ہے۔ یہ بھی کتابوں کے تراجم میں دلچسپی لیتا تھا۔ خود بھی عالم و فاضل تھا۔ اور ترجمہ نگاروں کی قدر کرتا تھا[۵۰]۔

---

[۴۸] ابن ابی اصیبعۃ، عیون الانبا، فی طبقات الاطبا، ج ۱، ص ۲۰۵، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

[۴۹] ایضاً ص ۲۰۶

[۵۰] ابن ابی اصیبعۃ، عیون الانبا، ص ۲۰۶، طبع بیروت ۱۹۶۵ء

ترجمہ کا عمل ایسا کارنامہ تھا۔ جس نے عربوں کو ترقی کے میدان میں لا کھڑا کیا۔ اور علوم و معرفت کے دریا بہا دیئے۔ اسی ترجمہ کی بنیاد پر عرب آگے بڑھتے گئے اور اپنی ذہانت کی بدولت ہر علمی میدان میں انھوں نے اکتشافات کیے۔ قدماء کے علوم میں تحقیق و جستجو کی۔ پھر ضرورت کے مطابق ان میں اصلاحات کیں اور اکتشافات کی وجہ سے اضافے بھی کئے۔ اس طرح عرب اس دور میں داخل ہو گئے جس کو ہم دورِ عروج یا ترقی کا نام دے سکتے ہیں۔ ایسا دور جس میں عقلی میدان اور علمی مباحث اور تصنیفات کا میدان بھی بہت وسیع ہو گیا تھا۔

ریاضیات کے سلسلہ میں عربوں نے ہندوستانیوں سے گنتی کے نظام کو حاصل کیا۔ اور انھوں نے اس میں اصلاح بھی کی۔ علم ریاضی میں بھی انھوں نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی (متوفی ۲۳۶ھ مطابق ۸۵۰ء) کو الجبرا کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے۔

فلکیات میں بھی ان کا عظیم کردار نمایاں ہے۔ محمد الفزاری (متوفی ۱۸۵ھ مطابق ۸۰۱ء) سندھ ھند کے مترجم ہیں۔ انہوں نے اس میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے موسیقی کے سلسلہ میں عربوں نے بڑی بڑی تالیفات کیں۔ یعقوب بن اسحاق الکندی (متوفی ۲۵۹ھ مطابق ۸۷۲ء) ماہر موسیقی تھا اور موسیقی کے ذریعہ امراض کا علاج کیا کرتا تھا۔

کیمیاء کے سلسلہ میں بھی عربوں کا کارنامہ نمایاں ہے۔ یہ علم مصریوں سے آیا اور سب سے پہلے خالد بن یزید (متوفی ۸۵ھ مطابق ۷۰۴ء) اس میں مشغول ہوا۔

خاص کر عربوں نے علم طب، صیدلہ اور زراعت کی طرف خصوصی توجہ کی ان میں بہت سے علماء مصروف عمل رہے۔ اس سلسلہ میں ابوبکر الرازی

(موفی ۳۱۱ھ مطابق ۹۲۳ء) کا نام قابل ذکر ہے ان کی کئی کتابیں ہیں۔ کچھ کتابیں جڑی بوٹیوں سے متعلق ہیں۔ ابن سینا (متوفی ۴۲۸ھ مطابق ۱۰۳۶ء) مؤلف القانون اور کتاب الشفا اس میدان میں گویا سبقت لے جانے والوں میں ہیں۔ انھوں نے بھی اپنی کتاب میں طبی جڑی بوٹیوں کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ ابن البیطار (متوفی ۶۴۶ھ مطابق ۱۲۴۸ء) خصوصاً طب حیوان میں کامل دسترس کا حامل تھا۔

علم طب کے سلسلہ میں عرب اطبا نے یونانی اور ہندوستانی تراجم کا بغور مطالعہ کیا اور اس میں اضافات و اکتشافات کئے۔ انھیں کی تالیفات بعد میں یورپی زبان میں ترجمہ کی گئیں جو جدید طبی ترقی کی اساس تھی۔

یہ فکری اور علمی بیداری جس کی شعاعیں دمشق اور بغداد سے ترجمہ کی شکل میں نکلیں پھر عباسی دارالخلافت میں اس کی روشنی اکتشاف اور تالیف کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ بعد میں تمام عالم عربی کے دور دراز گوشوں میں پھیل گئی۔ اس بیداری میں عرب اور دیگر اسلامی علاقوں کے علما شریک تھے۔ اسلئے یہ کہنا صحیح ہے کہ تہذیب و تمدن کی بلند عمارت کو قائم کرنے میں تمام اسلامی علاقوں کے بڑے بڑے علما شریک رہے ہیں۔ یہ تہذیب عربی اسلامی تہذیب تھی۔ جس کے منتظم اہل عرب تھے۔ اور عربی زبان اس کا وسیلہ تھی۔ جس نے تمام علوم و معارف کو اپنے سینہ میں سمو لیا تھا۔ یہ سینکڑوں سال تک علم کی زبان بنی رہی۔

پھر مختلف واقعات رونما ہوئے۔ عربوں کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ ان پر مصائب ٹوٹ پڑے۔ اتحاد کی جگہ انتشار نے لے لی۔ ضعف کا غلبہ ہوگیا ملک ریاستوں میں بٹ گیا۔ خلیفہ کے ساتھ امرا و سلاطین حکمراں ہوگئے قتل و قتال کا دور دورہ ہوگیا۔ علم کی روشنی دھیمی پڑ گئی لوگ روزی کے وسائل کے محتاج ہوگئے۔ سماج میں بیماری لاحق ہوگئی۔ علمی سرگرمی میں

انحطاط رونما ہوا ایسے وقت میں یورپ کے لوگ آگے بڑھے۔ عربی تہذیب و تمدن کی رودان کی طرف بہہ نکلی خاص کر اسپین سے اس تہذیب نے اس کو خوب سیراب کیا۔

اہل مغرب نے عربوں کے علوم کو حاصل کرنے کے لئے ترجمہ پر اعتماد کیا۔ یہی ترجمہ جدید علمی ترقی بنیاد بن گیا۔ اس کی بدولت آج تک علمی ترقی کا کام ہو رہا ہے۔ ان میں سے بعض لوگ عرب علاقوں میں آئے۔ اور علم سے سیرابی حاصل کی اور علم ھندسہ کو یورپ منتقل کیا۔ مثلاً لیونارڈ نے بہت سی کتابیں طبیعات کی ترجمہ کیں۔ عربوں کی فکری اور علمی ورثہ سے مطلع ہونے کے بعد ہی یورپی ترقی کی ابتدا ہوئی وہ عربی فکر کی عظمت کے سامنے اپنے احساس کمتری کے معترف تھے۔ وہ عربی فکر کو تعجب اور استحسان کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چونکہ ترجمہ کے ذریعہ ترقی کا میدان ہموار ہو گیا۔ اس لئے ترجمہ کو بہت قدر و منزلت حاصل تھی۔ اس لئے پہلے بھی ترجمہ کا کام ہوا۔ اور آج تک یہ کام برابر پیش قدمی کی منزلیں طے کرتا جا رہا ہے کیونکہ دنیا کی علمی تاریخ میں اس کا مرتبہ نہایت بلند ہے۔

پچھلی صدی کی ابتدا میں عالم عربی پر تاریکی کے بعد کچھ روشنیاں نمودار ہوئیں عرب دوبارہ اس حقیقت کی طرف متوجہ ہوئے کہ علم ہی طاقت کا منبع ہے اور یہ کہ یورپ کی صنعتی، عسکری اور مادی قوت کا راز علم کی ترقی میں پوشیدہ ہے۔ عربوں نے یہ سمجھ لیا کہ منقطع سلسلہ کو جوڑنے کے لئے۔ علمی ترقی کے راستہ پر دوبارہ سفر کرنا ضروری ہے۔ اس راستہ میں پہلا قدم جدید علوم کا عربی میں ترجمہ کرنا ہے۔ اس کی ابتدا مصر میں علمی کالجوں کے قیام سے ہوئی۔ مثلاً کلیۃ القصر العینی طبی تعلیم کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ تعلیم عربی زبان میں دی جاتی

تھی۔ اس لئے طبی کتابوں کا ترجمہ لازم ہو گیا تھا۔

گذشتہ باتوں سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ترجمہ کی تحریک تمام عرب میں پھیل چکی تھی۔ کیونکہ عموماً عرب قارئین عربی زبان میں علمی باتوں کو سننے سے مانوس تھے اس لئے عرب طلبہ کے لئے عربی زبان میں مجلات شائع کئے جاتے ہیں۔ اور علمی کتابوں کے ترجمے بھی کئے جاتے ہیں اور اگر عربی زبان میں یونیورسٹی کے اندر تدریس کا کام پورا کیا جاتا تو ترجمہ کی تحریک میں بہت زیادہ سرگرمی پیدا ہوتی۔

ترجمہ کی تحریک عام طور پر اور علمی ترجمہ کی تحریک خاص طور پر گذشتہ صدی میں شروع ہوئی (انیسوی صدی) کچھ افراد و اشاعتی اداروں کی کوششوں سے مسلسل چلتی رہی۔ دوسری جنگ عظیم (۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء ـــــ ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۵ء) کے بعد کچھ ایسے ادارے قائم کئے گئے۔ جنہوں نے ترجمہ کی طرف توجہ کی۔ یا تالیف و ترجمہ دونوں کاموں کو انجام دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ترجمہ شدہ کتابوں کی تعداد بہت کم ہے اور خاص کر علمی تراجم کی تعداد تو بہت ہی قلیل ہے جب کہ ترجمہ شدہ کتابوں کی تعداد تصنیفات کی تعداد سے زیادہ ہونا چاہئیے کیونکہ عربی تہذیب و تمدن ترقی پذیر ہے۔ اور اقتصادی، سماجی و ثقافتی میدان میں ترقی کے بے شمار مواقع ہیں۔ یہ ایسا دور ہے جس میں علمی اور فنی ترقی نے ساری دنیا کو خیرہ کر دیا ہے۔ اور ہم کو ہم کو ان تمام باتوں کو جاننے کی ضرورت ہے۔ جن کو ترقی یافتہ ممالک جانتے ہیں۔

ریسرچ کے مراکز میں جو جدید معلومات اور اکتشافات ہو رہے ہیں ان کو بھی معلوم کرنے کی ضرورت ہے اس طرح منقطع سلسلہ کو جوڑا جا سکتا ہے اور جدید طور پر ایک مفید و قابل فخر کارنامہ انجام

دیا جاسکتا ہے۔

اس دور میں تہذیب و تمدن کی تعمیر کے لیے۔ علمی ترجمہ ایک اہم اور بنیادی کارنامہ ہے۔ لیکن اس ضمن میں تعلیمی، ثقافتی، اقتصادی اور سماجی سرگرمیوں کو اپنا کر ایک دوسرے کے لئے تکمیلی ذریعہ قرار دیں مختلف قسم کے منصوبے اور سرگرمیوں کے لئے ایک وسیع میدان کھلا ہوا ہے۔ اس کو طے کر لینے کے بعد ترجمہ کی تحریک کو حقیقی مقام مل سکے گا اور مطلوبہ نتائج کو حاصل کرنا ممکن ہو گا۔

مامون کے دور کی تحریک اور اس دور کی تحریک کا موازنہ کیا جائے تو کچھ یکسانیت اور بعض حیثیت سے اختلافات نظر آئیں گے۔ لیکن مقصد ایک ہے اور وہ ہے عربی زبان میں ترجمہ کے توسط سے علوم و معرفت کے ذریعہ عربی تہذیب کو سیراب کرنا۔ عہد مامون میں ترجمہ کی تحریک چند افراد کی ذاتی کوششوں سے شروع ہوئی۔ پھر حکومت نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اس کے لئے ادارے بنائے اور زر کثیر صرف کیا۔ کچھ اختلافات بھی ہیں کیونکہ دور اوّل میں ترجمہ کی تحریک نے تھوڑی مدّت میں اپنے مقاصد کو پورا کر لیا۔ اور عربی فکر نے اختراع و اکتشاف کی راہ ہموار کر دی۔ جبکہ موجودہ دور میں مطلوبہ مقاصد کو حاصل کرنے سے یہ تحریک بالکل قاصر نظر آتی ہے۔ آج عربوں میں سیاسی انتشار ہے جبکہ عباسی دور میں ایسا نہیں تھا اس وقت قوم کا سیاسی ڈھانچہ ایک تھا۔ بلکہ مقصد و ارادہ میں بھی عرب ایک متحد قوم تھی۔ اسلئے اس تحریک کی حوصلہ افزائی اور اس کی تنظیم اور امداد کا کام بہت آسان تھا۔ اس وقت ایسے لوگ موجود نہیں تھے۔ جو مباحثہ کرتے کہ عربی زبان سائنس کی زبان بن سکتی ہے یا نہیں۔ آج کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ عربی صرف ادب و شعر کی زبان ہے

سائنس کی زبان نہیں۔

جیسا کہ سابقہ بیانات سے معلوم ہوا کہ عربی علوم اور اسلامی تمدن سے اہلِ یورپ نے بہت فائدہ اٹھایا۔ یہی وہ پہلی چنگاری تھی۔ جس سے مغرب کے علوم کا چراغ روشن ہوا اور یورپ میں ترقی کی صبح نمودار ہوئی۔ مغرب کے حملہ آوروں نے علمی وراثت پر اور اس کے اہم مراکز پر قابض ہو کر قیمتی مخطوطات یورپ کی لائبریریوں اور عجائب گھروں کی طرف منتقل کر لئے۔ اور عربی و علمی وراثت کو نئے سرے سے پڑھنا شروع کیا۔ عہدِ وسطیٰ میں ترجمہ کے سلسلہ میں جو کام ہوا تھا اس کے منقطع سلسلے مل گئے۔ ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ علم و معرفت اور تمدنی کارنامہ انسان کا ایک عام منصوب ہے۔ اور ایک ایسا دروازہ ہے جو تمام قوموں کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ علوم و معرفت ایک دوسرے کو منتقل ہوئے ہیں۔ اور مختلف انسانی طبقات اس کا تبادلہ کرتے ھیں۔ ریسرچ کے ذریعہ ہی ایک قوم دوسری قوم پر فضیلت حاصل کر سکتی ہے۔

آج عرب قوم علم و فن کی طالب ہے اور جدید علوم و فنون کی پیاسی ہے یہی قوم ماضی میں انسانیت پر احسان کرنے والی تھی۔ اس کا انکار بد دیانتی ہے۔ تحقیق و جستجو سے آج وہ گوشے ظاہر ہو رہے ہیں جن پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ یا نسیان کے غبار میں ڈھکے ہوئے تھے۔ کل کی طرح آج بھی ضروری ہے کہ عربوں کو ترقی کے جلوس میں شریک ہونے کا موقع دیا جائے اور ایسا موقع تلاش کیا جائے جن سے ترقی کے میدان سر کرنے میں آسانی ہو۔ آج مسلم قومیں تیزی سے علم و معرفت کی طرف متوجہ ہو رہی ہیں۔ اور بڑی سرگرمی سے علمی اور تہذیبی کاموں میں شرکت کر رہی ہیں اور انسانیت کو

مادی اور ذہنی طور سے بلند کرنے کا ارادہ کر رہی ہیں ۔

آج علوم وفنون نے مختلف شکلیں اختیار کرلی ہیں ۔ اور ترجمہ کے عمل کے لئے لازم ہو گیا ہے کہ وہ بنیادی سرگرمی کو پورا کرے تاکہ علوم وفنون د ایک قوم سے دوسری قوم تک پہونچانا ممکن ہو سکے یہ کام چاہتا ہے کہ متخصصین کی مدد کے لئے تمام ملکوں میں اور مختلف میدانوں میں ایک زبان ہتھیار مہیا کیا جائے تاکہ ان مشکلات کو حل کرسکیں جو ان کے دلوں میں کھٹکتے ہیں ۔

اس لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ بہت باریک بینی کے ساتھ ادائے مقصد کے لئے ڈکشنریاں بنائی جائیں ۔

علم کی تعریب کا مسئلہ بہت اہم مسئلہ ہے ۔ کیونکہ یہ ایک قومی مقصد ہے زبان ہی قومی شعور کا پیمانہ ہے کیونکہ جب قاری مادری زبان میں علمی کتاب پڑھتا ہے تو صرف مفہوم کو سمجھنے میں وقت صرف کرتا ہے ۔ اور جو غیر ملکی زبان میں پڑھتا ہے ۔ وہ ایک ہی وقت میں دوہری کوشش صرف کرنے پر مجبور ہوتا ہے اس لئے عربی زبان میں مختلف علوم وفنون کے تراجم مہیا کرنا پر عرب قاری کے لئے بہت ضروری ہے ۔

کچھ لوگوں میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ کیا عربی زبان اپنے اندر جدید علوم کو سمونے کی قدرت رکھتی ہے اور کیا عربی میں علمی تراجم کی ضرورت ہے اور وسیلہ تدریس بن سکتی ہے ۔

دوسرے ممالک میں لوگ عملی اور نظری طریقوں سے آگے بڑھ چکے ہیں ۔ مغربی ممالک میں بہت اشاعت گھر اور دارالترجمہ اس سلسلہ میں ظہور پذیر ہوئے جن میں بہت سی علمی کتابوں کے تراجم شائع ہوتے کیونکہ انھوں نے اندازہ کرلیا کہ علمی کتابوں کا ترجمہ

عرب ممالک میں شائع کرنا ضروری ہے۔

جو لوگ عربی زبان پر غیرت کھاتے ہیں۔ وہ لوگ یہ دیکھ کر حیران ہیں کہ عربی زبان میں ترجمہ کرنے اور نشر و اشاعت کا کام غیروں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اور جن لوگوں کا یہ کام ہے وہ خود حیران و ششدر ہیں۔ اسلئے آج اشد ضروری ہے کہ عربی میں تراجم کا کام سرگرمی سے کیا جائے اور تراجم کی نشر و اشاعت کا کام وسیع پیمانہ پر عرب ممالک میں ہونا چاہیئے۔

علمی تراجم کے لئے سب سے زیادہ ضروری کام علمی اصطلاحات کا مہیّا کرنا ہے۔ لیکن یہ حقیقت سب پر واضح ہونی چاہیئے کہ علمی کتاب اصطلاحات کا ایک مجموعہ نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ ایسے شروح اور توضیحات پر مشتمل ہونا چاہیئے۔ جن کی تعبیر عام الفاظ میں کی جا سکتی ہو۔ کیونکہ اصطلاحات سے زیادہ دنوں خوفزدہ رہنا علمی میدان میں حیران و ششدر رہنے کے مترادف ہے۔

آج عربی زبان دوسرے کی تابعداری سے آزاد ہو چکی ہے اور عمل کے وسائل عربوں کے لئے مہیّا ہیں۔ آج عرب دنیا سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور کے چوکھٹ پر کھڑی ہے اس وقت علمی کوشش میں عرب دورِ نو کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ منقطع کڑیوں کو جوڑا جائے۔ اس لئے علمی ترجمہ کے ساتھ ایسے اسباب اور وسائل کو اختیار کرنا ضروری ہے جس کی بنا پر دوسروں کو کچھ دیا جا سکے اور لیا جا سکے۔ ترجمہ کے عمل کو باعزت مقام دینا ضروری ہے تاکہ بہترین مترجمین تمام شرائط کے ساتھ منظر عام پر آ سکیں۔ کیونکہ ترجمہ کے لئے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) جس زبان سے ترجمہ درکار ہے اس میں مترجم کی مہارت۔
(۲) عربی زبان میں مہارت۔
(۳) علمی ترجمہ کے موضوع میں تخصص۔

(۴) تجربہ جس سے مترجم بخوبی آشنا ہو۔

الغرض ترجمہ کا عمل ایسا عمل تھا۔ جس کی وجہ سے دورِ عباسی میں اسلامی دنیا انسانیت کی رہبر بن گئی۔ اور ماضی کے ورثہ کو رہتی دنیا تک انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے منتقلی کا ایک واسطہ بن گئی آج بھی مستقبل میں بھی انسانیت اس احسان کے بارِ گراں سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلہ میں احمد حسن زیات رقمطراز ہیں۔

> "حکومت عباسیہ کا زمانہ اسلام کا وہ عہدِ زریں ہے جس میں مسلمان تہذیب و تمدن اور عمران و اقتدار کے لحاظ سے اس قدر بلند مقام پر پہونچ گئے تھے کہ اس سے قبل یا اس کے بعد پھر کبھی اس بلندی پر نہ پہونچ سکے۔ فنون اسلامیہ اس دور میں پھلے پھولے۔ آداب عربیہ نے نشو و نما پائی غیر ملکی علوم کے ترجمہ کئے گئے۔ عقل عربی پک کر تیار ہوئی اور اس نے غور و فکر بحث و تمحیص کے لئے ایک وسیع جولانگاہ پائی [۱]"

---

[۱] احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، ترجمہ عبدالرحمٰن سورتی، ص ۳۰، طبع لاہور ۱۹۶۲ء

کِتابیاتُ

المراجع والمصادر العربیہ

(۱) القرآن المجید:- سورۃ العلق، سورۃ القلم -

(۲) ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، بیروت سنہ ۱۹۶۵ء
(ابو العباس احمد بن القاسم)

(۳) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، الجزء الخامس 〃 سنہ ۱۹۸۵ء
(عز الدین ابو الحسن)

(۴) ابن جریر الطبری (ابو جعفر محمد) تاریخ الامم والملوک المجلد الخامس 〃 سنہ ۱۹۸۷ء

(۵) ابن جُلجُل، طبقات الاطباء والحکماء، (القاہرہ) سنہ ۱۹۵۵ء

(۶) ابن حجر العسقلانی (احمد بن علی)، بلوغ المرام مع اتحاف الکرام الطبعۃ الاولیٰ بنارس سنہ ۱۹۸۲ء

(۷) ابن خلکان (احمد بن محمد بن ابی بکر) وفیات الاعیان، الجزء الاول بیروت سنہ ۱۹۷۸ء

(۸) ابن خلدون، عبد الرحمٰن بن محمد) مقدمہ ابن خلدون، الطبعۃ الاولیٰ، بیروت 〃

(۹) ابن سعد (محمد) الطبقات الکبریٰ، جلد ۶، 〃 سنہ ۱۹۵۸ء

(۱۰) ابن العبری (علامہ غریغوریوس ابی الفرج بن اہرون) مختصر الدول 〃 〃

(۱۱) ابن طباطبا (محمد بن علی) تاریخ الفخری (اردو ترجمہ (بار اول) دہلی سنہ ۱۹۶۹
(مترجم مولوی محمود علی خاں)

(۱۲) ابن ندیم (محمد بن اسحاق) الفہرست، (اردو ترجمہ)، لاہور 〃
(مترجم مولانا محمد اسحاق)

(۱۳) الدکتور) ابراہیم الشریفی، تاریخ الاسلام، الطبعۃ الاولیٰ، السعودیہ 〃

(۱۴) احمد امین، ضحی الاسلام، الجزء الاول الجزء الثانی، الطبعۃ الثالثۃ، القاہرہ سنہ ۱۹۳۸

(۱۵) احمد حسن زیات تاریخ الادب العربی، 〃 سنہ ۱۹۸۷

(۱۵) (الدکتور) احمد فرید الرفاعی، عصر المامون، الجزء الاول، القاہرہ ۱۹۱۷ء
الطبعۃ الثانیہ

(۱۶) النسائی (ابو عبدالرحمٰن) سنن النسائی، الطبعۃ الاولیٰ، بیروت ۱۹۳۰ء
الجزء الاول
(احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار) (بشرح جلال الدین السیوطی)

(۱۷) احمد ہیکل، تطور الادب الحدیث، الطبعۃ الرابعۃ، القاہرہ ۱۹۸۳ء

بہاء الدین الآکلی —— کشکول مصر ۱۹۵۱ء

(۱۸) الترمذی (ابو عیسیٰ محمد سنن الترمذی، الجزء الاول، بیروت ۱۹۸۰ء
بن عیسیٰ بن سورہ) الجامع وھو الصحیح۔

(۱۹) الجاحظ (عمرو ابن بحر) کتاب الحیوان، القاہرہ ۱۹۶۹ء

(۲۰) القفطی (ابو الحسن جمال، تاریخ الحکماء (اردو ترجمہ) دہلی ۱۹۴۵ء
الدین علی بن یوسف)، (مترجم غلام جیلانی برق)

۲۱ المسعودی (ابو الحسن، مروج الذھب القاہرہ ۱۹۶۶ء
علی بن الحسین)

(۲۲) جرجی زیدان - تاریخ التمدن الاسلامی، الجزء الثالث القاہرہ ۱۹۳۶ء
- التنبیہ والاشراف، 〃 ۱۹۰۲ء
- تاریخ اللغۃ العربیہ، 〃 ۱۹۶۲ء
- تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، 〃 ۱۹۳۰ء
- العرب قبل الاسلام، 〃 ۱۹۶۲ء
- الفلسفۃ اللغویۃ، 〃

(۲۳) حاجی خلیفہ (مصطفیٰ بن عبداللہ القسطنطنی الشہیر بالملا کشف الظنون- بیروت ۱۹۸۲ء
کاتب الچلبی) عن اسامی الکتب والفنون۔ الطبعۃ الاولیٰ)

(۲۴) (الدکتور) حسن ابراہیم، تاریخ الاسلام، الطبعۃ السابعۃ القاہرہ ۱۹۶۴ء

(۲۵) (الدکتور) شوقی ضیف، تاریخ الادب العربی، الطبعۃ الثانیہ القاہرہ ۱۹۷۳ء
(العصر العباسی)

(۲۶) صفی الرحمان مبارکپوری، اتحاف الکرام الطبعۃ الاولیٰ بنارس ۱۹۸۲ء

(۲۷) صاعد بن احمد الاندلسی، طبقات الامم، اعظم گڈھ ۱۹۲۶ء
(قاضی ابوالقاسم) (اردو ترجمہ، مترجم قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی)

(۲۸) فضل امام خیرآبادی، ہدایۃ الحکمت، کانپور سنہ ندارد

(۲۹) کمال سامرائی، مختصر تاریخ الطب العربی جلد اوّل، دمشق ۱۹۸۴ء

(۳۰) (الدکتور) محمد احمد العرب، عن اللغۃ والادب والنقد (الطبعۃ الاولیٰ) القاہرہ ۱۹۸۰ء

(۳۱) محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، الجزء الثانی، بیروت ۱۹۷۸ء

(۳۲) مجدالدین فیروز آبادی، القاموس المحیط۔ الجزء الرابع 〃 ۱۹۸۲ء
(الطبعۃ الاولیٰ)

(۳۳) معلوف یسوعی، المنجد، الطبعۃ الحادیہ والعشرون بیروت ۱۹۷۳ء

(۳۴) ولی اللہ الدہلوی (شاہ) حجۃ اللہ البالغہ، الطبعۃ الاولیٰ دہلی ۱۹۵۴ء

(۳۵) ولی الدین (الشیخ) مشکوٰۃ المصابیح، دہلی آفسیٹ۔

مراجع و مصادر

(اُردو)

(۱) (مولانا) ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، الجزء السادس دھلی ۱۹۸۸ء

(۲) احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، طبع دوم، لاھور ۱۹۷۳ء

(۳) (مولانا) اسلم جیراجپوری، خلافت عباسیہ و ہندوستان، بار اول، دھلی ۱۹۸۴ء

٤ (مولانا قاضی) اطہر مبارکپوری، خلافت عباسیہ اور ہندوستان بار اول 〃 ۱۹۸۲ء

(۵) اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام حصہ دوم 〃 ۱۹۸۷ء

(۶) (ڈاکٹر) اقبال احمد قاسمی، اختیارات قاسمی، طبع اول پٹنہ ۱۹۸۷ء

(۷) بہاء الدین آملی، کشکول، مصر ۱۹۵۱ء

(۸) (مولانا) حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن - حصہ اول، دھلی ۱۹۸۲ء
طبع چہارم حصہ سوم، طبع پنجم 〃 〃

(۹) دائرۃ المعارف اسلامیہ (اردو)، دانش گاہ پنجاب، جلد ۵ طبع اول لاھور ۱۹۷۱ء

(۱۰) ذاکر حسین جعفر (ایس)، تاریخ اسلام، دھلی ۱۹۱۸ء

(۱۱) رضازادہ شفق (ڈاکٹر)، تاریخ ادبیات ایران، طبع چہارم دھلی ۱۹۶۹ء
(اُردو ترجمہ)

(۱۲) رشید اختر ندوی، تہذیب و تمدن اسلام، جلد سوم لاھور ۱۹۵۳ء

(۱۳) (ڈاکٹر) زبیر احمد، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ 〃 ۱۹۷۳ء

(۱۴) سید سلیمان ندوی، ارض القرآن، حصہ دوم طبع چہارم اعظم گڈھ ۱۹۵۶ء

(۱۵) سید سلیمان (منصور پوری) رحمۃ للعالمین طبع اول دھلی ۱۹۸۰ء

(۱۶) علامہ شبلی نعمانیؒ ۔ المامون، طبع دوم اعظم گڑھ ۱۹۵۷ء
- مضامین، طبع اول دھلی
- رسائل، علی گڑھ ۱۸۹۹ء
- الغزالی، کانپور ۱۹۰۱ء
(۱۷) (ڈاکٹر) عابد حسین، تاریخ فلسفۂ اسلام (طبع اول، دھلی ۱۹۷۲ء
(ترجمہ کتاب۔ ٹ ج دو بوئر)
(۱۸) (مولوی) عبدالرزاق (کانپوری) البرامکہ کانپور ۱۸۹۷ء
(۱۹) (مولانا) عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام، اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء
(۲۰) عبدالقدوس ہاشمی، تقویم تاریخ، (طبع دوم)، اسلام آباد ۱۹۸۲ء
(۲۱) خان ماجد علی، سیرت خاتم النبیین، طبع اول، دھلی ۱۹۸۹ء
(۲۲) (شاہ) معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، حصہ دوم کراچی ۱۹۷۴ء
(۲۳) محمد فاروق خاں، حدیث کا تعارف (طبع اول)، دھلی 〃
(۲۴) محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام طبع اول کراچی ۱۹۶۴ء
(اردو ترجمہ)
(۲۵) سید منیر علی، اندلس کی اسلامی تاریخ۔ 〃 ۱۹۶۸ء
(۲۶) محی الدین الوائی، عربی دنیا (طبع اول)، دھلی ۱۹۶۱ء
(۲۷) (مولانا) محمد حنیف گنگوہی قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون دیوبند ۱۹۷۸ء
(۲۸) نہال سنگھ بھائی، رگوید آدی بھاشیہ بھومیکا، لاھور ۱۹۱۴ء
(طبع سوم)
(۲۹) (حکیم سید) نیّر واسطی، طب العرب (طبع دوم)، لاھور ۱۹۶۹ء
(۳۰) وسیم احمد اعظمی، بیت الحکمت کی طبی خدمات (طبع اول)، دھلی ۱۹۸۸ء

806 13

مجلّات

(۱) اسلام اور عصر جدید (اُردو) شمارہ نمبر ۳، جولائی سنہ ۱۹۷۴ء نئی دہلی۔

(۲) بُرہان (اُردو) اگست سنہ ۱۹۸۸ء، اکتوبر سنہ ۱۹۸۷ء ندوۃ المصنّفین دہلی۔

(۳) المعارف (اُردو) مارچ اپریل سنہ ۱۹۸۸ء لاہور پاکستان

(۴) طب اسلامی، ہمدرد، سنہ ندارد۔

(۵) ابحاث (عربی) محرّرہ خالد ماغوط، طبع حلب سنہ ۱۹۸۴ء

(المؤتمر السنوی السادس لتاریخ العلوم عند العرب)

طب

کتاب	مصنف/مترجم	قیمت
امراض النساء (تیسرا ایڈیشن)	حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی	۴۸/=
امراض الاطفال	حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی	۴۸/=
امراض اور ان کی حقیقت	حکیم ایم حسام صدیقی	۲۳/=
بچے کی صحت (تیسرا ایڈیشن)	ڈاکٹر مس ستیہ گپتا/شمیم نکہت	۷/۵۰
پیٹ کے کیڑے	محمد رفیق اے۔ ایس	۷/=
تاریخ طب	حکیم محمد حسان	۱۶/=
تشریح الہیکل (اوّل) دوسرا ایڈیشن	حکیم ایس۔ ایم۔ کمال الدین حسین ہمدانی	۱۲/=
تشریح الاحشا (دوم) دوسرا ایڈیشن	حکیم ایس۔ ایم۔ کمال الدین حسین ہمدانی	۳/۵۰
تیمارداری ترمیم و اضافے کے ساتھ (دوسرا ایڈیشن)	ڈاکٹر حسین فاروقی	۱۲/۵۰
چائنیز طب آکیوپنکچر اور موکسی بوشن کے بنیادی اصول	ڈاکٹر محمد ظہیر الدین	۱۲/=
درد۔ علامت اور علاج	حکیم ابوسعد خالد جاوید شمشی	۱۷/=
سرطان کیا ہے	محمد برہان حسین	۷/=
شراب نوشی اور منشیات کی لت	ڈاکٹر حسین فاروقی	۸/=
علم الادویہ (حصہ سوم)	حکیم محمد مستان علی	۲۱/=

ترقی اردو بیورو

شعبۂ فروخت و نمائش ویسٹ بلاک ۸ آر۔ کے۔ پورم نئی دہلی ۱۱۰۰۶۶
شعبۂ انتظامی امور ویسٹ بلاک ۱ ونگ نمبر ۶ دوسری منزل آر۔ کے۔ پورم نئی دہلی ۱۱۰۰۶۶